صفوۃ الرحمٰن صابر مدیر الحق

نبینا و سیدنا محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی

سیرت طیبہ

موسوم بہ

اسوۂ حسنہ

مرتبہ

صفوۃ الرحمٰن صابر مدیر "الحق"

جسکو

شرکائے ادارہ اہل سنت و جماعت نے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی

قیمت دو روپے چار آنے ——— بار اول .... دو ہزار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؏

وجہ تالیف

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی کی طلب و حرص، بگڑی ہوئی دنیا کو سنوارنے کی والہانہ جدوجہد۔ انسانوں کو اوصافِ انسانیت سے آراستہ کرنے کی تعلیم۔ جہاد فی سبیل اللہ کے باطل شکن عزائم سیرتِ طیبہ کے یہ اہم اجزاء ہیں، عموماً سیرت کی کتابوں میں جن پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔

بہ توفیقِ الٰہی اس کتاب میں سیرتِ طیبہ کے مذکورہ اہم اجزاء کو نمایاں کیا گیا ہے۔ جن کی کما حقہ اتباع کے بغیر دین داری کا تصوّر درست نہیں۔

بہ مُصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نہ رسیدی تمام بُولہبیست

مدیرُ الحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسوۂ حسنہ

فہرست مضامین

(مطبوعہ)

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُسوۂ حَسَنَہ

سِیرتِ سَیّدِنا وَنَبِیِّنا خاتِمُ الاَنْبیاء حضرت مُحَمَّد مُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مُقَدَّمَہ

اللہ جلّ شانہٗ کی ربوبیّت اور بعثت انبیاء علیہم السلام

معدودے چند جاہلوں کے سوا تمام انسان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ کائناتِ ارضی و سماوی، زمین و آسمان کی تمام مخلوق کے ربّ، پروردگار، حاجت روا، اللہ جلّ شانہٗ ہی ہیں۔ مگر وہ ربوبیّت کا بس اتنا ہی مطلب جانتے ہیں کہ بقائے حیات کا تمام سامان، ہوا، پانی، آگ، مٹّی، سورج و چاند کی روشنی، نباتات، حیوانات، جمادات سب کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ حیات و موت۔ رزق، صحت و عافیت کا نظام اللہ جلّ شانہٗ ہی کے حکم سے قائم و جاری ہے۔" اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ بندوں کو علم و ہدایت کی روشنی عطا کرنا۔ بندوں کی تعلیم و تربیّت کا انتظام کرنا۔ بندوں کو نیک و صالح بنانا بھی ربوبیّت کے مفہوم میں داخل بلکہ ربوبیّت کا ایک اہم شعبہ ہے۔

کلامِ الٰہی میں بکثرت ربوبیت کی جو تفصیل ہے اور اپنی ایک ایک نعمت کو بیان فرمایا ہے اور مخاطبین جس کا اقرار کرتے تھے اس میں اسی جانب اشارہ ہے کہ بندوں کے لئے نبی کو پیدا کرنا بھی ربوبیّت کا ایک لازمی شعبہ ہے مثلاً

قل من یرزقکم من السّمآء والارض امّن ◈ کہیے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو زمین و آسمان سے رزق دیتا
یملک السمع والابصار ومن یخرج الحیّ ◈ ہے۔ وہ کون ہے جو تمہاری شنوائی و بینائی پر اختیار رکھتا ہے

من المیت ویخرج المیت من الحیّ ومن ﴿ وہ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو پیدا
یدبرالامر فسیقولون اللہ ○ (سورہ یونس) ﴿ کرتا ہے وہ کون ہے جو تمہارے تمام کاموں کا مدبر ہے۔ وہ جواب میں
﴿ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے۔

سورۂ انعام کے بارھویں رکوع کے آخر میں بقائے حیات کی ایک ایک نعمت کو بیان کرکے فرماتے ہیں۔

ان فی ذٰلکم لاٰیٰتٍ لّقوم یؤمنون ﴿ ایمان لانے والوں کے لئے اس میں (نزول وحی و رسالت کے) دلائل ہیں

مطلب یہ ہے کہ جس طرح بقائے حیات کے لئے ہوا، پانی و غذا وغیرہ کا انتظام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے اسی طرح یہ بھی اللہ کی ربوبیّت ہے کہ بندوں کی ہدایت، صلاح و فلاح کے لئے الٰہی تعلیم نازل کی جائے اور انبیاء علیہم السلام پیدا کئے جائیں جس طرح ہوا، پانی، غذا کے بغیر انسان کی زندگی محال ہے اسی طرح وحی و رسالت کے بغیر نہ انسان، انسان بن سکتا ہے نہ دنیا و آخرت میں امن و سلامتی و فلاح پا سکتا ہے اسلئے حقیقتاً رب وہی ہے جو کھانے کپڑے کے ساتھ بندوں کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کرے۔

انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ انسانوں کی صحبت ہی سے انسان بنتا ہے اس لئے انسانوں کی ہدایت، صلاح و فلاح و تربیت کے واسطے اللہ جلّ شانہٗ انسانوں ہی میں سے برگزیدہ انسانوں کو منتخب کرکے ان کو انسانوں کی ہدایت و رہبری کے لئے مامور فرماتے رہے اوّلاً تمام انسانوں کے جدّ اعلیٰ آدم علیہ السّلام کو علم و ہدایت سے سرفراز کیا تاکہ وہ خود بھی اس کے مطابق عمل کریں اور اپنی اولاد کو بھی یہی تعلیم دیں۔ اس کے بعد اولادِ آدم ہی میں، وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السّلام کو پیدا کیا اور اُن پر علم و ہدایت نازل کرکے بندوں کی اس فطری ضرورت و اہم حاجت کی تکمیل کا سامان ہر ملک و قوم میں جاری رکھا۔ تاآنکہ کامل، جامع، علم و ہدایت دے کر حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمینِ عرب کے ایک شہر مکّہ میں مبعوث فرمایا۔ اور قیامت تک تمام دنیا کے انسانوں کی ہدایت و فلاح کا انتظام کردیا۔ اور سلسلۂ نبوّت کو ختم فرما دیا۔

ملکِ عرب کا محلِ وقوع اور اُس کی اندرونی حالت

ملکِ عرب کو کرۂ زمین کے...... نقشے پر دیکھئے تو اس کے محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو برّاعظم ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے وسط میں جگہ دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشکی و تری کے راستوں سے اطراف کی دنیا کو ایک کر رہا ہے۔ اس لئے تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لئے ملکِ عرب سے بہتر کوئی سرزمین نہیں ہوسکتی تھی۔

ملکِ عرب کے جنوب پر حبش کی سلطنت اور مشرقی حصّہ پر سلطنتِ فارس اور شمالی حصہ پر روم کی عظیم الشان

سلطنت قائم تھی ۔ ملک عرب اگرچہ بزعم خود آزاد تھا، لیکن معاشی و تجارتی اغراض کے تحت کم و بیش ان تینوں سلطنتوں کے زیر اثر تھا۔

اس کے شمال میں ملک شام ہے جس کا سلسلہ مشرق میں بابل سے ملا ہوا ہے اور مصر ملکِ عرب کے مغرب میں واقع ہے شام و بابل اور مصر وہ شہر ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاقؑ آباد ہوئے اور انھیں کی اولاد میں سے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام پیدا ہوتے رہے ۔ مثلاً حضرت یعقوب ، حضرت یوسف ۔ حضرت موسیٰ ۔ حضرت داؤد حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ۔ ان میں سے تین صاحبانِ کتاب تھے ۔ حضرت موسیٰؑ کو جو کتاب دی گئی اُس کا نام توریت ہے ۔ اور حضرت داؤدؑ و حضرت عیسیٰ علیہما السّلام پہ زبور و انجیل نازل ہوئی ۔ (یہ کتابیں اب اصلی حالت میں اور اصلی زبانوں میں باقی نہیں ہیں) ۔

ملک عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ آباد ہوئے ۔ مکّہ جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن ہے وہاں کی تمام تر آبادی بنو اسمٰعیلؑ ہی پر مشتمل تھی ۔ بنو اسمٰعیل اشرافِ عرب تھے ۔ مکّہ کا اندرونی نظم و نسق بھی انہیں کے ہاتھوں میں تھا ۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دونوں فرزندوں حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت اسحاق ہی کی اولاد بابل ، شام ، مصر و عرب کی تہذیب و تمدن و اقتدار کی مالک تھی ۔ فرق یہ تھا کہ اہلِ شام و اہلِ مصر کی زندگی تکلّف و تنعّم کی زندگی تھی ۔ اور اہلِ عرب کی زندگی بالکل سادہ اور فطری تھی ۔ نیز ایک بڑا فرق یہ تھا کہ شام و مصر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السّلام پیدا ہوتے رہے ۔ اس وجہ سے شام و مصر میں علم و ہدایت کا چرچا تھا ۔ اور وہاں کے باشندے الٰہی تعلیم سے بالکل بے بہرہ نہیں تھے ۔ بخلاف اس کے عرب کے باشندے الٰہی تعلیم سے بالکل ناآشنا تھے کیونکہ ملک عرب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بعد سلسلۂ نبوت جاری نہیں رہا اور آپ کی نسل میں صرف نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ۔

اگرچہ اکثر یہودی و عیسائی عرب میں آکر بس جانے کی وجہ سے کچھ عرب بھی یہودی اور عیسائی ہوگئے تھے ۔ مگر بالعموم عرب میں بت پرستی رائج تھی اس طرح یہ ملک مختلف اہلِ مذاہب کا گہوارہ تھا ۔ بیشتر آبادی بت پرست تھی ۔ ان کے بت دو قسم کے تھے چند ایک ملائکہ سے اور دیگر غیر محسوس ارواح سے نسبت رکھتے تھے اور دوسری قسم ان بتوں کی تھی جو مشہور و نامی اشخاص سے منسوب تھے یعنی مشہور و معروف لوگوں کی تصویریں پتھروں پر منقوش کرکے اُن کے آگے لوازم عبودیّت ادا کرتے تھے ۔ اعتقاد یہ تھا کہ مرنے کے بعد ان بزرگوں کی روحوں کو اس عالم میں تصرّف کا اختیار عطا کیا جاتا ہے اور یہ اپنے ماننے والوں کی ہر طرح مدد کرتے ہیں ۔ اور اللہ کے پاس سفارش کرتے ہیں ۔ اس لئے ان کی نذر و نیاز کرتے تھے ۔ ان کے نام سے قربانی کرتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے ۔ مصائب و مشکلات میں ان ہی کو پکارتے تھے ۔ اور کہتے یہ تھے کہ ہم ان کی پرستش نہیں کرتے ہیں ۔ بلکہ ان کے ذریعے اللہ سے اپنے گناہ معاف کراتے ہیں ۔ ان بتوں کے علاوہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بی بی مریمؑ کی تصویریں بھی خانۂ کعبہ میں آویزاں تھیں جن کے آگے رکوع و سجود کرتے تھے ۔ یہ لوگ اللہ

تعالیٰ کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کو خالق و رب مانتے تھے۔ مگر عقیدہ یہ تھا کہ حق تعالیٰ تنہا کائناتِ ارضی وسماوی کی فرماں روائی نہیں کر سکتے۔ اس لئے نظامِ کائنات کو چلانے کے لئے اپنی خاص خاص مخلوق خصوصاً ملائکہ واجنہ کو اپنی اولاد (بیٹے، بیٹیاں) بناکر ان کو اپنی خدائی میں شریک و دخیل کر لیا ہے۔ کائناتِ ارضی کا نظم ونسق ان ہی کے ہاتھوں میں ہے ان کے مشورے اور سفارش سے تمام کام انجام پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کی راست خبر نہیں ہوتی بلکہ یہی شرکاءِ اللہ کو بندوں کے احوال سے باخبر کرتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی بھلائی اس میں ہے کہ ان کو راضی رکھا جائے جن سے یہ راضی ہو جائیں اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہو جاتے ہیں اسی لئے اللہ کے ساتھ یہ لوگ، ملائکہ ولجنہ اور بزرگوں کی ارواح کو بھی اِلٰہ (معبود) سمجھتے تھے یعنی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کو مدد کے لئے پکارنا، اللہ ہی کو پکارنا ہے۔ ان سے مدد مانگنا اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔ مصائب ومشکلات و آفات میں ان ہی کی طرف رجوع کرتے تھے قیامت، حشر، حساب، کتاب اور حیاتِ بعد الممات کے قائل نہ تھے۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم جس طریقہ سے نسلاً بعدِ نسلٍ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے چلے آرہے ہیں یہ بالکل اللہ کی مرضی و منشاء کے مطابق ہے اگر یہ اللہ کے منشاء کے خلاف ہوتا تو ہم اور ہمارے آباء و اجداد ہرگز ایسا نہ کر سکتے۔ اور اس پندار میں بھی مبتلا تھے کہ ان کے من گھڑت (اِلٰہ) معبود، انہیں آخرت کی مشکلات سے نجات دلا دیں گے۔ اس لئے آخرت کی نجات کے لئے عقیدہ وعمل کی اصلاح کی ضرورت نہیں اسی بناء پر وہ اس بات کے بھی قائل نہیں تھے کہ اللہ کی طرف سے بندوں کی اصلاح کے لئے ہدایت نازل ہوتی ہے۔ غرض خدائے تعالیٰ کے متعلق وہ ایسے ہی جاہلانہ تصورات میں مبتلا تھے۔ اور اپنے زعم میں اسی کو خدا پرستی سمجھتے تھے۔ مختصر یہ کہ اپنے اپنے من گھڑت طریقوں سے خدا کی عبادت کرنا اور پوری زندگی میں اپنے آپ کو آزاد و خود مختار سمجھنا، فطری خواہشات کی من مانی پیروی کرنا اور زندگی کے تمام معاملات وکاروبار کو اپنی عقل و تدبیر سے انجام دینا اپنا جائز حق سمجھتے۔ خدا اور بندے کے تعلق کا اس سے زیادہ اور کوئی مفہوم ان کے پاس نہیں تھا۔

بعض دہریہ قسم کے لوگ بھی تھے جو خدائے تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ انسان کے سلسلۂ حیات وموت کو زمانہ کی گردش کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک فطری خواہشات کی من مانی اتباع ہی زندگی کا صحیح طریقہ تھا۔ ہر اخلاقی پابندی کو خلافِ فطرت قرار دیتے تھے۔

بعض کا عقیدہ یہ تھا کہ زندگی اور زندگی کے حوادثات وانقلابات سیاروں کی گردش سے وابستہ ہیں اس بناء پر وہ آفتاب و مہتاب اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔

ان کے علاوہ باقی اہلِ کتاب تھے۔ یہودی حضرت موسیٰؑ کی امت تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی امت۔ مگر ان دونوں نے الٰہی و انبیائی تعلیم کو مسخ کر دیا تھا اور مشرکانہ عقاید میں مبتلا ہو کر ملتِ ابراہیمیؑ سے روگرداں ہو گئے تھے

اور اپنے کو اتنا بگاڑ لیا تھا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام کو ان کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ حضرات ہرگز نہ پہچانتے کہ یہ ہماری امت ہیں اور ہماری تعلیم کے علمبردار۔

غرض الٰہی تعلیم سے بے بہرہ اور الٰہی تعلیم کے علمبردار، دونوں کے پاس یہ ایک عام گمراہی پھیلی ہوئی تھی کہ انہوں نے ملائکہ، اجنّہ اور انبیاء علیہم السّلام کو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا الٰــہ بنا رکھا تھا علاوہ ازیں ان کے پاس شرافتِ انسانی کا کوئی معیار نہیں تھا۔ اوصافِ حمیدہ سے عاری تھے۔ ظلم، زیادتی، حق تلفی، دھوکا، فریب، جھوٹ، بغض وحسد، کمزوروں غریبوں کی تذلیل و تحقیر، نمود و شہرت، حکومت و اقتدار کی خواہش، ذخائرِ سیم و زر کی حرص، بے روک ٹوک جنسی خواہشات کی تکمیل، زن و مرد کی مخلوط تہذیب، عریانی و بے حیائی، جوا و شراب نوشی، وطن پرستی و قوم پرستی، جیسے انسانیت سوز اعمال موجبِ فخر و ناز تھے۔ انسانوں پر انسانوں کی حکومت تھی۔ یہ حالت صرف عربوں ہی کی نہیں تھی۔ بلکہ کم و بیش پوری دنیا کا یہی نقشہ تھا۔ ذرا غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ آج کی نام نہاد مہذب اور ترقی یافتہ دنیا کی بھی بالکل وہی حالت ہے۔ مذہبی دنیا ہو کہ لا مذہب دنیا، ان کی معاشرت، ان کی تہذیب، ان کے اخلاق و معاملات، ان کی حکومت و سیاست کا جائزہ لیجئے تو صاف نظر آتا ہے کہ جہالتِ قدیمہ اور جہالتِ جدیدہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ زمین کے چپّہ چپّہ پر فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑک رہی ہے۔ انسان، انسان ہی سے جو بدظن و خائف ہے۔ مزدور و سرمایہ دار کی جو کشمکش ہے۔ مخلوط تہذیب کے جو حیا سوز کارنامے ہیں۔ انسانوں پر انسانوں کی حکومت کی جو تباہ کاریاں ہیں یہ تمام جہالت ہی کی ہنگامہ آرائی ہے۔ جہالتِ قدیمہ بھی الٰہی تعلیم کو بھول جانے کا قدرتی ردِّ عمل تھا اور جہالتِ جدیدہ بھی الٰہی تعلیم سے اعراض و روگرداں ہونے کا قدرتی ردِ عمل ہے۔ یہ ترقی یافتہ دنیا، دراصل ترقی یافتہ جہالت ہے۔

الغرض ان تمام خرابیوں کے باوجود عربوں میں کچھ اوصاف بھی تھے اطراف و اکناف کی دنیا جن سے کم و بیش عاری تھی۔ ان میں شجاعت، بہادری تھی۔ سخاوت تھی۔ مہمان نوازی تھی۔ حمیّت، غیرت، خودداری تھی، ایفائے عہد تھا، مستقل مزاجی تھی۔ یہ لوگ سادگی اور محنت مشقّت کے عادی تھے۔ سپہ گری ان کا آبائی فن تھا۔ ان کے بچے ہتھیاروں سے کھیلتے تھے۔ حفظِ ناموس کے لئے جان و مال کی پروا نہ تھی۔ ذہانت اور قوّتِ حافظہ خداداد تھی۔ ایسے ہی استعداد والے، ایسے ہی دل و جگر کے انسان الٰہی تعلیم، دینِ حق کا بہترین نمونہ بن سکتے تھے۔ ملک عرب کا محلّ وقوع اور عربوں کے فطری اوصاف کا اقتضاء یہ تھا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکِ عرب میں پیدا کیا تاکہ عرب اپنی فطری صلاحیتوں کی بناء پر جلد از جلد دینِ فطرت، دینِ اسلام کی خوبیوں سے آراستہ ہو جائیں اور ان کے ذریعے کم سے کم مدت میں حق کی آواز ان ممالک میں پہنچ جائے جو خشکی و تری کی راہ سے ملکِ عرب سے متصل تھے۔

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، ملکِ عرب میں پیدا ہونے کی وجہ سے بعض کج فہم یہ حجّت کرتے ہیں کہ آپؐ جو الٰہی تعلیم نازل ہوئی وہ صرف عربوں کے مزاج کے موافق تھی، اس لئے آپؐ صرف عربوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے دوسرے ممالک و اقوام کے لئے آپؐ کی لائی ہوئی الٰہی تعلیم قابلِ قبول نہیں ۔ ہندوستان میں گاندھی جیسے قوم کے رہنما بھی اس غلط فہمی کا شکار تھے ۔ وہ حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسولؐ تو ماننے پر مجبور ہوئے مگر تاقیامت ساری دنیا کے لئے آپؐ کو ہادیٔ برحق ماننا اُن کی سمجھ میں نہ آیا ۔ اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ ہمارے اکابرِ ملّت بھی یہ حقیقت ان کو نہ سمجھا سکے ۔

امراضِ جسمانی کا کوئی ماہر اور ان امراض کی دوا یورپ میں پیدا ہو اور دیگر ممالک میں بھی وہی امراض پیدا ہو جائیں تو محض اس وجہ سے کہ اِن امراض کا ماہر اور دوا یورپ کی پیداوار ہے اس ماہر سے علاج نہ کروانا ...... دانشمندی ہے یا محض نادانی ۔ کون ہے جو ایسی نادانی کرتا ہے ۔ تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ امراضِ جسمانی میں یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ معالج اور دوا کس ملک کی ہے ۔ بلکہ عام طور پر یہی عمل ہے کہ جو امراض ملک میں پیدا ہوتے ہیں ان کا اچھا اور بہتر علاج جہاں کہیں بھی ہو سب وہیں رجوع کرتے ہیں اور وہی طریقۂ علاج وہی دوائیں سب ہی جگہ استعمال کی جاتی ہیں ۔ تعجّب ہے کہ امراضِ قلبی میں اس اصول کو فراموش کر دیا جاتا ہے ۔ اور اچھے اچھے سمجھ دار بھی اس معاملہ میں نادانوں اور بے عقلوں کی روش اختیار کرتے ہیں ۔

رسالتِ محمدیہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل کی دنیا ہو یا آج کی دنیا، اس کے انتشار و پراگندگیٔ فکر و عمل کی آوارگی و گندگی کا تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بنیادی خرابی یہی ہے کہ خالقِ انسان سے انسان کا جو فطری تعلق ہے اس کو اور حیاتِ ابدی یعنی اعمالِ نیک و بد کے ثمرات و نتائج کی ابدی زندگی کو بھلا دیا گیا ۔ کسی ملک و قوم کی تخصیص نہیں ۔ مشرق ہو کہ مغرب، شمال ہو کہ جنوب، تمام انسانوں میں یہی بنیادی خرابی ہے ۔ اس مرض کا علاج الٰہی تعلیم شفاخانۂ نبوّت کے سوا اور کہیں نہیں ہے ۔ مرض ایک ہی ہے اور اس کا علاج بھی ایک ہی ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ تمام انسانوں کے امراضِ قلبی کا نسخۂ شفاء لانے والی ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صراحت کردی ہو ۔

اَرسلتُ اِلی الخلقِ کافّۃً (مسلم) ٭ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔

یعنی میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں ۔ اس اعلان کے بعد بھی محض اس وجہ سے کہ معالج عرب میں ہوا ہے اِس علاج سے روگردان ہونا، اعراض و انحراف کرنا جہل و نادانی ہے ۔ اپنے ساتھ دوسروں کی زندگی کو تباہ کرنا ہے ۔ تباہی بھی کیسی، ابدی تباہی ۔

دوسری غلطی جو پھیل گئی یا پھیلا دی گئی وہ یہ ہے کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بانیٔ اسلام کہا جاتا ہے۔ خصوصاً غیر مسلموں نے آپ کے متعلق جو کتاب بھی لکھی اس میں آپؐ کو بانیٔ اسلام لکھا۔ دینی تعلیم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلمان بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ فرنگی مصنّفوں نے توجی کھول کر یہ کیچڑ اچھالا اور اب ہمسایہ برسرِاقتدار ہندو قوم کے رہنما بھی اسی دجل و فریب سے کام لے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ درسی کتب میں بھی ایسی مہمل اور غلط باتیں لکھی جا رہی ہیں۔ مثلاً :-

"عیسائیت کے بعد اسلامی دھرم محمدؐ صاحب نے چلایا۔"

یا یہ فقرہ کہ :-

"محمدؐ صاحب نے قرآن ایک کتاب لکھی اور اس میں اُن سب باتوں کو لکھا جن کو وہ چاہتے تھے لوگ مانیں۔"

اسلامی تعلیم اور اس کی تاریخ کا جو مستند ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اُس کی موجودگی میں ایسی باتیں کتنا صریح جھوٹ، افتراء اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی سعیٔ لاحاصل ہے۔ قوم کے رہنما بن کر جو لوگ قوم کے سامنے ایسی باتیں کہتے ہیں۔ وہ حقیقتاً مصلح نہیں مفسد ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے بندوں کی ہدایت کے لئے جو الٰہی تعلیم نازل ہوتی رہی اس کا نام عربی زبان میں "دینِ اسلام" ہے۔ اس لحاظ سے ہر ملک و قوم میں جو نبی پیدا ہوئے انہوں نے دینِ اسلام ہی کی تعلیم دی۔ اُن کے بعد اُن کی امتوں نے ہوا و ہوس میں مبتلا ہو کر دینِ الٰہی کو بگاڑ دیا۔ آج دنیا میں جو مختلف مذاہب نظر آ رہے ہیں وہ سب دینِ اسلام ہی کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ ان خود ساختہ مذاہب میں الٰہی تعلیم کے کچھ اجزاء بھی ضرور شامل ہیں۔ ان اجزاء کو دیکھ کر نادان کہہ اٹھتے ہیں کہ تمام مذاہب حق ہیں۔ ایک ہیں۔ اگرچہ آجکل ہندو قائدین یہ حربہ جی کھول کر استعمال کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے قلب سے دینِ اسلام کی فوقیت و برتری کو مٹا دیا جائے۔ مگر ایسے جھوٹے ہتیار کارگر نہیں ہو سکتے اور آفتاب پر خاک نہیں ڈالی جا سکتی۔

غرض حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بانیٔ اسلام کہنا جھوٹ و افتراء ہے۔ دینِ اسلام خالص الٰہی و ربانی تعلیم کا مجموعہ ہے۔ انسانی تعلیم کا اس میں شائبہ بھی نہیں ہے۔ یہ وہی الٰہی تعلیم ہے جو حضرات نوحؑ و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ وغیرہم علیہم السّلام کے ذریعہ دنیا میں نازل ہوتی رہی اور اب ساری دنیا کی ہدایت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر دی گئی۔ جیسا کہ اعلانِ حق ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ	ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی جیسے نوحؑ کے پاس
مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ	بھیجی تھی اور ان کے بعد دوسرے پیغمبروں......
اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَ	ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد

يُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۞ عیسیٰ و ایوب و یونس و ہارون و سلیمان کے پاس (النساء) ۞ وحی بھیجی تھی۔ اور داؤد کو زبور دی تھی۔

اس لئے اب دنیا میں یہی ایک دینِ حق ہے اور اس کے برخلاف باقی تمام مذاہب خود ساختہ، افترائی ہیں۔

اب رسالتِ محمدیہؐ کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے

حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کی رسالت کی تصدیق بظاہر ایک مشکل مرحلہ تھا، یہ مشکل مرحلہ اسی زمانے میں باآسانی طے پا گیا۔ آپؐ کے خاندان و قبیلہ اور قوم نے ہر طرح آپ کو آزمایا اور ہر کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ لیا۔ آپؐ کو مال و دولت و سلطنت کی ترغیب دی۔ عزیز جان و مال کی دھمکی دی۔ ہر قسم کی سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ فقر و فاقہ میں مبتلا کیا۔ انتہائی مخالفت کی۔ مگر بالآخر یکے بعد دیگرے آپؐ کی رسالت تسلیم کرتے گئے۔ بعض سلیم الطبع حضرات نے تو دعوتِ حق "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی آواز سنتے ہی آپؐ کو رسول اللہ تسلیم کرلیا۔ ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ کلمہ ہی کلمۂ طیبّب ہے۔ یہ پیامِ حق "کہ اللہ ہی سب انسانوں کے الٰہ و آقا ہیں اور تمام انسان، اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج و بندے ہیں"۔ ربّ اعلیٰ وعظیم کے سوا کسی اور کا پیام نہیں ہوسکتا اور جو ہستی یہ پیام، اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پہنچائے اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت کی طرف بلائے اس کے رسول اللہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ اہلِ کتاب میں سے اہلِ علم و متلاشیٔ حق تھے چونکہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی اکثر علامتیں لکھی ہوئی تھیں ان علامتوں کے لحاظ سے انہوں نے آپؐ کو جانچا، پرکھا، اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرکے دعوتِ حق کو قبول کرلیا۔ ایسے متعدد واقعات ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ سیرت کے باب میں ان کا ذکر آئے گا۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ تصدیقِ رسالت کا جو معیارِ حق تھا اس معیار پر پوری طرح جانچ پڑتال کرکے طالبانِ حق آپؐ کو رسول اللہؐ مانتے گئے۔ تا آنکہ بائیس تیئیس سال کی قلیل مدت میں پورا جزیرہ نمائے عرب نورِ رسالت سے منوّر ہو گیا۔ تمام انسان دیکھتے ہی دیکھتے طہارت و تقویٰ اور نیکیوں کا مجسّمہ بن گئے۔ پھر اسی نور کو لے کر یہ حضرات جہاں کہیں گئے دنیا سے ظلمت کافور ہوتی گئی۔ امراضِ قلبی کے مریض صحت یاب ہوتے گئے۔ حبش، مصر، ایران، روم، یونان، طرابلس، و افریقہ، ہند، چین غرض ہر ملک و قوم کے انسانوں نے رسالتِ محمدیہؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کو مان لیا۔ نصف سے زیادہ دنیا حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی دنیا تھی۔ نہایت مستند تاریخ کے صفحات پر یہ واقعات نقش کالحجر ہیں اور قیامت تک ساری دنیا کے لئے خیر و صلاح کا پیام بھی ہیں اور اتمامِ حجت بھی ہیں۔ اب رسالتِ محمدیہؐ کی صداقت پر مزید کسی دلیل و برہان کا مطالبہ محض جہالت ہے کور نگاہی ہے

طالب حق ہو۔ حق کو دیکھنے کی نظر ہو۔ ہٹ دھرمی، تعصب نہ ہو تو آپ کی رسالت آفتاب کی طرح روشن ہے۔ آج دنیا اگر نہیں مانتی ہے تو نہ ماننے۔ موت کے بعد جب جزائے اعمال کا ابدی عالم سامنے ہوگا تو ماننا ہی پڑے گا۔ انکارِ حق کی جزاء سے دوچار ہونا ہی پڑے گا! جہنم کے شعلے استقبال کریں گے اور یہی کرۂ نار منکرانِ حق کا ابدی مسکن ہوگا۔ دانش مندی یہی ہے کہ رسالتِ محمدیہ کو تسلیم کر کے الٰہی و ربانی تعلیم قبول کر لی جائے۔ تاکہ دنیا میں حیاتِ طیبہ نصیب ہو اور آخرت میں "عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ" (اپنی مرضی کے مطابق عیش راحت کی دوامی زندگی)

ایمان بالرسالت میں افراط و تفریط

جب الٰہی و نبوی تعلیم نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے عقاید میں بگاڑ شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول جو بشر ہی ہوتے ہیں۔ ان کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ پیدا کر لیا جاتا ہے۔ تا آنکہ ان حضرات کو اللہ کا شریک بلکہ عین اللہ بنا دیا جاتا ہے جیسے حضرت عزیر علیہ السلام کو یہودی ابن اللہ سمجھتے تھے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ (توبہ)

اور اسی طرح نصاریٰ کا ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا

وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (توبہ)

اور بعض ان کو اللہ کا ایک جزو سمجھتے تھے یعنی عقیدۂ تثلیث کے معتقد تھے۔

ان اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ (مائدہ) ❊ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے۔

مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے تین جزو ہیں ایک اللہ دوسرا روح القدس اور تیسرا عیسیٰ علیہ السلام۔

اور بعض انھیں عین خدا سمجھتے تھے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ❊ ان لوگوں نے کفر کیا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ عین عیسیٰ ابْنُ مَرْيَمَ ۝ (مائدہ) ❊ ابن مریم ہیں۔

عقیدہ کی انہی خرابیوں سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شرک واقع ہو کر مختلف قسم کی گمراہیاں اور بداعمالیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقِ رسالت میں آپ کی عبدیت کی تصدیق کو بھی لازم کر دیا گیا۔ (اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) تاکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شرک کا کوئی شائبہ بھی نہ پیدا ہو سکے اور اسی لئے آپ کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

تاکہ آپ کے مافوق البشر ہونے اور پھر رفتہ رفتہ عین اللہ ہونے کا کوئی غلط عقیدہ آپ کی امت میں نہ پیدا ہو۔

امت کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ احتیاط فرماتے تھے۔ کہ جب کبھی آپ سے کوئی معجزہ ظہور میں آتا تو فوراً فرما دیتے۔ "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ" نیز بہ تاکید بھی فرما دی کہ مجھے حد سے نہ بڑھا جیسے نصاریٰ (حضرت) عیسیٰؑ کو حد سے بڑھا کر گمراہ ہوئے۔ صحابہؓ کرام کی خواہش کے باوجود نہ صرف اپنے لئے سجدۂ تعظیمی کی قطعاً ممانعت فرما دی بلکہ اپنے لئے تعظیماً کھڑا ہونے کو بھی منع کر دیا۔ لیکن افسوس کہ الٰہی و نبوی تعلیم کو فراموش کر کے امت اسی قسم کی بدعقیدگیوں میں مبتلا ہو گئی۔ مثلاً کوئی کہتا ہے :۔ ؎

باتیں ہیں باطل یہ دو احمدِ بے میم کو ✤ غیرِ خدا جاننا عین بشر دیکھنا

کسی کا بیان ہے : ؎

حق محمدؐ ہے اور محمدؐ حق ✤ دیکھو قرآں میں یہ بیان آیا

یا یوں کہا جاتا ہے۔ ؎

اسم پاک اس کا محمدؐ مصطفیٰ رکھا بشوق ✤ اور مسمّیٰ اس کا بے ریب و گماں تو ہی تو تھا

یا

ظاہر میں محمدؐ ہے تو باطن میں خدا ہے

آج ان گمراہ کن تصورات کا اتنا چرچا ہے کہ عوام اور خواص کی ذہنیتیں اس زہر سے کافی مسموم ہو گئی ہیں۔ ایسی تمام باتیں حسبِ ارشاد پیغمبر علیہ السلام "تحریف الغالین" ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دین میں غلو کرنے والے حقیقت کو بدل دیتے ہیں۔ یعنی حقیقت کو چھپا کر غیر حقیقی باتیں بیان کرتے ہیں۔

حیات النبی اور علم غیب کا مسئلہ بھی اسی بے علمی کی شاخیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی حیات النبی کا مسئلہ پیدا ہوا اور خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اس کا تصفیہ بھی فرما دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاید اس خیال میں تھے کہ اللہ کے نبی مرتے نہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہونے کے بعد سیدنا عمرؓ لوگوں سے قسم کھا کھا کر کہنے لگے کہ رسول اللہ کا انتقال نہیں ہوا۔ سیدنا صدیقؓ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا۔ "عمرؓ! تم بیٹھ جاؤ۔ مگر سیدنا عمرؓ نے وارفتگی میں کچھ خیال نہ کیا تو سیدنا صدیقؓ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ تمام مجمع ان کی طرف جھک پڑا آپ نے فرمایا۔

اما بعد فمن کان یعبد محمداً فان محمداً	جو محمدؐ کو پوجتا ہے وہ سن لے کہ محمدؐ مر گئے۔ اور جو خدا کی
انہ مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی	پرستش کرتا ہے تو وہ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔ اللہ
لایموت، قال اللہ تعالیٰ وما محمد الا	فرماتا ہے۔ محمدؐ صرف ایک رسول ہیں۔ جن سے پہلے بہت سے
رسول قد خلت من قبلہ الرسل افاین	رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر آپؐ کا انتقال ہو یا قتل ہو جائیں

مّات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (الایۃ) ؛ تو کیا تم لٹے پھر جاؤ گے۔

سیدنا عمرؓ کے بیان سے جو شبہات پیدا ہوگئے وہ تمام اس تقریر سے رفع ہوگئے اور تمام صحابہ مطمئن ہوگئے اس تقریر میں سیدنا صدیقؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی "انک میت وانھم میتون" یہ آیت فوراً زبان زدِ خاص وعام ہوگئی ایک صحابی نے فرمایا کہ خدا کی قسم ہم کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی مطلب یہ کہ ہم اس آیت کو بالکل بھول گئے تھے

حیاۃ النبی کے متعلق غیر قرآنی تصور کا ایک شاخسانہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھتے وقت تعظیماً کھڑے ہو جانیکی بدعت ایجاد ہوئی۔ اسکی تہ میں یہ غلط تصور کارفرما ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جہاں سلام پڑھا جاتا ہے آپ وہاں تشریف لاتے ہیں حالانکہ اسکے متعلق نبوی تعلیم یہ ہے کہ آپ پر جو درود وسلام پڑھا جاتا ہے اسکو ملائکہ آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔

عن ابن مسعودؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام : ؛ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر پھرتے رہتے ہیں جو مجھ کو میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ (نسائی و دارمی)

اسی طرح آنحضرتؐ کے عالم الغیب ہونے کا مسئلہ بھی قرآنی و نبوی تعلیم سے ناواقف ہونے کا نتیجہ ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس اس قسم کی باتوں کا چرچا نہیں تھا۔ کیونکہ ان کے پیش نظر قرآنی تعلیم تھی۔ ایک تو یہ کہ ان کے سامنے منکرینِ حق نے جب یہ سوال اٹھایا کہ اگر آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو آپؐ کو تمام غیب کی باتوں کا علم بھی ہونا چاہیئے۔ لہٰذا جس یومِ قیامت سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں۔ بتائیے وہ ساعت کب آئے گی یعنی کس تاریخ اور کس دن قیامت واقع ہوگی

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا ؛ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اللہ تعالیٰ اس سوال کے جواب میں آپؐ کو حکم دیتے ہیں :-

قل انما علمھا عند اللہ ؛ کہدیجئے کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

اس سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ مزید یہ بھی اعلان کر دیجئے :-

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء (الاعراف) ؛ اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت کچھ نفع حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی مضرت نہیں پہنچتی۔

عٰلم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا ہ الا من ارتضٰی من رسول۔ (الی الآیہ) (الجن) ؛ (اللہ ہی) غیب کی باتیں جاننے والا ہے اور وہ غیب کی باتوں پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے کسی برگزیدہ رسول کے۔

اس قرآنی تعلیم کی بناء پر صحابہ کرام یہی سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے بعض امورِ غیبیہ کی اطلاع مل جاتی تھی۔ آپؐ کو غیب کی ہر بات کا علم نہیں تھا۔ آپؐ کی سیرت کے مطالعہ سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ سیرت کے باب میں موقعہ و محل پر اس کی وضاحت کی جائیگی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ایک طرف افراط و غلو کی یہ خود ساختہ شکلیں۔ دوسری طرف تفریط۔ بے اعتنائی اور جہالت کا یہ عالم کہ نجات کے لئے "ایمان باللہ کافی ہے ایمان بالرسالت اور اتباعِ رسالت ضروری نہیں ہے۔" ایسی باتیں دراصل ایمان باللہ ہی سے تمام تر جہالت اور ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ ایمان باللہ یہ نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ کو صرف خالق و رب مان لیا جائے بلکہ ایمان باللہ کا منشا یہ ہے کہ اب دنیا کے سامنے جو الٰہی تعلیم "القرآن" ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس الٰہی تعلیم پر کما حقہٗ عمل کیا جائے۔ دنیا میں فکر و عمل کی جو گمراہی پھیلی ہوئی ہے وہ نہ اس کے بغیر دور ہو سکتی ہے اور نہ نجاتِ ابدی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ جو اعلانِ عام ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کے سوا کوئی طریقہ زندگی مقبول نہ ہوگا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین (آل عمران)

اس کا یہی مطلب ہے کہ کوئی فرد ہو یا جماعت اس کی زندگی کے ہر شعبہ میں اگر اس کے افکار و اعمال خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق نہ ہوں تو وہ بے عقل ہے جاہل ہے گمراہ ہے اور بلحاظ انجامِ آخرت مستحقِ نار ہے۔ اس کے سوا سوچنا اور سمجھنا سراسر جہل و نادانی ہے۔

فتنۂ انکارِ حدیث

تفریط ہی کی یہ بھی ایک شکل ہے۔ اس فتنہ کا لبِ لباب یہ ہے کہ حدیث کی حیثیت تشریعی نہیں ہے۔ اس گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت واجب ہے رسول اللہ کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ صرف تبلیغ قرآن سے رسالت کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے رسول کی اطاعت بس ایسی ہی ہے جیسے ہر زمانہ کے امام و حاکم کی اطاعت۔ اس کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے رسول کے اقوال و افعال کو تشریعی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ اس گروہ کے تمام بیانات کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں۔

(۱) قرآن کریم ایک جامع کتاب ہے۔ اس لئے وہ کافی ہے۔ حدیث کی محتاج نہیں۔

(۲) ظنیات پر دین کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی اور احادیث کا تمام ذخیرہ ظنی ہے اور ناقابلِ اعتبار۔

آج کل یہ فتنہ بہت پھیلتا جا رہا ہے۔ اور بڑے بڑے لوگوں کو اپنے دامن میں سمیٹ رہا ہے۔ اس لئے یہاں ذرا تفصیلی بیان کی ضرورت ہے۔

تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم ایک جامع اور مکمل کتاب ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جامع اور مکمل ہونے کا مطلب کیا ہے۔ جامع اور مکمل ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر کس و ناکس اس کتاب کو پڑھ کر اس کے پورے پورے معانی و مطالب و مقاصد از خود سمجھ سکتا ہے کیونکہ القرآن "کتاب اللہ" میں جاہل انسانوں کو علم و عمل کی روشنی عطا کی گئی ہے۔ یعنی اس میں علم و حکمت و دانائی کی تعلیم ہے۔ انسانیت اور بندگی جیسے اہم امور کا سبق

ہے کون سی علمی کتاب ہے جو تعلیم دینے والے، درس دینے والے کے بغیر پڑھی اور سمجھی جا سکتی ہے۔ مسلمہ بات ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے معلم ضروری ہے۔ پھر وہ علم جس کا تعلق زندگی کے پورے اعمال سے ہے کسی معلم وہادی ورہبر کے بغیر از خود کتاب پڑھ لینے سے کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ کسی انجینئر اور ڈاکٹر کی صحبت میں رہ کر اس سے انجینئری اور ڈاکٹری کا علم وفن سیکھے بغیر کیا کوئی شخص انجینئر اور ڈاکٹر بن سکتا ہے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے۔ تو پھر کتنی کج فہمی کی بات ہے کہ درسِ انسانیت اور درسِ بندگی حاصل کرنے کے لئے دستورِ بندگی "القرآن" کا مطالعہ کافی ہے اور کسی انسانِ کامل اور بندۂ کامل کے نقشِ قدم پر چلنے اور اس کے اقوال و افعال کی پیروی کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر یہ لوگ فطرتِ انسانی پر غور کرتے تو شاید اس گمراہی کی طرف نہ جاتے انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ انسان ہی کی صحبت میں رہ کر انسان بنتا ہے۔ انسان بننے کے لئے، بندگیٔ رب کا شرف حاصل کرنے کے لئے ربانی ہدایت کے علاوہ، انسانوں کو ایک کامل نمونۂ بندگی، کامل نمونۂ انسانیت کی ضرورت تھی۔ جو اللہ رحمٰن ورحیم کی طرف سے بندوں کے لئے ایک بہترین نمونہ ہو۔ پس ایسی مجسّم قرآن شخصیت کا دنیا میں تشریف لانا اور آنے والی نسلوں کے لئے اس کی حیاتِ طیبہ کے نقوش واضح طور سے قیامت تک دنیا میں محفوظ رہنا انسانوں کی ایک فطری ضرورت ہے۔ کتاب اللہ کی جامعیت یہی ہے کہ اس فطری ضرورت کی تکمیل کے لئے اس نے رہبری کر دی اور بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اتباع واطاعت کے بغیر ہدایت نصیب نہ ہوگی۔

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۞ ۔ اور اس رسول کی اتباع کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔

وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۔ اور اگر ان کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

فکر وعمل کی وہ تمام گمراہیاں جن کی اصلاح کے لئے قرآن مجید نازل ہوا ہے قرآنی اصطلاح میں ان کا دوسرا نام "امراضِ قلبی" ہے۔ اسی لئے قرآن مجید کو "شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ" امراضِ قلبی کا نسخۂ شفاء" فرمایا۔ کوئی مریض طب کی کتاب پڑھ کر آپ اپنے امراض کا علاج نہیں کر سکتا۔ ایک حکیم کی ہدایتوں کی روشنی میں نسخۂ شفاء کو استعمال کئے بغیر نہ کوئی مریض صحت مند ہو سکتا ہے اور نہ علمی وعملی تعلیم حاصل کئے بغیر کوئی صحت مند دوسرے مریضوں کا معالج ہی بن سکتا ہے۔ حکیم کے ہدایتوں سے صرفِ نظر کر کے اگر نسخۂ شفاء استعمال کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ مرض دفع ہو جانے کے بجائے اور بڑھ جائے گا۔ اس لئے اس نسخۂ شفاء "القرآن" میں نہ صرف یہ کہ نسخۂ شفاء پیش کرنے والے کو "سِرَاجٌ مُّنِيرٌ" فرمایا بلکہ اپنی اس عنایت کو "فَضْلٌ كَبِيرٌ" بھی فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا ۔ اے نبی بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت

وَّنَذِيرًا ه وَّدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا ۔ دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا

مُنِيرًا ○ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ ❁ اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے مومنین کو بشارت دیجئے کہ ان
اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ○ (الاحزاب) ❁ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہی تعلیم ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی روشنی جو ہمارے لئے سراجِ منیر ہے اگر وہ مشعلِ راہ نہ ہو تو قرآن مجید سے ہم سلامتی کی راہیں "سُبُلُ السَّلَامِ" نہیں پا سکتے۔ اس سراجِ منیر کے بغیر امت کے لئے اللہ کی کتاب نہ شفاء ہے نہ ہدایت ہے نہ رحمت ہے۔

وہ آیۂ کریمہ جس میں فرائض رسالت بیان کئے گئے ہیں قابلِ غور ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ ❁ یقیناً مومنین پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جب کہ
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ❁ بھیج دیا ان ہی میں، کا ان کے پاس پیغمبر جو ان کو اللہ کی
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ❁ آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے نفس کا تزکیہ کرتا
(الی الآیہ) (آل عمران) ❁ ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرائض متعین ہیں۔ (۱) تلاوتِ کتاب (۲) طالبانِ حق کے نفوس کا تزکیہ۔ (۳) کتاب و حکمت کی تعلیم۔ پہلا فرض آیات اللہ' آیاتِ قرآنی کی تلاوت ہے۔ اور تلاوت کے لئے ترتیب ضروری ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری تشریح و توضیح کے ساتھ بتا دیا کرتے تھے کہ فلاں آیت فلاں سورہ میں اس آیت کے بعد یا ما قبل رکھو اور فلاں آیت کو فلاں جگہ ترتیب دو۔ اور سورتوں کو اس طرح ترتیب دو صحابۂ کرامؓ اسی طرح لکھتے جاتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان کی تلاوت کر کے تلاوتِ قرآن کا طریقہ بھی بتلاتے جاتے کہ اس مقام پر وقف ضروری ہے۔ اور اس مقام پر سجدہ ضروری ہے وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ترتیب و تلاوت کا یہ طریقہ قرآن مجید میں بیان نہیں کیا گیا۔ لیکن صاحبِ کتاب اللہ تعالیٰ کی مرضی و مراد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ اس لئے آیتوں، سورتوں کی ترتیب اور اس کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے متعلق آپؐ کی ہر ہدایت، مراد اللہ اور مرضئ رب کے مطابق ہوتی۔ گویا "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" کی تفسیر ہوتی۔

دوسرا فرض نفوس کا تزکیہ ہے۔ نفس انسانی میں جو آمادگی و خباثت ہے اس کے ایک ایک جزو کو بیان کرنا اور مختلف مثالیں دے کر اس کے باریک باریک گوشوں کو واضح کرنا اور اس سے باز رہنے اور محفوظ رہنے کا طریقہ بتلانا۔ یہ تمام امور "يُزَكِّيْهِمْ" کے مفہوم میں داخل ہیں۔ تیسرا فرض کتاب و حکمت کی تعلیم ہے۔ کتاب اللہ میں جو حکم و ہدایت ہے مسلمہ بات ہے کہ ان کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے وہ نہ صرف تعلیم و تربیت، اکتسابِ معاش، معاشرت، حکومت و سیاست ہی پر حاوی ہے۔ بلکہ گفتگو، چلنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا وغیرہ کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان تمام امور کے متعلق معلمِ کتاب کے تمام اقوال و اعمال' تعلیم کتاب ہی کے مفہوم میں

داخل ہوتے ہیں۔ نیز تعلیم کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم بھی ہے یعنی عقل و دانائی کی تعلیم جو کتاب اللہ کی تعلیم کے علاوہ ہے مگر اس کے باوجود کتاب اللہ کی جامعیت اس کو بھی اپنے اندر سیٹے ہوئے ہے۔ بالکل اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام اقوال و اعمال جن کا تعلق بندوں کی تربیت و اصلاح وہدایت سے ہے گو قرآن سے علیحدہ ہیں مگر کتاب اللہ کی جامعیت ان سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پس قرآن کے کامل اور جامع ہونے کا یہی مطلب ہے اس لئے "اطیعوا اللہ" کے ساتھ ساتھ "اطیعوا الرّسول" کی تاکید سے قرآن مجید معمور ہے۔ اور اسی لئے یہ تاکید بھی ہے کہ :-

وَمَآ اٰتٰکمُ الرسول فخذوہُ ومانھٰکم عنہُ فانتھوا۔ ❊ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تم کو دیں اسے قبول کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ ❊ (الحشر)

اس حکم میں "ما" کی عمومیت بتا رہی ہے کہ "اتا" کے مفہوم میں صرف مال ہی داخل نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم و ہدایت بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ حضرات صحابۂ کرام ایسا ہی سمجھتے تھے۔ ایک دو واقعات ملاحظہ ہوں:-

(۱) ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا میں نے سُنا ہے کہ آپ ان عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو جسم گودنے کا پیشہ کرتی ہیں یا خود گدواتی ہیں۔ آپ نے فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اس پر لعنت کیوں نہ کروں۔ اس نے عرض کیا قرآن میں نے بھی پڑھا ہے۔ مگر میں نے تو قرآن میں یہ کہیں نہیں دیکھا آپ نے فرمایا اگر تو قرآن سمجھ کر پڑھتی تو یقیناً اس کو دیکھ لیتی۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ حالتِ احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہے تو اس کو منع فرمایا۔ اس نے کہا قرآن مجید میں یہ ممانعت کہاں ہے۔ دکھلائیے۔ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ وما اتٰکم الرّسول فخذ وہُ ومانھٰکم عنہ فانتھوا۔ بلحاظ منشاءِ کلامِ الٰہی یہی صحابۂ کرامؓ کی دانش تھی۔ پس صحابۂ کرام کی دانش و بینش کے خلاف سوچنا اور سمجھنا گمراہی ہے۔

قرآن مجید سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول کی اطاعت کے بغیر ایمان بالرسالت بے معنی ہے۔ کوئی شخص اٰمنتُ کہکر اطاعت واتباعِ رسولؐ سے گریز کرے تو وہ مومن ہی نہیں۔ جب تک وہ ہر معاملہ میں رسول کو اپنا حَکَم نہ بنائے اور باہمی اختلاف میں رسول کے حکم کو واجب التعمیل نہ سمجھے بلکہ یہ بھی شرط ہے کہ اگر رسول کا حکم اپنے مفاد کے مخالف ہو تو بھی اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرے۔ بلکہ بطیبِ خاطر سرِ تسلیم خم کر دے۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

فلا وربك لا یؤمنون حتیٰ یحکموك فیما شجر بینھم ثمّ لا یجدوا فی انفسھم حرجاً ❊ آپ کے رب کی قسم ہے یہ مؤمن نہ ہونگے جب تک کہ آپس کے اختلاف میں آپ ہی کو حَکَم نہ بنائیں اور اس کے بعد آپ کے فیصلے سے ❊

مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (نساء) ۞ اپنے دل میں ذرا سی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر اطاعت خم کردیں

سورۂ احزاب کی یہ آیت بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ ۞ کسی مومن اور مومنہ کے لئے یہ گنجائش ہی نہیں کہ جبکہ اللہ اور اس کا
رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ ۞ رسول کسی بات کا حکم دے دیں تو پھر اس کام میں مومنین کو کوئی اختیار
اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ۞ باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح
ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (احزاب) ۞ گمراہی میں جا پڑا۔

یہ آیت جس واقعہ سے متعلق ہے اس کو سامنے رکھیئے۔ حضرت زیدؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے اور قریشی النسل نہیں تھے آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینبؓ سے ان کا نکاح کرنا چاہا تاکہ قوم اور نسل کی بناء پر جو تفاخر پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کی اصلاح ہوجائے۔ یہ تجویز حضرت زینبؓ اور ان کے بھائیوں کو ناگوارِ خاطر ہوئی تھی مگر اس تنبیہِ الٰہی کے بعد وہ سب راضی ہوگئے اور نکاح ہوگیا۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ حکم جس کا تعلق انسان کی اصلاح و تزکیہ سے ہے۔ گو وہ قرآن میں مذکور نہ ہو مگر وہ الٰہی حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی نافرمانی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی نافرمانی اور موجبِ گمراہی ہے۔

ان تمام قرآنی آیاتِ محکمات کے ہوتے ہوئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے بے نیازی کی نہیں بلکہ نیازمندی کی تعلیم ہے یہ کہنا کہ قرآن کافی ہے احادیث کی حیثیت تشریعی نہیں، قرآنی تعلیم سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

فتنۂ انکارِ حدیث کا دوسرا جزء یہ ہے کہ تمام ذخیرۂ احادیث ظنّی ہے اور ظنّیات کی بنیاد پر کوئی مستحکم عمارت قائم نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ کہ احادیث کی تدوین صدی دو صدی کے بعد ہوئی اس لئے قابلِ اعتبار نہیں یہ بھی ایک خطرناک غلط فہمی ہے جو محدثین کی اصطلاحات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں محدثین ہی کی تشریحات کو پیشِ نظر رکھنا کافی ہے۔ ان تشریحات کے لحاظ سے دلائل شرعیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قطعی اور دوسری ظنّی۔ قطعی سے مراد نصوصِ قرآنی یا حدیثِ متواتر۔ اور ظنّی وہ احادیث ہیں جو متواتر نہیں مگر کسی دلیلِ قطعی کے ماتحت ہیں۔ جیسے طہارت، وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کی تفصیلات۔ یہ تمام تفصیلات ظنی ہیں جو خبر احاد سے معلوم ہوتی ہیں مگر چونکہ قرآن کی قطعی نص کی تشریحات و توضیحات ہیں اس لئے وہ قابلِ قبول ہیں۔ محدثین کا قول ہے:

اَلْعَمَلُ بِالظَّنِّ ثَابِتٌ فِیْ تَفَاصِیْلِ الشَّرِیْعَةِ ۞ شریعت کی تفصیلات میں ظنی دلیل پر عمل کرنا ایک ثابت شدہ امر ہے

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دین کے جن گوشوں میں ظنی دلائل کا اعتبار ہے۔ وہ کس قسم کی ظنّیات ہیں۔ وہ ظن نہیں محاورۂ عام میں جس کا نام "اٹکل پچو" ہے اور محض قیاسی باتیں۔ بلکہ یہ وہ ظنیات ہیں جو کسی قطعی نص کے ماتحت ہوں

اور دیگر قوی ذرائع و قرآن و متفرق دلائل سے وہ قابلِ اعتبار ہو جاتے ہیں۔ پس جو لوگ "ذخیرۂ حدیث کو ظنی" کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں وہ خود بھی کس قدر دھوکے میں ہیں اور دین سے ناواقف مسلمانوں کو کتنا مغالطہ دیتے رہتے ہیں اور پھر یہ کہنا بھی محض غلط بیانی ہے کہ صدی دو صدی کے بعد محض قیاس کی بناء پر تدوینِ حدیث کا کام شروع ہوا اس لئے وہ قابلِ قبول نہیں۔ دراصل یہاں غور طلب یہ نہیں ہے کہ حدیث کی تدوین کب ہوئی ہے۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، سلفِ صالح نے اپنے اپنے زمانے میں حفاظتِ حدیث کا کیا انتظام کیا تھا۔

اوّلاً یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ انسانوں کی فطرت ہے کہ وہ اپنے کسی بڑے رہنما، کسی بزرگ اور نامور شخص کے حالاتِ زندگی کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی کتابِ زندگی کے ایک ایک ورق کو تلاش کر کے جمع کرتے ہیں۔ اور اگر اس کوشش میں کامیاب ہو کر اس شخص کی کوئی یادگار مرتب کر لیتے ہیں تو اس کو اپنی حیات کے شاہکاروں میں ایک بڑا شاہکار شمار کرتے ہیں۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر یہاں تذکرہ کسی ملک کے قائد کا نہیں کسی قوم کے مصلح کا نہیں بلکہ اس رسول کا ہے جو تمام دنیا، قیامت تک پیدا ہونے والی دنیا کا رسول من اللہ ہے آخری رسول ہے جس کے نقوشِ حیات، تمام تشنگانِ حق کے لئے آبِ حیات ہیں۔ اور جس کی زندگی تمام عالم کے لئے اُسوۂ حسنہ بنا دی گئی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اس اُسوۂ حسنہ کو خود اللہ تعالیٰ نے اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ اگر آج بھی کوئی طالبِ حق چاہے تو بلاشک وشبہ اس سے کسبِ سعادت کر سکتا ہے۔ صرف عبادات اور معاملات ہی کا ایک پہلو نہیں بلکہ نشست و برخاست، گفتگو کا ہر انداز اور غصہ و تبسم کی ایک ایک ادا آئینہ کی طرح سامنے ہے۔ قدرت نے اس کی ضرورت ہی نہیں رکھی کہ آپؐ کی زندگی کے حالات آپ کے بعد اور بہت بعد کچھ کد و کاوش اور کچھ قیاسات سے مرتب کئے جائیں بلکہ آپؐ کے حالات آپؐ کی زندگی ہی میں مرتب ہوئے۔ ایک ایک دن کے واقعات، خلوت و جلوت کے حالات محفوظ کئے گئے اور محض تاریخ کے طور پر نہیں بلکہ آئینِ حیات، زندگی کے دستور العمل کے طور پر۔ اور آپ نے صحابۂ کرامؓ پر یہ بھی لازم کر دیا تھا کہ وہ آپؐ کے حالاتِ زندگی بے کم وکاست غائبین تک پہنچا دیں۔ تاکہ آپؐ کا اُسوۂ حسنہ نسلاً بعدِ نسلٍ منتقل ہوتا چلا جائے اور جو فائدہ موجودین کو پہنچا ہے وہ غائبین کو بھی پہنچ جائے۔ آپؐ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اسے یاد رکھا۔ اور جس نے نہیں سنا اس کو پہنچا دیا۔ اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تمام صحابہؓ نے حفاظتِ حدیث کا پورا پورا اہتمام کیا۔ اور قرآن کریم کی طرح اس کی بھی تبلیغ کی۔

صحابۂ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو وابستگی اور محبت تھی۔ اس کا یہی تقاضا تھا کہ رحمتِ عالم کی ہر بات اور ہر حرکت کی حفاظت کریں۔ اور اس قسم کے ذکر و اذکار سے خاص دلچسپی رکھیں۔

اُمم سابقہ کی ضلالت و گمراہی کی تاریخ صحابۂ کرامؓ کے سامنے تھی کہ اپنے اپنے رسولوں کے اُسوہ کو فراموش کر کے وہ امتیں کس کس طرح گمراہ ہوئیں۔ پس صحابۂ کرامؓ نے نہایت احتیاط و ذمہ داری سے آپ کی سیرت آپؐ کے اقوال و افعال کو محفوظ رکھا۔ سیدنا عمرؓ تو بعض ثقہ صحابہ تک سے حدیث پر گواہ طلب فرماتے تاکہ جو چیز شریعت میں دلیل وحجت ہے وہ زیادہ سے زیادہ صحت کے ساتھ امت کے سامنے رہے۔ ظہورِ فتن (آخر دورِ عثمانی) کے بعد تو یہ لازم کر لیا گیا تھا کہ بغیر سند کوئی حدیث قبول نہ کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، آپؐ کے اقوال و افعال کو بڑے ذوق و شوق سے محفوظ رکھنے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ ذخیرۂ حدیث کا ناقابلِ اعتبار ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ مختلف اوقات میں، مختلف حالات میں، مختلف مقامات میں، مختلف صحابہؓ نے، مرد بھی، عورتیں بھی، بوڑھے بھی، غلام بھی، آزاد بھی، مسافر بھی، مقیم بھی، مجاہد بھی، مصلّی بھی، غرض سب ہی نے اپنے اپنے ذوق و فہم و نظر و فراست کے مطابق جتنا اور جیسا دیکھا، سنا، محسوس کیا۔ ویسا ہی ہُوبہُو دوسروں کے سامنے بیان کیا اور پوری احتیاط و دیانت اور خشیتِ الٰہی کے ساتھ بیان کیا، صرف بیان ہی نہیں بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی دکھایا۔ یہ سب حضرات طبقہ اوّل کے حدیث بیان کرنے والے ہیں۔ جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ انہوں نے بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرکات و سکنات کو دیکھا آپ کے ارشادات سنے، ویسے ہی اپنے چشم دید واقعات دوسروں کو پہنچا دیئے۔

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں احادیث قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا تاکہ قرآن وحدیث کی عبارت باہم خلط ملط نہ ہو جائے۔ لیکن ممانعت ان لوگوں کو کی گئی تھی جو کاتب وحی تھے۔ مگر بعد میں آپؐ نے اجازت عام دیدی۔ حالات و ضرورت کے مطابق صحابہ آپؐ کے ارشاد لکھتے بھی اور لکھواتے بھی۔ چنانچہ:-

۱۔ سنہ ھ میں آپؐ نے ایک دستاویز مرتب فرمائی تھی جو (۵۲) جملوں اور دفعات پر مشتمل تھی۔ جو اب تک محفوظ ہے۔
۲۔ وہ خطوط اور دعوت نامے جو آپؐ نے مختلف قبائل کے سرداروں، شیوخ، افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر کرا کے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں سے جو مکتوبات اس وقت تک محفوظ مل سکے ان کی تعداد تقریباً اڑھائی سو ہے۔
۳۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ایک طویل خطبہ پڑھا تھا۔ اسے بعینہٖ ایک صحابی کی درخواست پر لکھوا کر ان کے حوالہ فرما دیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے فرمایا تھا کہ تم لکھ لیا کرو۔ اس دہن سے جو نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔
بعض صحابہؓ آپؐ کے ارشادات لکھ لیا کرتے تھے مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، سیدنا علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی زندگی میں ان کی مرویات لکھی جا چکی تھیں اور اس کے کئی ایک نسخے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایات، اُن کی زندگی ہی میں لکھی جا چکی تھیں۔ غرض متعدد صحابہ کی مرویات کو ان کے شاگردوں نے

ان کی زندگی ہی میں لکھ لیا تھا۔ اور صرف صحیفوں میں محفوظ نہیں کی گئی تھیں۔ بلکہ حافظہ میں بھی محفوظ تھیں۔ عہد صحابہ ہی میں ان کے شاگردانِ رشید، تابعین نے درسِ حدیث کے لئے اپنی جدوجہد کی کہ طلبِ علم کے سلسلہ میں غیر قومیں اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ غرض صحابہ ہی کے عہد میں متعلمین اور معلمین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ اس طرح اس ذخیرۂ علمی کی حفاظت ہوتی رہی۔

تدوینِ حدیث سے پہلے جب حفاظتِ حدیث کا اتنا شغف و اہتمام تھا تو پھر اس کی تدوین پہلی صدی نہیں بلکہ چوتھی صدی میں بھی ہوتی تو کوئی حرج نہ ہوتا۔

منکرینِ حدیث نے ایک شور یہ بھی مچا رکھا ہے کہ فلاں صحابی نے حدیث روایت کرنے اور فلاں صحابی نے حدیث لکھنے کی ممانعت کردی تھی۔ مگر اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ صحابہؓ ہی کے زمانے میں حدیث سے وابستگی اور شغف کا کیا عالم تھا یعنی بکثرت روایتیں کی جاتی تھیں۔ بترغیب لکھا جاتا تھا۔ اور احادیث کی حفاظت کا مشغلہ اتنا عام ہوتا جا رہا تھا کہ اعتدال قائم ہونے کے لئے کسی کسی کو یہ ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی کہ اس کو روکا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی تدوین کا معاملہ، قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے معاملہ سے بہت مشابہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع و ترتیب قرآن کے سلسلہ میں جو الفاظ فرمائے تھے اور حضرت عمرو بن عبدالعزیز خلیفۂ وقت نے حفاظت و جمع حدیث کے متعلق جو الفاظ کہے تھے ان دونوں کو ایک ساتھ سامنے رکھ کر دیکھئے تو دونوں جگہ ان انتظامات کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب کہ آئندہ مستحکم طریقے پر ان کے محفوظ نہ رہنے کا خطرہ لاحق ہوا۔ ورنہ قرآن وحدیث ابتدائی دور میں اہلِ ایمان کی زندگی میں اس طرح جزوِ لاینفک بنے ہوئے تھے کہ ان کی حفاظت کے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ رات دن قرآن کی تلاوت کا مشغلہ، نبی کی ہر ادا اور ہر حرکت کا نمونہ ہر گھر میں موجود تھا۔ اس دور میں یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ جمع حدیث کا کوئی خاص انتظام کیا جائے۔

قرآن وحدیث کی حفاظت کا یہ دورِ شباب تھا۔ جنگ یمامہ میں صحابہؓ کی بڑی تعداد شہید ہو گئی تو حاملانِ قرآن کے غیر معمولی نقصان سے قرآن کی حفاظت میں خلل پڑ جانے کا خطرہ پیدا ہوا اور ضرورت محسوس ہوئی کہ حکومت کی طرف سے کتاب اللہ کا ایک مصدقہ نسخہ مرتب کر لیا جائے۔

دوسری طرف اس دور پر غور فرمائیے جبکہ صحابۂ کرامؓ ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔ یعنی براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھنے والوں کا دور ختم ہو رہا تھا اس لئے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ آپؐ کے رخِ انور کا نظارہ کرنے والوں کے ختم ہو جانے سے آپؐ کے حالات، اقوال وارشادات صرف تاریخ کا ایک صفحہ بن کر نہ رہ جائیں۔ اس لئے اس کے تحفظ کا ایسا انتظام کرنا چاہیئے۔ جو تاریخ عالم میں یادگار رہ جائے۔ یہاں بظاہر تو امتیوں کا والہانہ جذبہ ہی کام کرتا نظر آ رہا تھا مگر دراصل منشاءِ ربانی پورا ہو رہا تھا منظورِ رب یہ تھا

کہ جو تمام عالم کا رہنما ہے ۔ اس کا اُسوۂ حسنہ آئندہ نسلوں کے سامنے کہانیوں کی طرح پیش نہ ہو ۔ اس لئے قرآن کریم کی حفاظت کی طرح حدیث کی حفاظت کا احساس بھی قلوب میں پیدا کر دیا گیا ۔ اور خلیفۂ وقت عمر بن عبد العزیز نے والیٔ مدینہ ابوبکر بن حزم کے نام یہ فرمان لکھ بھیجا ۔

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے قلم بند کر لو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ آئندہ علم گم ہو جائے اور علماء اُٹھ جائیں ۔

تقریباً نوے سال کے بعد حفاظتِ حدیث کی یہ احتیاط اور حفاظتِ قرآن کے متعلق سیدنا عمرؓ کی احتیاط کو پہلو بہ پہلو رکھیئے تو دونوں جگہ ایک یکسانیت نظر آتی ہے ۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اور یہاں دستِ قدرت کام کر رہا تھا ۔ سنجیدگی سے حالات و واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو یہی حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا "انا لہٗ لحفظون" اس کے مفہوم میں رسول اللہ، معلمِ کتاب صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال آپؐ کے اسوہ کی حفاظت بھی داخل ہے اس کے سوا جو کچھ ہے افسانۂ ماو شما ہے ۔

الغرض دنیا میں ابھی صحابۂ کرام کی کچھ تعداد موجود تھی کہ بحکم خلیفۂ وقت کتابتِ حدیث کا آغاز ہو گیا ۔ اور کتابت و تدوین حدیث ارتقائی دور سے گزرتی ہوئی اپنی نکھری ہوئی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جس کے مطالعہ سے اُسوۂ حسنہ کا ایک ایسا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے ۔ جو اکتسابِ سعادت کے لئے کافی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرات محدثین علیہم الرحمۃ کی جانفشانی وجد و جہد اور تحقیق کی وجہ سے موضوع احادیث کا ایک دفترِ بے معنی بھی محفوظ ہے ۔ تاکہ عبرت کے لئے، امت کے باطل فرقوں کی نشو نما اور ان کی دسیسہ کاریوں کا حال بھی اہل حق کے سامنے رہے ۔
واقعہ یہ ہے کہ شر پسند عناصر کی وضع کردہ حدیثیں اور اُسوۂ حسنہ سے اعراض اور اپنی رائے کے تحت قرآن کا مطالعہ ۔ یہی تین چیزیں امت کے تمام باطل فرقوں کے عناصر ترکیبی ہیں ۔
اللہ جل شانہٗ کا احسان ہے کہ اختلافات، تفریقِ ملت کے اس دور میں اگر "مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کا معیار سامنے نہ ہوتا تو حق کو معلوم کرنے کی کوئی صورت ہی نہ ہوتی ۔ درحقیقت یہی وہ کسوٹی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے امت کے ہاتھ میں دے دیا تھا کہ آنے والی نسلیں اختلافات کے پرفتن دور میں اپنے عقاید و اعمال کو اس کسوٹی پر جانچ لیا کریں ۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ظلمت و جہل کے اس دور میں بعض دماغوں میں یہ شبہ جگہ پا رہا ہے کہ حق و ناحق کو جانچنے کی یہ کسوٹی صحیح نہیں ہے ۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی صحت کا اطمینان کر لیا جائے ۔ حدیث کے زیر بحث الفاظ یہ ہیں ۔

وانّ بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین و سبعین ملّةٍ وتفترق اُمّتی علیٰ ثلث وسبعین ملّة کلهم فی النار الّا ملّة واحدةٌ۔ قالوا من هی یارسول اللّٰه قال ما انا علیه واصحابی: (ترمذی)

تحقیق بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے اور میری اُمّت تہتّر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک کے سوا باقی سب نار میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا وہ ایک کون سی روش پر رہیں گے یارسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا وہ روش جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

محققینِ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ کسی حدیث کی صحت و عدم صحت معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ حدیث، قرآن مجید کے کسی نص کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر مخالف پاتے تو اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ چاہے راوی کتنا ہی معتبر و ثقہ ہو۔ اور سمجھتے کہ راوی سے سننے یا سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اور اگر وہ نص قرآن کے موافق ہوتی تو قبول کر لیتے۔ پھر یہ نہ دیکھتے کہ روایت میں کتنا نقص اور ضعف ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی جانچ پرتال کے لئے قرآن مجید پر کامل عبور ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اگر کسی حدیث کی روایات میں کوئی ضعف یا نقص ہو مگر دیگر احادیث و آثار و قرائن سے معناً تائید ہوتی ہو تو حدیث کی صحت تسلیم کر لی جاتی ہے۔ یہ دونوں اصول جمہور امت کے پاس مسلمہ ہیں۔ اور اسی معیار پر حدیثِ زیر بحث کو بھی جانچنا چاہیئے۔

حدیثِ زیر بحث کے دو جزو ہیں۔

۱۔ یہ کہ سابقہ امتوں کی طرح اس امت میں بھی تفریق فی الدین کا بگاڑ پیدا ہوگا۔ اور مختلف فرقے پیدا ہو جائیں گے۔

۲۔ یہ کہ ان فرقوں میں سے وہی فرقہ ناجی ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی روش پر ہوگا۔

"مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ"

قرآن مجید کو بغور پڑھیئے تو معلوم ہوگا کہ سابقہ امتوں میں یہ گمراہی پیدا ہوئی تھی کہ اختلاف عقائد کی بنیاد پر وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی تھیں۔ آیاتِ ذیل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ کان الناس امة واحدة فبعث اللّٰه النبین مبشرین ومنذرین وانزل معهم الکتٰب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیه (بقرہ ع ۲۶)

سب آدمی ایک ہی دین پر تھے (پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا جو خوشخبری دیتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب بھی نازل فرمائی کہ ان کے مذہبی اختلاف کا فیصلہ کر دیں۔

۲۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البیّنٰت واُولٰئك لهم

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اور آپس میں اختلاف کر لیا ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد اور یہی لوگ

عذابٌ عظیمٌ (آل عمران) ٭ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے۔

۳۔ ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا ٭ جن لوگوں نے دین میں تفریق کر لی اور مختلف گروہ بن گئے آپ
لستَ منھم فی شیئٍ۔ (انعام) ٭ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ ولا تکونوا من المشرکین ۰ من الذین ٭ اور شرک کرنے والوں میں مت رہو۔ جن لوگوں نے دین میں پھوٹ
فرقوا دینھم وکانوا شیعًا (سورۂ روم) ٭ ڈالی اور مختلف گروہ بن گئے۔

ان آیتوں میں پہلی آیت سے یہ ثابت ہے کہ سابقہ زمانوں میں دینی تفریق اور فرقہ بندی پیدا ہوتی رہی اور ان فرقہ بندیوں کو مٹانے، اختلافات کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السّلام کو بھیجتے رہے۔ بقیہ آیتیں بتلا رہی ہیں کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی امتیں دین میں تفریق کرکے علیحٰدہ علیحٰدہ گروہ بنی ہوئی تھیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ اور اہلِ ایمان کو تنبیہ کیا جا رہا ہے کہ ان کی طرح تم بھی متفرق نہ ہو جاؤ۔ دوسری آیت کے الفاظ "لھم عذابٌ عظیمٌ" سے یہ بھی ثابت ہے کہ دین میں تفریق کرنے والے عذابِ عظیم کے مستحق ہیں یعنی وہ گمراہ ہیں۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں سورۂ ہود کی یہ آیت بھی قابلِ غور ہے۔

ولوشآء ربك لجعل الناس امة واحدة ٭ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (لیکن)
ولا یزالون مختلفین ۰ الا من رحم ربّك ٭ انسان ہمیشہ مختلف (راہوں پر گامزن) رہیں گے بجز ان کے جن پر آپ کا پروردگار
ولذٰلك خلقھم ۰ (آخری رکوع) ٭ رحم فرمائے اور اسی (امتحان) کے لئے ان کو پیدا کیا ہے۔

اس آیت میں ایک عام بات جو تمام امتوں میں پائی جاتی ہے یہ بیان کی گئی ہے کہ ہر امت میں مختلفین یعنی اختلاف کرنیوالے پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور "الّا من رحم ربك" سے یہ بات واضح ہے کہ اہلِ اختلاف، رحمت کے مستحق نہ ہونگے اور جو مستحقِ رحمت ہوں گے وہ قرآن مجید کی رو سے اہلِ اختلاف نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نجات صرف اسی جماعت کیلئے ہے جو "الا من رحم ربّك" کی مصداق ہے۔

سورۂ انعام کی اس آیت کو بھی سامنے رکھئے۔

وان ھٰذا صراطی مستقیمًا فاتبعوہٗ ٭ میرا سیدھا راستہ یہ ہے اسی پر چلو دوسری راہوں
ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن ٭ پر نہ چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے ہٹا کر تتر بتر
سبیلہٖ۔ ٭ کر دیں گی۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم صرف ایک ہے اور گمراہی کے راستے بہت ہیں۔ سورۂ ہود اور سورۂ انعام کی دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھئے۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مختلفین وہ ہیں جو مختلف راہوں پر چلنے والے ہیں اور جو اہلِ رحمت ہیں ان کی ایک ہی راہ "صراطِ مستقیم" ہے۔ پس متذکرہ بالا آیتیں جو آیاتِ محکمات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ امم

سابقہ میں صراطِ مستقیم سے ہٹ کر مختلف گروہ پیدا ہوتے رہے اور سورۂ ہود کی آیت کے الفاظ "لایزالون مختلفین" میں اس جانب اشارہ ہے کہ کوئی امت اس سے مستثنیٰ نہ ہوگی۔ یعنی ہر امت میں صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر مختلف راہوں پہ چلنے والے فرقے پیدا ہونگے۔ بنی آدم کی دنیا کبھی اس سے خالی نہ ہوگی مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید میں اس کی بھی صراحت ہے کہ باطل فرقوں کے علاوہ صالحین کی بھی ایک جماعت موجود رہیگی یعنی ایک گروہ اہلِ حق کا بھی رہیگا۔ "اِلَّا من رحم ربك" میں جس کی جانب اشارہ ہے اور جیسا کہ سورۂ آل عمران میں اہلِ کتاب کے متعلق صراحت ہے کہ پوری ہی امت گمراہ نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ان میں صالحین کا بھی ایک گروہ موجود تھا۔

لَيْسوا سَواءً ط من اهل الكتاب امة قائمة ❖ سب برابر نہیں (بلکہ) ان اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت (دین پر)
يتلون اٰيٰت الله اناءَ الليل وهم يسجدون ❖ قائم ہے یہ لوگ اوقاتِ شب میں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
يؤمنون بالله واليوم الاٰخر ويأمرون ❖ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور
بالمعروف وينهون عن المنكر ويسارعون ❖ برائیوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے
في الخيرات واولٰئك من الصّٰلحين ٥ (آل عمران) ❖ ہیں اور یہی صالحین ہیں۔

یہ تو خاص اہلِ کتاب کا ذکر ہے اس کے علاوہ فرقہ بندی کے ہر دورِ فتن کے متعلق بھی یہ ارشاد ہے کہ اہلِ حق کا بھی ایک گروہ ضرور رہے گا۔

وممن خلقنا امة يهدون بالحق وبه ❖ ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی رہتی ہے جو حق کے موافق
يعدلون ٥ (الاعراف) ❖ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔

اسی سورہ میں ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

منهم الصّٰلحون ومنهم دون ذٰلك ❖ بعض ان میں اہلِ حق ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے

پس خلاصۂ کلام حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ امتیں تفریق و اختلافات کی لعنت میں گرفتار ہوں گی۔

۲۔ سُبل متفرقہ بہت ہیں اس لئے باطل فرقے بہت ہونگے۔ صراطِ مستقیم ایک ہے اس لئے اہلِ رحمت، اہلِ حق کا ایک ہی گروہ ہوگا۔

۳۔ ہر دورِ فتن میں باطل فرقے بہت ہونگے اور اہلِ حق کی ایک ہی جماعت ہوگی۔

یہی تینوں امور حدیث زیرِ بحث کا مفہوم ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ان تمام آیات کا جو مفہوم ہے وہی حدیث زیرِ بحث میں بیان کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیثِ زیرِ بحث بالکلیہ قرآن کے مطابق ہے۔

دیگر حدیثوں سے بھی حدیث زیرِ بحث کی بالکلیہ تائید ہوتی ہے۔ بخوف طوالت صرف دو چار پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو النعل بالنعل حتیٰ لو دخلوا جحر ضب لدخلتموہ قالوا الیھود والنصاریٰ قال فمن؟ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پچھلی امتوں کے طریقہ پر چل کر قدم بقدم ان کی پیروی کروگے یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں گھسی ہوں گی تو تم بھی اس میں داخل ہو کر رہوگے صحابہ نے پوچھا کیا ہم یہود و نصاریٰ کی پیروی کرینگے فرمایا پھر کون؟

ترمذی کی ایک حدیث کا آخری جملہ بخاری کی اس حدیث کا ہم معنیٰ ہے۔

والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم ۰

قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم پہلی قوموں کی راہ پر چلوگے۔

پہلی قوموں کی راہ پر چلنے کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح وہ قومیں دین میں اختلاف کر کے مختلف فرقوں میں بٹی تھیں اسی طرح مسلمانوں میں بھی فرقہ بندی پیدا ہوجائے گی۔ یعنی مختلف گمراہ فرقے پیدا ہوجائیں گے۔

۲۔ لاتقوم الساعۃ حتیٰ تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی یعبد قبائل من امتی الاوثان وانہٗ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہٗ نبی وانا خاتم النبیین لانبی بعدی ولاتزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاھرین (ترمذی وابوداؤد)

قیامت نہ ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے گروہ مشرکین کی طرح ہوجائیں گے اور بتوں کو پوجیں گے اور حال یہ ہوگا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہونگے ان میں کا ہر ایک اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا دراں حالیکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ . . . . اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔

۳۔ من فارق الجماعۃ شبرًا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہٖ: (احمد و ابوداؤد)

جو شخص جماعت (صحابہ) سے بالشت بھر علیحدہ ہوا وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔

یعنی افکار و اعمال کے لحاظ سے جو کوئی جماعت صحابہ کی روش سے ایک بالشت بھی ہٹ جائے گا وہ اسلامی برادری سے نکل گیا۔

۴۔ فانہٗ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافًا کثیرًا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃٍ بدعۃ وکل بدعۃٍ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار (ابوداؤد و احمد و ابن ماجہ)

پھر تحقیق کہ تم سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا بس بہت اختلافات دیکھے گا۔ (اس اختلافات کے زمانہ میں) میری سنت اور میرے جانشینوں کی روش کو جو سیدھی اور نیک راہ پر ہیں لازمًا اختیار کرو اور اسی پر قائم رہو اور اس کو دانتوں سے (مضبوط) پکڑے رہو اور بچو نئی نئی باتوں سے تحقیق جو نئی بات ہے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

یہ چاروں احادیث صحاح ستہ کی ہیں۔ اور ان سے حسبِ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح تفریق فی الدین کا بگاڑ پیدا ہوگا۔ عقائد میں اختلافات پیدا ہو جائینگے اور اُمت مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی۔

۲۔ فرقہ بندی کے دور میں ایک طبقہ حق پر ہوگا۔

۳۔ صحابۂ کرام کی جماعت امت کے لئے ایک مثالی جماعت ہے، جس کسی کے عقائد و اعمال اس جماعت کے مطابق نہ ہونگے وہ اسلام سے خارج ہے۔

۴۔ اختلاف کے پرفتن زمانہ میں سنتِ نبوی اور علماً و عملاً روشِ صحابہ ہی ہدایت و نجات کی راہ ہے اس کے سوا جتنے اختراعی عقائد و اعمال ہیں وہ سب گمراہی ہے۔

حدیث زیربحث اور اس کا آخری جملہ "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کا بھی یہی منشاء و مفہوم ہے۔

احادیث کی متعدد کتابوں میں حدیث زیربحث پندرہ صحابیوں سے مروی ہے۔ اگرچہ ناقدینِ حدیث میں ایک دو حضرات نے اس حدیث کے بعض اسناد کو ضعیف کہا ہے اور اس کی صحت میں شبہ ظاہر کیا ہے۔ مگر اور تمام ثقہ اور مستند محدثین نے اس کے تمام طرق پر غور و خوض کر کے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں جب کوئی حدیث قرآن کے مطابق ہو اور دیگر مستند احادیث سے اس کے مضمون کی بالکلیہ تائید ہوتی ہو تو یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ ایسی صورت میں حدیث کی اسناد کا سقم قابلِ اعتناء نہیں رہتا اور حدیث کی صحت تسلیم کر لی جاتی ہے۔

الحاصل قرآن مجید اور دیگر احادیث اور محدثین کی تحقیق کی روشنی میں حدیث "مَا اَنَا عَلَیْہِ اَصْحَابِیْ" بالکل صحیح ہے اور اس کی صحت میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ عقیدہ و عمل کے اختلافات کے پرفتن دور میں اہلِ حق و اہلِ باطل کو جانچنے کی یہ ایک واحد کسوٹی ہے۔ مسلمہ امر ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے الٰہی تعلیم "القرآن" اور حکمت (عقل و دانش) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشادات و اعمال کی روشنی میں حاصل کیا اور اس پر عمل کیا۔ لہٰذا اب صحابۂ کرامؓ کی مثالی جماعت کے خلاف آواز اٹھانے والا حسبِ ارشادِ پیغمبر علیہ السلام جماعت سے علیحدہ اور اسلام سے خارج ہو رہا ہے۔ آخر میں قرآن مجید کی دو فیصلہ کن آیتیں بھی ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین	ہدایت کی راہ واضح ہو جانے کے بعد جو رسول کی مخالفت کریگا
لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین	اور مؤمنین کی راہ کے سوا دوسری راہ اختیار کریگا ہم اس کو
نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت	اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ (بالآخر) اس کو جہنم میں داخل
مصیراً ۵ (النساء)	کریں گے جو نہایت برا ٹھکانا ہے۔

یہ اتنا واضح ارشاد ہے کہ چنان و چنیں کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اعلانِ عام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے حکم و ہدایت و تعلیم کے خلاف چلنا اور روشِ صحابہ کی اتباع نہ کرنا گویا جہنم کی راہ اختیار کرنا ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھیئے کہ قرآن مجید کے الفاظ " المؤمنین " سے مراد صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔

۲۔ والسّٰبقون الاوّلون من المھٰجرین و ٭ اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے والوں میں) اوّل ہیں اور
الانصار والذین اتبعوھم باحسانٍ ٭ (بقیہ امت میں) جو لوگ اچھی طرح ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان
رضی اللہ عنھم و رضوا عنہُ اعدّ لھم ٭ سب سے راضی اور وہ سب اللہ سے راضی۔ اللہ نے ان کے لئے
جنّٰتٍ تجری تحتھا الانھٰر خٰلدین ٭ ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ
فیھا ابدًا (توبہ) ٭ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیۂ کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مرضیٔ رب کے متبع اور مستحقِ جنت حضرات، مہاجرین و انصار ہیں اور وہ لوگ ہیں جو علماً و عملاً اچھی طرح ان حضرات کی اتباع کرتے ہیں۔ غور کیجئے اور دماغ کو یکسو کر کے غور کیجئے ان دونوں آیتوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ " مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ " کی جو کسوٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے ہاتھ میں دی ہے وہ اپنے معنی و مطلب کے لحاظ سے قرآنی کسوٹی ہے۔

بعثتِ نبوت کے متعلق سنتِ الٰہی !

بندوں کی صلاح و ہدایت اور ان کی فلاح دارین کے لئے اللہ جلّ شانہٗ ہر ملک و قوم میں وقتاً فوقتاً اپنی ہدایت و تعلیم کو نازل اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتے رہے نیز انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو یہ ہدایت بھی دیتے رہے کہ تمہارے بعد جو نبی مبعوث ہونگے تم ان کی تائید اور ان کی اتباع کرنا۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم ٭ اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور
من کتٰبٍ وحکمۃٍ ثمّ جاءکم رسول ٭ علم عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو مصدّق ہو اس
مصدق لما معکم لتؤمننّ بہٖ ٭ کتاب و علم کا) جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس رسول پر ایمان
ولتنصرنّہٗ (آل عمران) ٭ لانا اور اس کی مدد کرنا۔

اس بناء پر انبیاء علیہم السّلام اپنی امتوں کو اپنے بعد آنے والے نبی کی اطلاع دے دیتے۔ اور اس کی خاص خاص علامتیں بھی بیان کر دیتے تاکہ آنے والے رسول کی شناخت میں امت کو دشواری نہ ہو چنانچہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر خیر توراۃ و انجیل میں بیان کر دیا گیا تھا۔

اَلَّذِینَ یَتَّبِعُوْنَ الرسول النبی الامی الذی ٭ جو لوگ ایسے رسول نبی امّی کی اتباع کرتے ہیں جن (کی بعثت
یجدونہٗ مکتوبًا عندھم فی التورٰۃ ٭ کی خبر اور جن کی علامتیں) وہ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھی

والانجیل ؛ ✤ ہوئی پاتے ہیں۔ (الاعراف)

اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں نے اپنی امتوں کو بعثتِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع دے دی تھی۔ نیز سورۃ الصّف میں یہ صراحت بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بھی بتلادیا تھا۔

واذقال عیسٰی ابن مریم یٰبنی اسرآئیل انی ✤ اور جبکہ عیسیٰ ابن مریم نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے
رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی ✤ پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب توراۃ کی تصدیق
من التورٰیۃ ومبشراً برسولٍ یاتی من ✤ کرنے والا ہوں اور میرے بعد ایک رسول جن کا نام احمدؐ ہے ان
بعدی اسمہٗ احمد ۝ ✤ کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔

چونکہ حضرت (احمد) محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے اور سلسلۂ نبوت آپؐ پر ختم ہو رہا تھا اس لئے قرآن مجید میں آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی کوئی خبر نہیں ہے بلکہ اسکے برخلاف اعلان یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا۔

ماکان محمّدٌ ابا احد من رجالکم ولٰکن ✤ محمدؐ تمہارے لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے
رسول اللہ وخاتم النّبیّین ط (الاحزاب) ✤ رسول ہیں۔ اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔

اس آیۂ کریمہ کا مطلب سمجھنے کے لئے تکمیل دین کی آیت :۔

الیوم اکملت لکم دینکم ✤ آج تمہارے لئے تمہارا دین کمل کر دیا گیا۔

اور حفاظتِ قرآن مجید کی آیت :۔

انّا لہٗ لحٰفظون ✤ ہم اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔

پر غور کیجئے تو یہی مطلب واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان، آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ کیونکہ تکمیل دین اور سرچشمۂ دین، کتاب وسنت کی پوری پوری حفاظت کے بعد نزول وحی اور بعثتِ نبوت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا نبی، جس پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے وہ کلام الٰہی کی مراد کو بھی خوب جانتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر امت کو خبردار کر دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں سلسلۂ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا۔ مثلاً

ایک مرتبہ امت کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

سیکون فی امتی کذابون ثلٰثون کلّھم ✤ قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہونگے ہر ایک دعویٰ
یزعم انہٗ نبی اللہ وانا خاتم النّبیّین ✤ کرے گا کہ میں اللہ کا نبی ہوں (اور حقیقت یہ ہے کہ) میں خاتم
لانبی بعدی۔ (ابوداؤد و ترمذی) ✤ النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ " وَلَا نبی بعدی " خاتم النبیین کا جو مطلب ہے اس کی وضاحت کر رہے ہیں ۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا ۔

ایک دفعہ آپؐ نے اپنے پر حق تعالیٰ کی خصوصی نعمتوں کو بیان فرماتے ہوئے ایک مخصوص نعمت یہ بھی بیان فرمائی کہ سلسلۂ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا ۔

اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب	مجھ کو جوامع الکلم عطا ہوئی ۔ رعب سے میری مدد کی گئی ۔ میرے لئے
واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض	مال غنیمت حلال ہوا میرے لئے ساری زمین پاک اور مسجد کردی
مسجدًا وطهورًا وارسلت الی الخلق	گئی اور میں تمام مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں اور سلسلۂ
کافۃ وختم بی النبیّون ۔ (مسلم)	نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا ۔

اس ارشاد میں الفاظ " ارسلت الی الخلق کافۃ " و " ختم بی النبیّون " کا مفہوم یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں ۔ آپ کی لائی ہوئی الٰہی تعلیم تمام انسانوں کے لئے شمعِ ہدایت ، راہِ نجات ہے اس لئے اب سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ۔

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے اپنے اسمائے گرامی گنائے اور ان کی تشریح بیان فرمائی ۔

اِن لی اسماءً انا محمد وانا احمد وانا	بے شک میرے متعدد نام ہیں ۔ محمدؐ ہوں احمد ہوں ۔ ماحی ہوں ۔
الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا	یعنی میرے ذریعے کفر کی دنیا مٹا دی گئی ۔ میں حاشر ہوں یعنی میرے
الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی	بعد قیامت ہی آئے گی ۔ اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس
وانا العاقب والعاقب الذی لیس	کو کہتے ہیں ۔ جس کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا ۔
بعدہٗ نبیٌ (متفق علیہ)	

ان حدیثوں کے علاوہ کئی مواقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت کا ایک طبقہ قیامت تک حق پر قائم رہیگا ۔

لا تزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاھرین لا یضرھم من خالفھم حتیٰ یاتی امر اللہ

میں آخری نبی ہوں میری امت آخری امت ہے قیامت تک اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ اور کوئی امت ہوگی ۔

غرض ان تمام ارشادات سے یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد نبی پیدا نہ ہونگے اور یہی اہل حق کا مسلّمہ عقیدہ ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں ایک شخص مسیلمہ کذاب پیدا ہوا تھا ۔ جو آپؐ کے انتقال کے بعد ہی نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا ۔ اور خلیفۂ اول سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں کیفر کردار کو پہنچا ۔ اس کے بعد کئی ایک جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا

ہوئے اور اہلِ حق کے ہاتھوں واصل بہ جہنم ہوئے عصرِ حاضر میں قادیان کے ایک شخص . . . . نے ویسا ہی جھوٹا دعویٰ کیا اور اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے شیطان کے کارندے اس فتنہ کو خوب پھیلا رہے ہیں۔ اور نادانوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر جہنم کی راہ پر لے جا رہے ہیں۔ اہلِ حق کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو مٹانے کی کوشش کرتے رہیں اتنی کوشش بھی کافی ہے کہ اہلِ علم اپنے اپنے حلقہ میں دین سے ناواقف مسلمانوں کو کتاب و سنت کی اس تعلیم سے باخبر کر دیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کی اطلاع نہیں دی نہ بطور ظلی و بروزی وغیرہ ۔ بلکہ صاف صاف امت کو آگاہ کر دیا کہ میرے بعد جھوٹے دعویدار نبوت پیدا ہوں گے لہٰذا اب جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذّاب ہے اور ایسے کذّاب کو نبی ماننے والے اسلام سے خارج ہیں۔ جب تک وہ توبہ نہ کریں اور اس باطل عقیدے سے باز نہ آئیں قابلِ گردن زدنی رہیں گے ۔

بعثت رسالت کا مقصد !

پہلا مقصد ۔ سورہ بقرہ میں اتمام نعمت کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا	جس طرح ہم نے تم لوگوں میں، تم ہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ہماری
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ	آیات پڑھ کر تم کو سناتے ہیں۔ اور تم کو شرک و کفر کی (گندگیوں سے)
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ	پاک کرتے ہیں اور تم کو کتاب و دانائی کی تعلیم دیتے ہیں اور تم کو وہ
تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (رکوع ۱۸)	سب کچھ بتلاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے ۔

اس آیۂ کریمہ کے تین جز ہیں ۔

(۱) آیات اللہ کی تلاوت اور تزکیہ ۔ یعنی اللہ جل شانہٗ کے رب و الٰہ واحد ہونے اور انسان کی مربوبیت و عبدیت اور مملوکیت و محکومیت کی جو نشانیاں، خود انسان کے اندر اور کائناتِ ارضی و سماوی میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ ان کو کلام الٰہی کی تلاوت کر کے دلنشین پیرایہ میں بیان کرنا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جزائے اعمال کا جوابدہی عالم، جنت و دوزخ (حیات بعد الموت) ہے وہ اور اس کے اہم ترین اجزاء یعنی نعمائے جنت و عقوباتِ نار کو نمایاں کر کے بے خبر انسانوں کو ان کی ابدی زندگی اور اس کے نفع و ضرر سے باخبر کرنا تاکہ انسان اپنے خالق، رب و مولا کو اور اپنے خالق و رب سے اس کا جو فطری ربط و تعلق ہے اس کو پہچانے اور آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی " الجنۃ " کا طالب و حریص ہو کر حُبِّ دنیا، نفس و شیطان کی بندگی اور اتباعِ ہوا و ہوس کی گندگیوں سے پاک ہو جائے اور اپنے رب و الٰہ کی بندگی و اطاعت کو اپنے لئے موجبِ فخر و شرف اور باعثِ سعادت و فلاح سمجھ کر بطیبِ خاطر اختیار کرے ۔

(۲) کتاب و حکمت کی تعلیم ۔ دوزخ سے بچنے اور جنت و درجاتِ جنت کا مستحق ہونے کے لئے کتاب اللہ کی

عملی تعلیم دینا۔ مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں فکر و عمل کی اصلاح کے جو احکام ہیں اور جو انسان کی زندگی کے تمام امور یعنی تعلیم و تربیت و اخلاق، اکتسابِ معاش، مصارفِ زر۔ تہذیب و معاشرت، باہمی تعلقات و معاملات اور عبادت الٰہی، دعا و انابت الی اللہ، حکومت و سیاست سے متعلق ہیں اور جن پر عمل کر کے انسان حقیقی معنوں میں عبداللہ و خلیفۃ اللہ بن سکتا ہے ان کی عملی تعلیم دینا اور دانائی و سمجھ پیدا کرنا جس کے بغیر انسان زمین پر عدل و احسان کے ساتھ خلافت نیابتِ الٰہی کے فرائض انجام دینے کے قابل نہیں بن سکتا۔

(۳) ناواقف انسانوں کو سونے جاگنے، کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے اور دیگر فطری خواہشات کو پورا کرنے کے تمام آداب وطور وطریق بتلانا۔ جن سے واقف ہونا بندوں کے لئے ضروری ہے۔

دوسرا مقصد:- ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ولو کرہ المشرکون ۵ (الصف)

⁘ وہ (اللہ ہی) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کا سامان اور سچا دین (دین اسلام) دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام (خود ساختہ اور سابقہ) ادیان پر غالب کردے چاہے مشرک کتنے ہی ناخوش ہوں۔

دین اسلام کو نازل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنے کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ تمام انسان صرف ایک ہی دینِ حق کے پیرو۔ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے ایک ہی دستورِ بندگی پر عامل رہیں۔ سب کے لئے ایک ہی حکم و ہدایت ہو۔ سب کے معتقدات و عملیات ایک ہی ہوں۔ تمام بندوں کی صلاح و فلاح، امن و عافیت، محبت و یگانگت اور دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنے ربِ اعلیٰ و عظیم کی مرضی کی اتباع کریں۔ پس یہی ایک دینِ حق دنیا میں جاری و غالب رہے۔ اور قیامت تک انسانی دست برد سے محفوظ بھی "لیظھرہٗ علی الدین کلہ" کا یہی مطلب و مفہوم ہے۔ دست برد انسانی سے حفاظت کی ذمہ داری تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و رحمت سے اپنے ذمہ لے لی۔

اِنَّا لَہٗ لحٰفِظُون ۵ (الحجر) ⁘ بے شک ہم ہی اس (قرآن) کے محافظ ہیں۔

اور دنیا میں اس کو جاری و نافذ کرنے اور تمام ادیان پر غالب رکھنے کی عملی شکل یہ نہیں تیلائی کہ بجلیوں پر بجلیاں گرا کر طوفانوں پر طوفان اٹھا کر، آندھیاں چلا کر، پہاڑوں کو سر پر مسلّط کر کے نافذ کیا جائیگا۔ بلکہ یہ فرض اہلِ ایمان کے تفویض کیا گیا چنانچہ اس آیت کے بعد ہی ارشاد ہے۔

یاَیُّھَا الَّذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃٍ تنجیکم من عذابٍ اَلِیم ۵ تؤمنُون باللہ ورسولہٖ وتجاھدون فی سبیل

⁘ اے ایمان والو کیا میں تم کو ایک ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچائے (وہ یہ ہے) تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر اعتماد کرو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان

اللّٰہ باموالکم وانفسکم ذٰلکم خیرٌ لکم ٭ سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم (اس
ان کنتم تعلمون ٥ ٭ کی بہتری کو) سمجھو۔

مطلب یہ ہے کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دینِ حق اسی لئے نازل کیا گیا ہے کہ آپؐ کی اور آپؐ کے متبعین کی والہانہ و سرفروشانہ جدوجہد سے دنیائے انسانیت اپنے افترائی ادیان کو چھوڑ کر اسی ایک دینِ حق کی پیرو ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی وہ پسندیدہ کام ہے جس کو انجام دیئے بغیر تم آخرت کے دردناک عذاب سے چھٹکارا نہیں پا سکتے اور اگر اس میں کوتاہی کرو تو یہ وہ خلا ہے جس کو کوئی نیکی پر نہیں کر سکتی۔ دین کی تمام تعلیم، فکر و عمل کی تمام اصلاح کی غرض و غایت یہی ہے کہ تم مردانِ مجاہد بنے رہو، جانی و مالی توانائیوں کیساتھ دین کی اشاعت کرتے رہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ وصحابۂ کرامؓ کی زندگی اس آیت کی مکمل تفسیر ہے۔

الغرض دینِ حق سے بے بہرہ و جاہل انسانوں کو جہل و تاریکی کی گھاٹیوں سے نکال کر مہذب و شائستہ (صالح) بنانے کی جدوجہد کا نام "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی ایک شکل جہاد باللسان ہے۔ یعنی عقلی و فطری دلائل کی روشنی میں اور اپنے مضبوط کردار سے ربانی تعلیم کی حقانیت ثابت کرنا اس کوشش میں جان و مال کا کتنا ہی نقصان اور اہلِ باطل کے ہاتھوں کتنی ہی اذیتیں پہونچیں ان کو بطیب خاطر برداشت کرنا اور اہلِ باطل کی ہر مزاحمت کا پوری ہمت و جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کرنا اور ثابت قدم رہنا۔ دوسری صورت جہاد بالسیف کی ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو دفاعی اور دوسری تبلیغی و اصلاحی۔ دوسری شکل اس وقت متعلق ہوگی جب کسی صاحبِ بصیرت، علماً و عملاً متبع رسالت امام کی قیادت میں اہلِ حق کی ایک مضبوط جماعت قائم ہو جائے۔ اور ایک قطعۂ زمین پر اس کو کچھ اقتدار بھی حاصل ہو، پس جہاد دینی اعمال کا ایک اہم اور لاینفک جزو ہے اس جہاد کے قابل بننے کے لئے ہر مسلمان، مردِ مومن میں بیک وقت دو قابلیتیں پیدا ہونی ضروری ہیں۔ ایک علمی قابلیت اور دوسری حربی قابلیت۔ علمی قابلیت کا ثمرہ یہ ہے کہ دل میں ربِّ اعلیٰ و عظیم ہی سے خوف و خشیت بھی ہو اور محبت و شیفتگی بھی۔ ان ہی سے والہانہ وابستگی (دعا و انابت۔ استعانت۔ استعاذہ) ہو۔ اور ان ہی کی سرفروشانہ باطل شکن اطاعت بھی۔ اس رنگ میں قلب اتنا رنگا ہوا ہو کہ اہلِ باطل کی قوت و شوکت اور ان کے اقتدار سے ذرا بھی مرعوبیت نہ ہو بلکہ دنیا کے تکلفات و تعیشات اور اہلِ باطل کے طور و طریق سے بے رغبتی و بیزاری ہو۔ لہو و لعب سے اعراض ہو اور اس طرح قرآنی دلائل کے ساتھ لسانی (علمی) جہاد کی صلاحیت اُجاگر ہو جائے تاکہ اس ہدایتِ ربانی کا منشا پورا ہوتا رہے۔

جاھدھم بہ جھاداً کبیراً (الفرقان)

مطلب یہ ہے کہ بلا لحاظِ لومۃ لائم اور بلا لحاظِ ضررِ جان و مال قرآنی دلائل کے ہتھیاروں سے اہلِ باطل کے باطل افکار و اعمال پر ضرب لگاتے رہو۔ تا آنکہ حق غالب اور باطل مغلوب ہو جائے یہی آپؐ کی بعثت کا دوسرا مقصد ہے چنانچہ اپنی مجاہدانہ زندگی سے صحابۂ کرام کو آپؐ نے یہی تعلیم دی۔

ایمان بالرسالت

ایمان بالرسالت کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت و اتباع کی جائے۔ اتباع کے مفہوم میں دینِ حق کی بقا و اشاعت کی وہ والہانہ و سرفروشانہ جد و جہد بھی داخل ہے جس کو سطور بالا میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اتباع رسالت کا مفہوم یہ بھی ہے کہ فکر و عمل کی ہر خرابی کی اصلاح کے لئے، تزکیۂ نفس و تطہیرِ قلب کے لئے، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب و حرص پیدا ہونے کے لئے۔ معاملات و کاروبار میں، اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے میں، راحت و تکلیف میں، ہر حالت میں ربِ اعلیٰ وعظیم کو یاد رکھنے کے لئے (ذکر اللہ اور تعلق مع اللہ کا یہی مفہوم ہے) خیر و برکت کے لئے، مختصر یہ کہ عبد اللہ و خلیفۃ اللہ بننے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سوا کسی اور طریقے کی افادیت کا تصور بھی پیدا نہ ہو چاہے وہ طریقہ بتلانے والے آسمان سے اتر رہے ہوں اور ان کے جلو میں فرشتے ہی کیوں نہ ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نبی آخرالزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پیدائش وخاندانی حالات

نبینا و سیدنا محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول م ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے بعض مؤرخین نے ۱۲ ربیع الاول لکھی ہے مگر چونکہ دوشنبہ کے دن پر سب کا اتفاق ہے اور دوشنبہ کا دن ۹ ربیع الاول کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا اسلئے ۹ ربیع الاول ہی کو صحیح سمجھنا چاہیئے۔

آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کا نام محمدؐ اور بعض روایات کی رو سے آپؐ کی والدہ نے احمدؐ رکھا۔ حدیث میں ہے کہ زمین پر آپؐ کا نام محمدؐ ہے اور آسمان پر احمدؐ ہے۔ انجیل میں بھی آپ کا نام احمدؐ ہے۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ توریت میں نام مبارک محمدؐ ہے۔

آپؐ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ بادشاہ مصر کی بیٹی ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی ایک بیوی تھیں ان کے بطن سے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہؑ پیدا ہوئے جو حضرت ابراہیمؑ کے پہلے بیٹے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے۔ ان میں سے ایک بیٹے قیدار جن کا ذکر تورات میں بکثرت ہے بہت مشہور تھے۔ اُن کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی۔ اور بہت پھیلی۔ اُن کی اولاد میں عدنان اور عدنان کی اولاد میں قصی بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے۔ مثلاً خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والوں کو پانی پلانے کا انتظام، اور اُن کے کھانے پینے کا انتظام جو

خدامِ کعبہ کا سب سے بڑا منصب تھا۔ ان ہی نے قائم کیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش ان ہی کا لقب تھا۔ قصی کے چھ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عبدمناف تھا۔ باپ کے بعد، امارت و ریاست عبدمناف نے حاصل کی۔ عبدمناف کے چھ بیٹے تھے۔ ان میں سے ہاشم نہایت صاحبِ صولت اور بااثر تھے۔ زائرین کعبہ کے آب و طعام کی خدمت کا منصب جو ایک اہم منصب سمجھا جاتا تھا ہاشم نے حاصل کیا۔ اور اس کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ زائرین کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر رکھتے۔ تجارت کو بہت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کرکے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسبابِ تجارت لے کر جائیں تو ان سے ٹیکس نہ لیا جائے۔ قبائل میں امن و امان قائم کیا۔ ان ہی کے ایک پوتے عبداللہ ابن عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہیں۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ آمنہ بھی آپؐ ہی کے قبیلے کے ایک ایسے سردار کی بیٹی تھیں جو حضرت اسمٰعیل ہی کی نسل سے تھے۔ غرض ددھیال اور ننہال دونوں طرف سے آپ عرب کے معزز اور بہترین قوم و قبیلے سے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، شکم مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کی پیدائش سے آپ کے دادا عبدالمطلب کو بے حد خوشی ہوئی۔ اُن ہی نے آپؐ کی پرورش کی۔ شرفائے عرب کا دستور تھا کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کو دودھ پلانے کے لیے دیہات کے رہنے والوں کے سپرد کر دیتے تاکہ بچہ دیہات کی سادہ زندگی اور محنت و مشقت کا عادی ہو۔ اسی دستور کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا گیا وہ ہر چھٹے چھٹے آپ کو لا کر والدہ اور دیگر اقربا کو دکھلا جاتی تھیں۔ دو برس کے بعد دودھ چھڑایا گیا۔ مائی حلیمہ آپ کو لے کر آپؐ کی والدہ کے پاس آئیں۔ آپؐ کی والدہ نے اس خیال سے کہ دیہات کی صحت بخش آب و ہوا آپؐ کے موافق تھی پھر آپؐ کو ان ہی کے سپرد کر دیا اور جب آپؐ کی عمر چار برس کی ہوئی تو آپؐ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جب آپ چھ برس کے ہوئے تو والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا اور دادا نے پرورش و نگرانی اپنے ذمے لے لی مگر دو سال کے بعد ہی دادا نے بھی وفات پائی اور اپنی وفات سے قبل آپ کو اپنے بیٹے ابوطالب کی نگرانی میں دے دیا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ ابوطالب آپ کو بے حد چاہتے تھے۔ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ اپنے ساتھ لے کر سوتے۔ باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ آپ کی یتیمی کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔

الم یجدک یتیما فاویٰ ہ

(ترجمہ) :۔ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانا دیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس بارہ برس کے ہوئے تو عرب کے عام دستور کے مطابق بکریاں چرایا کرتے عرب میں یہ معیوب نہیں تھا۔ زمانۂ نبوت میں آپ اس سادہ اور پر لطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ آپؐ صحابہ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہ بیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا جو سیاہی مائل ہو جاتی ہیں

وہ زیادہ مزے کی ہوتی ہیں۔ یہ میرا اس وقت کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔

جب آپ سنِ رشد کو پہنچے تو تجارت کا خیال ہوا یہ آپ کا خاندانی پیشہ تھا۔ ابوطالب بھی تاجر تھے۔ ان کی صحبت میں تجارت کا کافی تجربہ حاصل ہو گیا تھا۔ مگر چونکہ ذاتی سرمایہ نہ تھا اس لئے دوسروں کی شرکت میں تجارت شروع کی اور تھوڑی ہی مدت میں آپؐ کی راست بازی، دیانت صفائی معاملہ حسنِ تدبیر اور خوش اخلاقی کی شہرت ہو گئی اور آپ صادق و امین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ ان دنوں مکہ میں ایک شریف خاندان بیوہ بی بی خدیجہ تھیں یہ بھی قریشی تھیں اور بہت مالدار بھی، وہ اپنا سرمایہ تجارت میں لگائے رکھتی تھیں۔ انہوں نے آپ کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپ کی دیانت و سلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے آپ سے درخواست کی کہ ان کے سرمایہ سے آپؐ تجارت کریں۔ آپ اُن کا مال لے کر تجارت کو گئے اور بہت نفع ہوا۔ اس تجارتی سفر میں بی بی خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اس نے سفر سے واپسی کے بعد آنحضرت کی اُن تمام خوبیوں اور نیکیوں کا حال بی بی خدیجہ کو سنایا بی بی خدیجہ چونکہ خود بھی بہت نیک تھیں انہوں نے ایسے صادق و امین شریک تجارت کو اپنا شریک حیات بھی بنا لینا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی آپ سے نکاح کی درخواست کی۔ جسے آپؐ نے منظور فرما لیا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواستِ نکاح رد کر چکی تھیں۔ غرض تاریخ مقررہ پر اپنے چچا ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان کے ساتھ آپؐ حضرت خدیجہ کے مکان پر تشریف لائے۔ پانچ طلائی درہم مہر پر آپ کے چچا ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھایا۔ اور رشتۂ مودت و محبت قائم ہو گیا۔ اس رشتہ سے آپؐ کے مالی تفکرات بھی کم ہو گئے۔ آیۂ کریمہ :-

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝

ترجمہ:- اور اللہ نے آپؐ کو نادار پایا تو غنی کر دیا۔

میں اللہ تعالیٰ کے اسی انعام کی طرف اشارہ ہے۔

عرب اُمّی تھے اور جنگجو بھی تھے۔ لڑنے کے لئے حیلے ڈھونڈتے تھے۔ بات بات پر ایسی خونریز لڑائیاں چھڑ جاتیں کہ گھرانے برباد ہو جاتے اور یہ ایک موروثی وصف بن گیا تھا۔ قوم کا یہ حال دیکھ کر بعض امن پسند طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی اور قیامِ امن و حفاظتِ حقوق کی ایک انجمن قائم کی گئی۔ اس تحریک میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش پیش اور قیامِ امن کے معاہدہ میں شریک تھے۔ عہد نبوت میں فرمایا کرتے آج بھی اگر کوئی ایسے کام کے لئے بلائے تو میں بخوشی تیار ہوں

تعمیر کعبہ

خانۂ کعبہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ یہ زمین پر اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت کا پہلا گھر تھا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت

اور مقام امن بنایا گیا تھا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران ع) ٭ یقیناً جو مکان سب سے پہلے لوگوں کے لئے (برائے عبادت) مقرر کیا گیا ٭ وہ مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند اکبر حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے مل کر یہ گھر

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ (سورۂ بقرہ) ٭ اور جب ابراہیم علیہ السلام (خانۂ کعبہ کی) دیواریں اٹھا رہے تھے ٭ اور ان کے ساتھ اسمٰعیل علیہ السلام۔

پھر اُن کی نسل کے لوگ اس عمارت کی تجدید، تعمیر و مرمت کرتے آئے۔ تعمیر و ترمیم کی ضرورت ہمیشہ مرورِ زمانہ یا بارش کے اثر سے پیدا ہو جاتی تھی۔ کسی غیر قوم کا اس پر قبضہ کر کے گرا دینے، توڑ دینے کا واقعہ اس عمارتِ کعبہ کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند دنوں پہلے ابرہہ جو بادشاہ حبش کی طرف سے یمن کا حاکم تھا اس نے خانۂ کعبہ کی عمارت کو مسمار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور ہاتھیوں کی ایک فوج تیار کر کے مکہ پر چڑھائی کی۔ جب عمارت کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے جنہوں نے اپنی چونچ میں پتھر، کنکریے کر اس کی فوج پر برسائے دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہاتھی اور سپاہی پامال ہو گئے۔ سورۂ الفیل میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔ اسی سال کے آخر میں آنحضرت کی بابرکت ولادت ہوئی تھی۔ جب عرب دینِ ابراہیمی کو بھول کر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تو کعبہ اگرچہ بت خانہ بنا دیا گیا تھا مگر باوجود اس کے مشرکین اس کو اللہ ہی کا گھر، بیت اللہ کہتے تھے۔ اور دینِ ابراہیمی کی ایک عبادت (حج) جاہلانہ رسومات کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال کی تھی جب بوسیدگی کی وجہ سے خانۂ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کا خیال پیدا ہوا، تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے تعمیر کے لئے آپس میں تقسیم کر لئے تاکہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے۔ لیکن جب حجرِ اسود کے رکھنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا برپا ہو گیا۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف خود حاصل کرے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔ بالآخر یہ طے پایا کہ ایک ثالث مقرر کیا جائے۔ اور اس کے فیصلے پر عمل ہو۔ ثالث مقرر کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ کل صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہی ثالث قرار دیا جائے۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے تو اللہ جل شانہٗ کی کارفرمائی دیکھئے کہ سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جہاں تاب جمالِ محمدی ہی تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے جو تصفیہ کیا اُس سے آپ کی حسنِ تدبیر اور وسعتِ قلب و نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں وہ اپنا ایک ایک سردار منتخب کر لیں۔ پھر آپ نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھ دیا۔ اور سرداروں سے کہا کہ سب مل کر چادر اوپر اٹھائیں۔ جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے حجرِ اسود کو اٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔ کعبہ کی عمارت پر اب تک چھت نہیں تھی اب چھت بھی ڈال

دی گئی۔ مگر سامانِ تعمیر کافی نہ تھا۔ اس لئے زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر عمارت تعمیر کی گئی اور اس حصے کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر کبھی موقع ہو تو پورے حصہ پر عمارت بنائی جا سکے یہی حصہ ہے جس کو اب "حطیم" کہتے ہیں۔ اور یہ کعبے کے حدود میں داخل ہے۔

شرک و لہو ولعب سے اجتناب

یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جبکہ منصبِ نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے مشرکانہ اعمال و رسوم اور لہو ولعب سے الگ رہے۔ بتوں کے نام پر جو جانور ذبح کیا جاتا تھا آپؐ وہ بھی نہیں کھاتے تھے۔

آپ کے احبابِ خاص

نبوت سے پہلے جو لوگ آپؐ کے احبابِ خاص تھے۔ وہ سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند مرتبہ اور عالی منزلت تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت بی بی خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے ضماد بن ثعلبہ۔ جو طبیب اور جراح تھے۔

آفتابِ رسالت کا طلوع

نزولِ وحی سے چند سال پہلے کبھی کبھی آپ کو ایک چمک اور روشنی نظر آتی جس سے آپ خوشی محسوس کرتے۔ رفتہ رفتہ کائناتِ ارضی و سماوی پر غور و فکر اور خلوت نشینی کی طرف میلان بڑھتا گیا۔ آپ اپنے ساتھ کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر شہر سے چند کوس پرے کوہ حرا کے ایک غار میں جا بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بھی شامل تھی۔ اور قدرتِ الٰہیہ پر تدبّر و تفکّر بھی۔ کئی کئی دن وہاں اسی طرح تنِ تنہا تشریف رکھتے۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے اور پھر سامان لے کر واپس جاتے اور بدستور مشغول ہو جاتے یہ گویا ہدایت کی طلب اور حق کی تلاش تھی۔ سورۃ الضحیٰ میں اسی جانب اشارہ ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

ترجمہ:۔ اور (اللہ تعالیٰ نے) آپ کو حق سے لاعلم پایا پس آپکو ہدایت دی۔

نوٹ:۔ بزرگانِ دین نے ذات و صفاتِ الٰہیہ کے مراقبات، چلہ کشی۔ خلوت نشینی کے جو طریقے ایجاد کئے اور ان کی عقیدت میں امت کی اکثریت عوام ہوں کہ خواص اس کی افادیت کی قائل ہے۔ ان غیر مسنون اعمال کے جواز میں آنحضرت کا یہی عمل پیش کیا جاتا ہے۔ اور حیرت ہوتی ہے۔ کہ جو حضرات دین کے مجدّد کہلائے انہوں نے بھی مراقبات اور

خلوت نشینی کے جواز میں اس واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ اور اس بنیاد پر ذکر الٰہی کے مروجہ اشغال و مراقبات کو بدعت میں شمار نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اہلِ علم حضرات، صاحبانِ کشف و کرامت کے احوال سے مرعوب ہوجاتے ہیں تو ان کے تجویز کردہ غیر مسنون اعمال کے جواز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے کوئی ایک واقعہ ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ اور اسی شخصی مرعوبیت کی وجہ سے یہ غور کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ آپ کے واقعہ قبلِ نبوت سے ان غیر مسنون اعمال کو کچھ مناسبت بھی ہے یا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ، خلوت نشینی و ذکر الٰہی و غور و فکر ظاہر ہے کہ تلاشِ حق کے لئے تھا۔ یہ انابتِ الی اللہ اس لئے تھی کہ حق واضح ہوجائے۔ اور ربانی تعلیم و ہدایت سے آگاہی بخشی جائے۔ پس آپ کا وہ عمل نہ سنتِ رسول کی تعریف میں آسکتا ہے اور نہ امت کے لئے اُسوۂ حسنہ ہوسکتا ہے۔ قبلِ نبوت کے اس عمل کو اُسوۂ حسنہ قرار دینا ایک ایسی لغزش ہے، جو ہر قسم کے غیر مسنون اعمال و بدعات کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے۔ جب تک اس غلطی کی اصلاح نہ ہوگی، کتاب و سنت کی روح پرور، مرد آفرین حکمت آموز۔ بصیرت افروز تعلیم سے غفلت ہی رہے گی۔ صاحبانِ کشف و کرامات تو پیدا ہوتے رہیں گے مگر باطل شکن مردانِ مجاہد۔ صاحبانِ عزیمت و جہاد، کبریت احمر کی طرح نایاب ہونگے۔)

اس اثناء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب نظر آنے لگے۔ جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے، دن میں ویسا ہی واقعہ پیش آتا۔ کچھ دنوں یہی سلسلہ جاری رہا۔ جب آپ کی عمر ۴۰ سال کی ہوگئی تو ایک دن بماہِ رمضان بروز دوشنبہ جبرئیل علیہ السلام، روح الامین غارِ حرا میں نمودار ہوئے۔ اور کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں جبرئیل ہوں، آپ فوراً گھر واپس آئے اور لیٹ گئے۔ آپؐ جلالِ الٰہی سے خوف زدہ تھے۔ بیوی سے کہا مجھے چادر اُڑھادو جب جلالِ الٰہی کا اثر ذرا کم ہوا تو بیوی سے واقعہ بیان کیا۔ اور فرمایا کہ مجھ پر خوف کا اتنا غلبہ ہے کہ جان کا اندیشہ ہے بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ نے تسکین دی کہ آپ راستبازہیں۔ اقربا پر شفقت کرتے ہیں۔ بیواؤں یتیموں، بیکسوں کی دستگیری کرتے ہیں۔ مصیبت زدوں کے ہمدرد ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غمگین نہ کرے گا اور مزید اطمینان کے لئے آپ کو ساتھ لے کر اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل تورات و انجیل کے عالم تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ سن کر جھٹ بول اُٹھے کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا اور کاش میں اس وقت زندہ ہوتا۔ جب قوم آپ کو نکال دے گی۔ آپؐ نے تعجب سے پوچھا کیا قوم مجھے نکال دے گی ورقہ نے کہا ہاں اس دنیا میں جب کبھی کوئی نبی آیا اس کی قوم ہی سب سے پہلے اس کی مخالف ہوئی۔

کچھ دنوں کے بعد پھر جبرئیل آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا وہ کلام پڑھایا جو نعمتِ عظمیٰ اور نعمتِ خاصہ ہے۔ اور وہ حقیقتِ کبریٰ ہے۔ جو ساری حقیقتوں کا سرچشمہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے

لکھنا نہیں جانتے تھے۔ جبرئیل نے تین دفعہ آپؐ کو اپنے سے لپٹا لیا اور کہا پڑھیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ❊ شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے اور نہایت رحم والا ہے۔

اقرا باسم ربك الذی خلق ۝ خلق ❊ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا جس نے

الانسان من علق ۝ اقرأ وربك الاکرم ❊ انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ (ہاں) پڑھ اور تیرا پروردگار

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ ❊ بڑا کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ

مَا لَمْ یَعْلَمْ ❊ تمام علم دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔

اپنے ایک محبوب ترین بندے کو، اس بندے کو جس پر نبوت ختم کی جانے والی تھی جس پر دین کامل اور نعمت تمام ہو رہی تھی۔ اس کو سب سے پہلے جس حقیقت سے روشناس کیا گیا اور انسان کی جس اہم بنیادی احتیاج کو بیان کیا گیا وہ علمی احتیاج ہے۔ حق کی پہلی تعلیم عبادتِ الٰہی کی تعلیم نہیں تھی۔ مکارم اخلاق کی تعلیم نہیں تھی حقوقِ انسانی کی تعلیم نہیں تھی۔ آدابِ بندگی کی تعلیم نہیں تھی۔ بلکہ تمام الٰہی تعلیم کا جو بنیادی نکتہ تھا اور اصلِ اصول تھا اس کی تعلیم دی گئی وہ یہ کہ انسان سب سے زیادہ جس خاص نعمتِ الٰہی، جس رحمتِ خاصہ کا محتاج ہے وہ علم کی نعمت ہے۔ ربِّ اعلیٰ وعظیم کا بڑا کرم، اپنے مربوب پر، اپنے محتاج پر یہی ہے کہ اس نے محتاجِ علم کو علم کی روشنی عطا کی۔

پھر علم بھی وہ علم جو سینہ بسینہ نہیں، کانا پھوسی، سرگوشیوں میں نہیں۔ چھو منتروں میں نہیں۔ اسرار و رموز میں نہیں زبانی نہیں، بلکہ وہ علم جو قلم و کتابت سے پھیلتا ہے۔ قلم کے ذریعہ صفحۂ قرطاس پر نمایاں ہوتا ہے۔ جس کو لکھ کر سورج کی روشنی کی طرح تمام دنیا کے سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ اور جسے ہر آدمی جب چاہے سیکھ سکتا ہے۔ جانچ پڑتال کر سکتا ہے یہ وہ علم بھی نہیں جو اشاروں میں ہو۔ عام فہم الفاظ میں نہ ہو۔ سمجھ میں نہ آنے والے فقروں میں ہو، چھپی ڈھکی باتوں میں ہو۔ ایسا علم، علم نہیں۔ علم نما جہل ہے۔ ایسے علم سے دل و دماغ روشن نہیں ہوتے۔ بلکہ قوائے عقلیہ معطل ہو جاتے ہیں۔

علم کی فضیلت و برتری کا ایک اعلان وہ تھا جو فرشتوں کے ادعائے تسبیح و تقدیس کے مقابلہ میں کیا گیا تھا

عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا

ترجمہ:۔ اور آدم کو تمام چیزوں کے اسماء کا علم عطا کیا۔

اور یہ حقیقت واضح کی گئی کہ اصل بزرگی و کمال، تسبیح و تقدیس میں نہیں ہے۔ کائناتِ ارضی و سماوی کی ہر شے مصروفِ تسبیح ہے۔ انسان جس کے تصرف میں کائنات کی ہر شے ہے اس کی اصلی تسبیح حصولِ علمِ حق ہے اسی نعمتِ خاصہ کی بدولت انسان خلافت و نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ بمقابلہ آدم علیہ السلام، فرشتوں کے ادعائے تسبیح و تقدیس کے وقت جو اعلان کیا گیا تھا۔ بنی آدم کے آخری ہادی و رہنما بننے والے کی رہبری کا آغاز بھی اسی اعلان سے کیا گیا۔

آیۂ کریمہ "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ" میں یہ اشارہ تو موجود ہے کہ اشیائے مایحتاج کا علم، رشتے ناتوں کا علم، کھانے پینے، رہنے بسنے۔ پہننے اوڑھنے، سونے جاگنے۔ سامانِ زندگی کو فراہم کرنے اور بنانے کا علم۔ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے سکھایا۔ آدم علیہ السلام کو بلاواسطہ اور اولادِ آدم کو بواسطۂ آدمؑ، مگر جو اصلی نکتہ اس آیت میں بیان ہوا ہے وہ یہ کہ ربِّ کریم جو کریم ہی نہیں ہے بلکہ "اکرم" ہے۔ اس کی ربوبیت اسی پر ختم نہیں ہوجاتی کہ وہ اپنے مربوب کو صرف پرورشِ شکم و آسائشِ جان اور تزئینِ صورت ہی کے علم کی نعمت دے کر بس کردے ایسی ناتمام و ناقص ربوبیت، ربِّ اعلیٰ و عظیم کے شایانِ شان نہیں ہے بلکہ کامل ربوبیت اور اتمامِ رحمت یہ ہے کہ اپنے مربوب و محتاج کو علم کی اس نعمتِ عظمیٰ سے بھی سرفراز کرے جس کے بغیر انسان نہ اپنے خالق و رب کو پہچان سکتا ہے نہ اپنی فطرت اور فطری حیثیت بندگی کو۔ نیز نہ اپنے فرائضِ حیات کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اپنے انجام سے باخبر ہوسکتا ہے۔ اور نہ جس کے بغیر انسان مہذب و شائستہ (صالح) ہوسکتا ہے۔ اس علم سے اگر وہ بہرہ ور نہ ہو تو پھر انسان، جانور سے بدتر ہے۔ "اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا" پس قدیم ہو کہ جدید، جہل و ظلمت کی تاریک دنیا میں علم کی روشنی کا "سراجِ منیر" جس کو بنانا تھا۔ اس کو پہلا سبق یہی پڑھایا گیا۔ اور یہ نکتہ سمجھا دیا گیا کہ نبی امی کے ذریعہ علم و حکمت کی جو روشنی انسانوں کی صلاح و فلاح کے لئے آرہی ہے وہ سینہ بسینہ نہ ہوگی بلکہ کتاب ہوگی یعنی لکھی جائے گی۔ وہ کوئی ایسی بات نہ ہوگی جو صرف زبانوں سے کہہ دی جائے گی۔ بلکہ وہ قرآن ہوگی یعنی پڑھی جاتی رہیگی۔ الفاظ "اِقْرَأْ وَعَلَّمَ بِالْقَلَمِ" میں پڑھنے پڑھانے اور تحریر و کتابت کی ضرورت و اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ سمجھنے والے نے اس اشارے کو سمجھ لیا اور علم کو کتاب کی شکل میں محفوظ کرتا گیا۔ اور پڑھتے رہنے کے لئے نماز بھی بذریعہ جبریئلؑ سکھادی گئی۔ تاکہ "اقرأ" کی مشق جاری رہے۔

عِلمِ حق سے بے بہرہ، جاہل و نادان انسانوں کو جہل و ظلمت کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے، ان کے افکار و اعمال کو نورانی بنانے کے لئے، اپنے بندۂ خاص کو، علم کی طلب میں دنیا کی تمام مصروفیتوں اور دلچسپیوں سے کنارہ کش ہوکر غارِ حرا کے گوشۂ تنہائی میں بیٹھنے والے بندۂ خاص کو، علمِ حق کا یہ بنیادی سبق دیا گیا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"، یعنی استعانت، مانگ دعا، ذلت و فقر کا تعلق افرادِ خلق سے نہیں بلکہ خالق و ربِ عزوجل سے قائم کرنا چاہیئے۔ منصبِ نبوت سے سرفراز ہوکر اور اس علم و آگہی کی روشنی لے کر آپ غارِ حرا سے واپس ہوئے۔ اور سب سے پہلے ان ہی حضرات کو اس رحمتِ خاصّہ سے نوازا آپؐ سے جن کے، خصوصی تعلقات تھے۔ آپؐ کی چہیتی بی بی خدیجۃ الکبریٰ۔ زیرِ پرورش چچازاد بھائی علیؓ جو اگرچہ سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے مگر ایک ہوش مند صاحبزادے تھے۔ مخلص دوست ابوبکر صدیقؓ۔ پروردہ غلام زید بن حارثؓ۔ اس کے بعد بلالؓ۔ عمرو بن عتبہؓ۔ خالد بن سعدؓ۔ نے یہ سعادت حاصل کی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے احبابِ خاص حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن

بن عوفؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس آبِ حیات کے گھونٹ پلائے۔ اور رفتہ رفتہ "سِرَاجٍ مُنِیر" کی روشنی سے ایک ایک چراغ روشن ہوتا گیا۔ جن میں مرد بھی تھے عورتیں بھی۔ اہلِ حق کی یہ مختصر جماعت پہاڑ کی گھاٹی میں جاکر اپنے ربِ اعلیٰ وعظیم کے حضور میں اپنے فقر و بندگی کا اظہار کرتی تھی یعنے نماز پڑھا کرتی تھی۔ ابتداءً علمِ حق کی روشنی چپ چاپ پھیلتی رہی۔ اور علی الاعلان اشاعتِ علم کے لئے حکم کا انتظار تھا۔ کیونکہ اصل کام توحق سے برگشتہ تمام انسانوں کو درِ حق پر جھکانا تھا۔ تین سال کے بعد تبلیغِ عام کا حکم نازل ہوا۔

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ۞ اے کملی والے اٹھو اور (انسانوں کو انجام آخرت سے) ڈراؤ۔

اس وقت مکہ، اطرافِ مکہ اور تمام دنیا میں جہالت و بربریت کا دور دورہ تھا۔ دین کی الٰہی تعلیم بھلادی گئی تھی اور دین کے نام پر ہر قسم کی گمراہی اور بداعمالی رائج تھی۔ تمہید کے باب میں مختصراً افکار و اعمال کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں جن کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ

انسان اپنی فطری حیثیت بندگی رب کو بھول گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو بھی الٰہ قرار دے رکھا تھا۔ مصیبتوں اور پریشانیوں میں مدد کیلئے ان ہی کو پکارتا تھا اور اپنے انجام آخرت سے بےخبر ہوگیا تھا۔ اس حقیقت کو تقریباً تمام انسان فراموش کرچکے تھے کہ "اصلی وابدی زندگی آخرت کی زندگی ہے آخرت ہی کا نفع اصلی نفع ہے اور آخرت کا ضرر ہی اصلی ضرر ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ابدی سوز و تپش کی زندگی "اَلْجَحِیْم" اور اطاعت و فرماں برداری کا انجام ابدی عیش وراحت کی زندگی "اَلْجَنَّۃ" ہے غرض نقصانِ آخرت سے بالکل بے خوف ہوگئے تھے۔"

بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَۃَ (المدثر) ۞ بلکہ انجامِ آخرت سے بے خوف ہوگئے تھے۔

دنیا ہی مقصود و مطلوب تھی۔ اور اُخروی زندگی بالکل نظر انداز کر دی گئی تھی۔

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ۞ بلکہ دنیا سے محبت رکھتے تھے اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے تھے۔

اس بنیادی خرابی کا نتیجہ یہ تھا کہ خون خرابہ، فتنہ و فساد، فحش و بےحیائی۔ ہوا و ہوس کی اتباع ان کی زندگی کے جلی عنوانات تھے۔ (یہ نقشہ قدیم دنیا ہی کا نہیں تھا آج جدید دنیا بھی ان ہی امراضِ قلبی میں مبتلا ہے۔ جدید و قدیم کا فرق بے بصری و کم نظری کی دلیل ہے) الغرض ان تمام خرابیوں کا یہی ایک قدرتی علاج ہے کہ ان خدا فراموش انسانوں کو سمجھایا جائے کہ اللہ جل شانہٗ جو تمہارے اور تمام کائنات کے خالق و رب ہیں۔ وہی تمہارے "اِلٰہٌ وَّاحِدٌ" ہیں یعنی اللہ ہی کارساز و کارفرما ہیں تم اُن کے بندے ہو، ان کے فقیر ہو۔ تم اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا ملجا و ماویٰ اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دو۔ مصیبتوں اور پریشانیوں میں مدد کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو۔ اور یہ کہ تم اپنی صلاح و فلاح میں اللہ تعالیٰ کے علم و ہدایت کے محتاج ہو۔ دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم اللہ جل شانہٗ کی ہدایتوں کے مطابق یہ سفرِ حیات طے کرو۔ یعنی بذوق و شوق اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت اختیار کرو تو پھر تمہارا ابدی ٹھکانا، آخرت کی

خیر وابقیٰ زندگی" الجنّۃ " ہوگا اور اگر اس کے سوا کوئی اور طریقۂ زندگی اختیار کروگے۔ تو یاد رکھو کہ خسرانِ آخرت ابدی ٹھکانا" النّار" یقینی ہے۔

انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنے نقصان ہی کے خوف سے اصلاح کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے خا فطرت کی ہدایت یہی ہے کہ نقصانِ آخرت جو ابدی حقیقی نقصان ہے اس کا خوف دلا کر بندوں کو بندگی رب کی طرف بلایا جائے۔

وانذرھم .... یوم الحسرۃ ❊ اور ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جبکہ ان کے اعمال کا
اذ قضی الامر وھم فی غفلۃ وھم ❊ فیصلہ کیا جائے گا (جس سے) وہ غفلت میں ہیں اور
لایؤمنون ○ ❊ (جس پر) ان کو یقین نہیں۔ (سورۂ مریم)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ عام کے حکم کی تعمیل میں کوہِ صفا پر چڑھ کر قبائل قریش کو جمع کیا ا سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

" مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا ہم نے کبھی کوئی غلط یا بیہودہ بات تمہارے منہ سے نہیں سنی۔ ہم کو یقین ہے کہ تم صادق اور امین ہو۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو۔ پہاڑ کے دونوں جانب میری نظر ہے۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ دشمنوں کی ایک فوج تم پر حملہ کرنے کے لئے آرہی ہے تو کیا تم یقین کر لوگے۔ سب لوگوں نے کہا تم جیسے راست گو آدمی کو جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا۔ تم کو سمجھانے کے لئے یہ ایک مثال تھی۔ اب یقین کرو کہ موت تمہارے سر پر آرہی ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ میں عالمِ آخرت کو بھی اسی طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح تم دنیا کو دیکھ رہے ہو تم کو وہاں کے عذابِ شدید سے ڈراتا ہوں۔"

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ حکم نازل ہوا۔

انذر عشیرتک الاقربین ❊ ڈرا اپنے قرابت داروں کو۔

تو آپؐ نے تمام قریش کو جمع کیا اور ہر ہر قبیلہ کا نام لے کر متنبہ فرمایا۔

یا بنی کعب بن لوئی انقذوا انفسکم من ❊ اے اولاد کعب بچاؤ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے۔ اے
النار۔ یا بنی مرۃ بن کعب انقذوا انفسکم ❊ اولاد مرۃ بچاؤ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے۔ اے
من النار۔ یا بنی ھاشم انقذوا انفسکم ❊ اولادِ ہاشم بچاؤ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے۔
من النار۔ ❊

اسی طرح اپنے چچاؤں، چچیرے بھائیوں اور اپنی پھوپھی صفیہ اور صاحبزادی فاطمۃ الزہرا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ میں تم کو خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

عام طور سے آپؐ کا طریقۂ دعوت یہی تھا کہ آپ جنت کی بشارت سنا کر ایمان لانے کی ترغیب دلاتے اور انکارِ حق کی ابدی جزاء عذابِ نار سے ڈراتے۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ کو اسی طریقۂ دعوت کی تعلیم دی تھی۔

وبشر الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت ان ؛ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو بشارت سنائیے کہ ان کیلئے

لهم جنٰت تجری من تحتها الانهٰر ؛ (آخرت میں) جنت ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

تنذیر کی دو آیتیں پہلے گزر چکی ہیں۔ اسی سورۂ مریم میں ارشاد ہے۔

فانما یسرنٰه بلسانك لتبشر به ؛ پس ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ اس سے

المتقین وتنذر به قوما لدا ٥ ؛ متقیوں کو (جنت) کی خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو لوگوں کو دوزخ سے ڈرائیں

سورۃ الشوریٰ میں ہے:-

وكذلك اوحینا الیك قراٰنا ؛ اور ہم نے اسی طرح آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ نازل

عربیا لتنذر ام القری ومن ؛ کیا تاکہ آپ مکہ کے باشندوں کو اور اس کے اطراف کے

حولها وتنذر یوم الجمع ؛ باشندوں کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن (یوم حساب سے)

لا ریب فیه ٥ ؛ ڈرائیں، جس کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

ان ہدایاتِ ربانی کی تعمیل میں آپؐ نے لوگوں کو بندگیٔ رب کی طرف بلایا۔ آپ لوگوں سے کہتے:-

"من قال لا الٰه الا الله دخل الجنة" جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے تمام معبودوں کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے الٰہ واحد ہونے کا اقرار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قرآن مجید میں جتنی مکی سورتیں ہیں ان میں بیشتر انجامِ آخرت، حیاتِ بعد الموت کا بیان ہے۔ قیامت کا اور اس کے اہم اہم اجزاء کا ذکر ہے روزِ حساب کا ذکر ہے۔ . . . . جنت و نعمائے جنت کی وضاحت۔ دوزخ و عقوباتِ نار کی تفصیل ہے۔ (نبوی تعلیم اسی نمونہ پر ہے۔ جوامت کے مبلغین، مصلحین، مجددین کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ تبلیغ و اصلاح و تجدید کا کام ناقص و ناپسندیدہ رہیگا اگر اس میں بشارت و نذارت کی تفصیل و تکرار نہ ہو۔

اہلِ مکہ جو نسلاً بعد نسلٍ اس پندار میں مست تھے کہ ملائکہ پرستی اور اجنہ پرستی کی شکل میں خدا پرستی کی جو تعلیم ان کے آباء واجداد نے دی ہے وہی تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ دنیا کی خوش حالی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہیں۔ پس مرنے کے بعد بھی خوشحالی ہمیں کو نصیب ہوگی اس لئے وہ قیامت، یوم حساب، یوم جزائے اعمال کے قائل نہیں تھے۔ وہ نہ یہ برداشت کر سکتے تھے کہ دنیا و آخرت کا نفع و ضرر جن افرادِ خلق کے اختیار میں سمجھ رہے

تھے اُن کے نافع و ضار ہونے کا انکار کیا جائے اور نہ یہ برداشت کر سکتے تھے کہ جس عقیدہ و عمل کو وہ قربِ الٰہی و رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ اسی کو قہر و عذابِ الٰہی کا موجب کہا جائے۔ چنانچہ وہ دعوتِ الی اللہ کا پیام "لا الٰہ الا اللہ" سن کر بھڑک اٹھے اور آپ کو مجنوں، مسلوب العقل کہا۔ ساحر کہا۔ شاعر کہا کیونکہ اپنے ہی جیسے ایک بشر کا رسول اللہ ہونا بھی ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔

وقالوا مال هٰذا الرسول یاکل الطعام ❊ اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا پیتا ہے اور
ویمشی فی الاسواق ؕ (الفرقان) ❊ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے رسول کی شان معمولی آدمیوں کی طرح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ رسول اللہ کی شان تو یہ ہونی چاہیئے کہ اُس کی جلو میں فرشتے ہوں، اور اس کی رہائش و خور و نوش کا غیبی سامان اس کے ساتھ ہو۔ چنانچہ کہتے تھے۔

لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ ❊ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر
نذیراً او یلقیٰ الیہ کنز او تکون لہ ❊ ڈراتا یا اس کے پاس غیب سے کوئی خزانہ کیوں نہیں آگیا
جنۃ یاکل منہا (الفرقان) ❊ یا کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا پیتا۔

ان کو حیرت ہوئی کہ ان ہی میں کا ایک آدمی اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔

اکان للناس عجباً ان اوحینا الیٰ رجل ❊ کیا (مکہ کے) لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے ان ہی میں سے
منہم (الی الآیہ) (سورہ یونس) ❊ ایک شخص کے پاس وحی بھیجی۔

اہلِ باطل کی یہی ذہنیت ان کے ایمان لانے میں مانع و مزاحم تھی۔

وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم ❊ اور جب ان کے پاس ہدایت پہنچی تو ایمان لانے کے لئے بجز اس
الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشراً ❊ کے اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کو
رسولاً ۞ (بنی اسرائیل) ❊ رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اس لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی و اولین کام یہی تھا کہ یہ تین حقائق اوّلاً ان کے ذہن نشین کرائیں۔

ایک[1] یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اِلٰہ واحد ہیں۔ ربوبیّت و الوہیّت الٰہیہ میں افرادِ خلق ملائکہ و انبیاء علیہم السلام وغیرہم شریک نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اِلٰہ واحد ماننے کا کیا مطلب ہے؟

دوسرے[2] یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی رسول اللہ ہیں۔ اور آپ کو رسول اللہ ماننے کا کیا مطلب ہے۔

تیسرے[3] یہ کہ انسان کا آخری ٹھکانا عالمِ آخرت ہے۔ جو جزائے اعمال کا عالم ہے۔ اور جزائے اعمال کا

تعلق بالکلیہ انسان کے عقیدہ و عمل سے ہے۔ سعی و محنت سے ہے۔ اگر اس کا عقیدہ و عمل تعلیم ربانی کے مطابق ہوگا تو اس کے لئے آخرت میں نفع ہی نفع ہے یعنی ایک ابدی عیش و راحت کی زندگی "الجنّۃ"۔ ورنہ نقصان اور شدید نقصان، نہایت تکلیف دہ نقصان ہے۔ ایک ابدی سوز و تپش کی زندگی "اَلْجَحِیْم"۔ اس لئے قیامت، یوم حساب اور جزائے اعمال کے ہر دو عالم "اَلْجَنَّۃ" و "اَلنَّار" یقینی ہیں۔

یہ تینوں حقائق بالکل عقل و فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں۔ ان کو ثابت کرنا خالص علمی و فکری کام تھا جس کو آنحضرتؐ کی عقل، فہم، اختیار تمیزی اور صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ اللہ جل شانہٗ نے باطل عقاید کی تردید اور اثباتِ حق کے دلائل نازل فرمائے۔ اور ان ہی دلائل کو بیان کرنا رسالت کے فرائض میں رکھا۔

یَتْلُوا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا ٭ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔

کیونکہ دعوتِ الی اللہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا جہل دور ہو اور وہ علمِ حق سے بہرہ ور ہو چنانچہ قرآنی آیتوں میں علم اللہ ہے۔ جس میں ہدایت کی روشنی ہے۔ بیک وقت اللہ تعالیٰ ہی کے اِلٰہِ واحد ہونے اور یوم حساب قائم اور عالمِ جزا آباد ہونے کے عقلی و فطری دلائل بھی ہیں۔ اور رسالتِ محمدیہ کا مکمل ثبوت بھی، آیات اللہ ہی کو سننے اور ماننے سے خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ اور خوفِ الٰہی سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے

یُزَکِّیْھِمْ

یعنی ان کو گندے عقاید و اعمال سے پاک کرتے ہیں۔

مثلاً سورۂ انعام کا یہ سلسلۂ کلام:-

وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْہُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِھَا قِنْوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِھًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَھُمْ وَخَرَقُوْا لَہٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ۭ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ۚ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ ۚ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۝

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ آسمان سے پانی برسنا پھر اس کے ذریعہ ہر قسم کے نباتات کا اس طرح زمین سے نکلنا کہ پہلے سبز شاخ پیدا ہوتی ہے پھر اس میں دانے نکلتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں میں ان کے خوشے جو بوجھ سے جھک

جاتے ہیں۔ مگر گرتے نہیں۔ اور اسی پانی سے انگور و زیتون اور انار وغیرہ جو باہم صورت و ذائقہ میں ملتے جلتے بھی ہیں اور علیحدہ بھی اور یہ پھل جب درخت میں لگتے ہیں اور پکتے ہیں۔ ان میں تم غور و فکر کرو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہی نے بلا شرکت غیرے تمہارے رزق کا تمہاری پرورش کا یہ اہتمام کیا ہے۔ یہ محض تمہارا جہل ہے جو تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ کا یہ نظامِ حکومت اجنہ کی تجاویز و سفارشات سے چل رہا ہے۔ اور اسی جہل کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ان من گھڑت باتوں سے بہت پاک اور برتر ہیں۔ اپنی کارسازی، کارفرمائی میں اللہ تعالیٰ ملائکہ و اجنہ وغیرہم کی تجاویز و سفارشات کے محتاج نہیں یہ بات ان کی شان سے بعید ہے۔ جنات اور تمام کائناتِ ارضی و سماوی اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ کی مخلوق کو اللہ کی اولاد یا بیوی قرار دینا اور بوقت تخلیق جو سرے سے موجود ہی نہ ہو اس کو تدبیر امر میں شریک سمجھنا کتنی غلط، خلافِ عقل اور بیہودہ بات ہے۔ ہر بات کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ تم سب جاہل ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ جو حقیقت بیان کر رہے ہیں اس کو سمجھو اور مانو۔ کسی فردِ خلق میں یہ قابلیت ہی نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے نظامِ ربوبیت میں دخیل ہو سکے۔ اللہ ہی تمہارے حاجت روا ہیں۔ پس جنات یا اور کوئی مخلوق لائق پرستش نہیں۔ بلکہ اللہ جل شانہ قابلِ پرستش ہیں۔ ان ہی کی ہدایت کی اتباع کرو۔ غور کرو جو سب کا رب ہے وہی مستحق عبادت ہے۔ نہ کہ مخلوق جس کے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ ضرر ہے۔ آسمان و زمین کی تمام مخلوق باذنِ الٰہی تم کو نفع و ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہے نہ کہ نافع و ضار پس تمام مخلوق اللہ ہی کی محتاج و محکوم ہے وہی کارساز ہیں۔ یعنی تم کو رزق، صحت، عافیت، خوش حالی عطا کرنا بالکلیہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ہر حاجت اور ضرورت و مشکل میں ان ہی سے مدد مانگو۔ مدد کے لئے ان ہی کو پکارو۔

اسی طرح سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں :-

لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ ○ وان تجہر بالقول فانہٗ یعلم السرّ واخفیٰ ○ اللہ لا الٰہ الا ہو ط لہ الاسمآء الحسنیٰ ○

اللہ تعالیٰ کے الٰہِ واحد ہونے کی یہ دلیل بالکل مختصر ہونے کے باوجود کتنی قوی اور جامع ہے آغازِ کلام ہی میں یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ کائناتِ ارضی و سماوی میں جو بھی ہے اس میں کتنا ہی کمال ہو، حسن و خوبی ہو، نفع و ضرر کی، منع و عطا کی قوت ہو، مگر ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے محکوم و محتاج اور بلا اذنِ الٰہی کسی کے نفع و ضرر پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نفع پہنچانا چاہیں تو وہ روک نہیں سکتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہی ضرر پہنچانا چاہیں تو وہ اس کو دفع نہیں کر سکتے۔ آسمانوں اور زمین پر بلا شرکتِ غیرے اسی کی حکومت ہے وہ کسی کی رائے و مشورہ کا محتاج نہیں ہے۔ یہاں تک کہ زمین کی تہ در تہ میں جو نمی و تری ہے وہ اسی کے حکم سے ہے۔ تم جو اس کو بلند آواز سے پکارتے ہو تو یہ نہ سمجھو کہ پست آواز کی اس کو خبر نہیں ہوتی۔ اُس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چھپی ڈھکی پوشیدہ سے پوشیدہ

بات کو بھی جانتا ہے ۔ وہ فرماں روا ، دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں کہ بادشاہ کے کارندے کسی بات کی اطلاع بادشاہ کو دیئے بغیر بادشاہ اس سے باخبر نہیں ہوتا اور نہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح وہ دوسروں سے رائے مشورہ لے کر ہی حکم جاری کرتا ہے خبردار ! تم افرادِ خلق میں بعض کمالات و اوصاف کو دیکھ کر ان کو خدائے تعالیٰ کا شریک نہ قرار دو ۔ تمہارا سنوار اور بگاڑ بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ ہر حسن وخوبی اللہ ہی کے لئے ہے ۔ اوصافِ حسنیٰ سے کوئی فردِ خلق متصف نہیں ۔ پس اس کی بندگی کرو ۔ یعنی اپنی صلاح و فلاح چاہتے ہو تو اسی کی ہدایتوں پر چلو ، مدد کے لئے اسی کو پکارو۔ اس کے سوا کوئی اِلٰـہ نہیں ہے ۔

کبھی اہلِ باطل کے مسلمات سے استدلال کر کے ان کو سمجھاتے ہیں ۔

قل من یرزقکم من السمآء والارض امّن یّملك السمع والابصار ومن یخرج الحي من المیت ویخرج المیّت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون ۰ فذٰلکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلٰل فانّٰی تصرفون ۰ (یونس)

ان سے کہیئے کہ تم تو یہ مانتے ہی ہو کہ آسمان و زمین سے اللہ تعالیٰ ہی تمہارے لئے رزق کا انتظام کر رہے ہیں تمہاری شنوائی و بینائی ان ہی کے اختیار میں ہے کہ جب چاہیں چھین لیں ۔ اور یہ بھی مانتے ہو کہ جاندار سے بیجان اور بے جان سے جاندار ، ان ہی کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں ۔ مختصر یہ کہ تم کو یہ اقرار ہے کہ نظامِ کائنات کے مدبر اللہ تعالیٰ ہی ہیں ۔ تو پھر ان مسلمات کے باوجود تم کس دلیل کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی فرماں روائی میں دوسروں کو شریک سمجھتے ہو ۔ اللہ کی شان میں ایسی غلط بات کہنے سے تم ذرا بھی نہیں ڈرتے ۔ پس حقیقت یہی ہے کہ تمہاری حاجت روائی کا یہ جو نظام ہے اللہ ہی تنہا اس کو قائم کئے ہوئے ہیں ۔ افرادِ خلق بظاہر تم کو کتنے ہی صاحبِ اختیار معلوم ہوں ۔ مگر حقیقتاً وہ مالک و مختار نہیں ہیں ۔ بلکہ اللہ ہی کے محکوم و مملوک ہیں ۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی میں شریک و دخیل سمجھنا نری گمراہی ہے ۔ پس تم کدھر لئے جا رہے ہو ۔ ایک حقیقت جو بالکل ظاہر و واضح ہے اس کے خلاف بے حقیقت باتوں کو حقیقت سمجھ رہے ہو یہ محض ظن ہے بے اصل خیالات ہیں ۔ اسی طرح سورۃ المؤمنون کے پانچویں رکوع میں مشرکین کے مسلّمات سے استدلال کرتے ہوئے اثباتِ حق کرتے ہیں ۔

ما اتخذ اللہ من ولدٍ اللہ نے مشورے و مدد کے لئے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ۔ وما کان معہٗ من الٰـہٍ اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور صاحبِ اختیار ہے ۔ اذاً لذھب کل الٰـہٍ بما خلق ولعلا بعضھم علٰی بعضٍ تم خود ہی غور کرو اگر ایسا ہوتا تو یہ نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا ۔ نظمِ عالم میں جو یکتائیت ہے ، انسانوں کے حیات و موت ، رزق کا جو ایک ہی قانون ساری دنیا میں جاری و ساری ہے وہ اس بات کی ایک واضح نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِلٰـہِ واحد ہیں ۔ اور وہی قابلِ عبادت ہیں سبحان اللہِ

عمّا یصفون ۰ ان باتوں سے اللہ سبحان ہیں۔ جن کو جاہل انسان اللہ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ عالم الغیب و الشہادۃ فتعٰلی عما یشرکون ۰ ہر بات جو ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ تمہارے ظاہری و باطنی احوال سے باخبر ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی خبر رساں کی ضرورت نہیں۔ کسی اور فرد خلق کو عالم غیب سمجھنا شرک ہے۔ پس شرک جیسی بے حقیقت باتوں سے اللہ تعالیٰ بہت برتر ہے۔ اس سلسلے میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ موت کے بعد انسانوں کو کن کن مراحل سے گذرنا ہوگا تہدید آمیز لہجہ سے منکرانِ آخرت کو مخاطب کرتے ہیں۔

افحسبتم انما خلقنکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون ۰ ہاں تو کیا تم اس خیال میں ہو کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے۔ اور تم پرسشِ اعمال و جزائے اعمال کے لئے ہماری عدالت میں حاضر نہیں کئے جاؤ گے۔ یہ تمہارا محض گمان ہے۔ فتعٰلے اللّٰہ الملک الحق ط اللہ اعلیٰ و عظیم کی بادشاہت حقیقی ہے لازوال ہے۔ تم مرکر بھی اس کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتے۔ سن لو کہ مرنے کے بعد ہی جزائے اعمال کا عالم شروع ہو جاتا ہے۔ وہاں حق و باطل کی نزاع کا فیصلہ یقینی ہے۔ لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم ۰ جس کی فرمانروائی کو زوال نہیں۔ جو تمہارے مرنے کے بعد بھی تخت حکومت پر اسی طرح جلوہ افروز رہیگا جس طرح آج ہے پس وہی مستحقِ عبادت ہے مدد کے لئے اسی کو پکارو۔ اور اسی کے در پر سر افگندہ رہو۔ تم اسی کے بندے ہو اس کی حکومت، تمہاری موت کے بعد ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ موت کے بعد کی زندگی میں اس کی عبادت کرنے نہ کرنے کی جزا دینا اللہ تعالیٰ کا اٹل نظام ہے وہ عالمِ جزا، تمہارے سفرِ حیات کی آخری منزل ہے۔ "ومن یدع مع اللہ الٰھاً اخر لا برھان لہ بہٖ" یہ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مدد کے لئے پکارے جس کے جواز پر اس کے پاس کوئی علمی دلیل بھی نہ ہو تو یاد رہے کہ موت کے بعد کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے شخص پر دار و گیر ہوگی "اِنّہٗ لا یفلح الکٰفرون ۰" جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ابد الآباد تک ایک ایسے منکرِ حقیقت کو فلاح نصیب نہ ہوگی۔ اس ابدی زندگی میں وہ بالکل نامراد ہوگا۔

بالعموم ایک دستور ہے کہ اگر کوئی بات اہم ہو اور مخاطب کو منوانا ہو تو وہ بات قسم کھا کر بیان کی جاتی ہے اس لحاظ سے حق تعالیٰ بھی رسالتِ محمدیہ اور قرآن مجید کی حقانیّت ثابت کرنے اور منکرین کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں۔

"واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس"۔ قسم رات کی جب اس کی تاریکی بڑھتی جاتی ہے اور قسم ہے صبح کی جب وہ نمودار ہوتی ہے۔ "انہٗ لقول رسولٍ کریم"۔ محمدؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور حیات بعد الموت کے متعلق جو علم وہ پیش کر رہے ہیں۔ وہ ان کی من گھڑت باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ایک معزز فرشتے جبرئیل کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔" ذی قوۃ عند ذی العرش مکین ۰" فرشتہ

جبرئیلؑ اللہ کے پاس ذی مرتبہ ہیں۔ نظامِ کائنات کا ایک بڑا اہم کام ان کے سپرد ہے ان کو بڑی بڑی قوتیں بھی عطا کی گئی ہیں۔ ان کے تحت بہت سے فرشتے کام کرتے ہیں وہ بندوں تک اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچاتے ہیں۔ وہ بڑے امانت دار بھی ہیں۔ جبرئیل نے یہ کلامِ حق نہایت امانت داری کے ساتھ پہنچایا ہے۔ "وما صاحبکم بمجنون" یہ تمہارے ساتھ رہنے والے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجنونانہ باتیں نہیں ہیں۔ "لقد راٰہ بالافق المبین" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جو بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل کو آسمان پر دیکھا اور جبرئیل ان کے پاس آئے۔ اللہ کا کلام ان کو پڑھایا۔ علمِ حق سکھایا یہ بالکل صحیح ہے۔ "وماھو علی الغیب بضنین" اور یہ بھی نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جن امورِ غیبیہ کو بیان کر رہے ہیں اس پر کوئی معاوضہ واجر چاہتے ہیں۔ "وماھو بقول شیطٰن الرجیم" اور نہ یہ شیطان مردود کا کلام ہے۔ "ان ھو الا ذکر للعٰلمین" یہ نصیحت آمیز کلام تمام بندوں کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کیا ہے۔" اسی طرح ہر موقع ومحل کے لحاظ سے دلائل قرآنی آپ پر نازل ہوتے رہے جو عقل وفطرت کے بالکل مطابق ہیں۔ اور جس میں عالمِ شہادت پہ استدلال کر کے امورِ غیبیہ کی حقانیت واضح کی گئی ہے اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ ہدایتِ ربانی "یتلوا علیکم اٰیٰتنا" لوگوں کو سناتے اور سمجھاتے اسی سے آپ کا نبیِ برحق ہونا بھی ثابت ہوجاتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کا الٰہِ واحد ہونا بھی اور یوم حساب وعالمِ جزاء کا حق ہونا بھی)۔ پھر مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ آپ اُمّی تھے۔ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ مگر علم وحکمت کا دریا تھا کہ دہنِ مبارک سے اُبل رہا تھا۔ اور کلام کا اندازِ خطاب بتا رہا ہے کہ ربِّ اعلیٰ وعظیم اپنے بندوں سے مخاطب ہیں۔ جس میں فطرتِ انسانی کی ترجمانی ہے، رہبری ہے، اور ایسی دلکشی واثر آفرینی ہے فصاحت وبلاغت ہے جو انسانی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ جس میں بندوں کو بندگی، انسان کو انسانیت سکھائی گئی ہے۔ بادنیٰ تامّل دل اس بات کو قبول کرلیتا ہے۔ کہ آپ کی زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے وہ لفظاً لفظاً اللہ ہی کا کلام ہے اور آپ یقیناً رسول اللہ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) چنانچہ کئی ایک حضرات نے آیاتِ قرآنی کو سن کر ہی بے اختیار دعوتِ حق قبول کرلی۔ آئندہ اپنے اپنے مقام پر دوچار ایسے واقعے ناظرین کے ملاحظہ میں آئیں گے۔ علاوہ ازیں لوگ آپ سے مختلف سوالات کرتے اور آپ کو اشاعتِ حق کے کام سے روکنے کے لئے مال ودولت کی ترغیب وتحریص دیتے تو اس کے جواب میں آپ پر فوراً وحی نازل ہوتی اور آپ وہی جواباً سنا دیتے۔ آئندہ سطور میں موقع ومحل پر ایسے واقعات بھی بیان کئے جائیں گے۔

الحاصل نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عام طور پر سب کو سمجھانا شروع کیا۔ ہر گلی کوچے میں ہر میلے میں پہنچ جاتے اور لوگوں کو بندگیِ حق کی طرف بلاتے۔ اِدھر قریش نے بھی مخالفت پر کمر باندھلی اور یہ تصفیہ کر لیا کہ حق کی اشاعت نہ ہونے دیں گے۔ ایک تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ اسلام قبول کرنے والوں کو سخت اذیت دی جائے

تاکہ وہ دینِ حق سے پھر جائیں اور دوسروں کو اسلام لانے کی جرأت نہ ہو۔ زیادہ تر ان مظالم کا شکار وہی حضرات ہوئے جو دوسروں کے زیرِ اثر تھے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حبشی تھے۔ سردارِ قریش امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب امیہ کو معلوم ہو کہ بلال مسلمان ہو گئے ہیں تو گوناگوں تکلیفیں ان کو دی گئیں۔ گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ مکے کی پہاڑیوں میں انہیں لئے پھرتے۔ گرم ریت پر انہیں لٹایا جاتا۔ اور گرم گرم وزنی پتھر اُن کے سینے پر رکھ دیا جاتا مشکیں باندھ کر لکڑی سے پیٹا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ مگر حق کا یہ شیدائی ہر تکلیف پر "اَحَد، اَحَد" ہی کہتا یعنی اللہ ہی اِلٰہ واحد ہیں۔ بالآخر سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

۲۔ عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سُمیہؓ مشرف با سلام ہوئے تو ابوجہل نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مار کھاتے ہوئے دیکھا۔ تو تلقین فرمائی۔ اصبروا یا آلِ یاسر فان موعدکم الجنۃ (اے آلِ یاسر صبر کرو تمہارا مقام جنت ہے) ایک دن تو ابوجہل نے بی بی سُمیہؓ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ راہِ حق میں یہ پہلا خون تھا۔ اسی خون سے اسلام کی کھیتی سرسبز و شاداب ہوئی۔

۳۔ ابوفکیہ جن کا نام افلحؓ تھا ان کے پاؤں کو رسی سے باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا۔

۴۔ خباب بن ارتؓ کے سر کے بال کھینچے جاتے، گردن مروڑی جاتی۔ انگاروں پر لٹایا جاتا۔

۵۔ لبینہؓ۔ زنیرہؓ۔ نہدیہؓ۔ اُمِ عبیسؓ جو باندیاں تھیں ان کے سنگ دل آقا ان کو سخت وحشیانہ سزائیں دیتے۔

۶۔ مصعب بن عمیرؓ کی والدہ نے ان کو اسلام لانے کے جرم میں گھر سے نکال دیا۔

۷۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ جو معزز لوگوں میں سے تھے۔ ان کے چچا ان کو زد و کوب کرتے۔ رسی سے باندھ کر ناک میں دھواں دیتے۔

۸۔ حضرت عمرؓ نے اسلام لانے سے پیشتر اپنی باندی اور اپنے بہنوئی و بہن کو مارا پیٹا۔

۹۔ بعض صحابہ کو چمڑوں میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ اور بعض کو زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھروں پر لٹا دیتے۔ غرض مؤمنین کو ذلیل کرنے اور اذیت پہنچانے میں مشرکین نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

مگر یہ تمام بے رحمیاں، سفاکیاں، حق کے پرستاروں کو راہِ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ اِدھر سختیوں پر سختیاں کی جا رہی تھیں اور اُدھر ایمان قوی سے قوی تر ہو رہا تھا۔ قریش سمجھتے تھے کہ ان تکلیفوں کو دیکھ کر دوسرے لوگ اسلام کی طرف رُخ بھی نہیں کریں گے مگر فضلِ الٰہی دیکھئے کہ اہلِ ایمان کا صبر و تحمل دیکھ کر ہی دوسرے لوگ اسلام کی حقانیت کے قائل ہوتے جا رہے تھے۔ علاوہ ازیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی طرح طرح کی اذیتیں دی

تھے راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے۔ نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے۔ بدزبانیاں کرتے۔ ایک دفعہ جبکہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لیکن آپ بہ توفیقِ الٰہی نہایت تحمل و بردباری کے ساتھ تمام سختیاں برداشت کرتے اور اپنے کام میں مشغول رہتے۔

ایک مرتبہ تمام رؤسائے قریش وفد کی شکل میں آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ اُن کو بُرا کہتا ہے۔ ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ اور بے سمجھ کہتا ہے۔ اور ہم کو احمق ٹھیراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ تاکہ ہمارے آپس میں ایک فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ قریش برداشت نہیں کر سکتے۔ اور میں تنہا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا کہ جانِ عم میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں! آپؐ نے دیکھا کہ چچا کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہو گئی (گو بظاہر یہی آپ کے پشت پناہ تھے مگر اصل پشت پناہی تو ربِّ اعلیٰ و عظیم کی پشت پناہی تھی۔) آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:- "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند دے دیں تب بھی میں اس فرض کو ترک نہ کروں گا یا میرا خدا اس کام کو پورا کریگا یا میں راہِ حق میں جان دے دوں گا۔ آپؐ کے اس عزمِ مستحکم نے چچا کو متاثر کر دیا۔ کہنے لگے جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔" جب یہ دھمکی بھی کارگر نہ ہوئی تو ایک اور تدبیر سوچی گئی کہ "محمدؐ جو کچھ سناتے ہیں اس میں ایک حلاوت اور دلکشی ضرور ہے۔ اس لئے اب یہ چرچا کرنا چاہیئے کہ محمدؐ لوگوں کو ایسا کلام سُناتے ہیں جس سے باپ بیٹے، بھائی بہن، شوہر و زن میں جدائی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کی باتیں نہ سنو اور ان کے پاس نہ جاؤ"۔ اور یہ بھی طے پایا کہ مخالفانہ سرگرمیوں اور ایذا رسانیوں کو اور زیادہ تیز کر دینا چاہیئے۔

پہلی ہجرت حبشہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کو عبادت کرنے میں زیادہ دشواریاں پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔ تو آپؐ نے بحکمِ الٰہی جان و ایمان کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو ملک حبش چلے جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ (۱۲) مرد اور (۴) مستورات کا ایک چھوٹا سا قافلہ رات کی تاریکی میں جانبِ حبش روانہ ہو گیا۔ اس مختصر قافلے کے سردار حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ ان کی بی بی رقیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی بھی شوہر کے ہمراہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لُوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا قافلہ ہے جس نے راہِ حق میں ترک وطن کیا۔ چند ہی روز کے بعد دوسری جماعت

جس میں (۸۳) مرد اور (۱۸) عورتیں تھیں۔ حبشہ روانہ ہوگئی۔ اس جماعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار بھی تھے۔ قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سمندر تک تعاقب کیا۔ یہ جماعت کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوچکی تھی۔ قریش بھی تعاقب میں حبشہ پہنچے۔ وہاں کا بادشاہ عیسائی تھا۔ قریش تحائف لے کر اُس کے دربار میں گئے۔ اور کہا کہ کچھ لوگ ہمارے ملک سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ ان کو ہمارے سپرد کردیا جائے مسلمان دربار میں بلائے گئے۔ بادشاہ نے حقیقتِ حال پوچھی۔ حضرت جعفر طیار نے جواباً تقریر کی۔

اے بادشاہ ہم پر جہالت کا دور دورہ تھا۔ ہم بتوں کو پوجتے تھے۔ گندگیوں میں مبتلا تھے۔ بیہودہ کام کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے حقوق پامال کرتے تھے۔ کوئی قاعدہ تھا نہ قانون۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک شخص کو مبعوث کیا۔ جس کے حسبِ نسب، سچائی و دیانتداری اور پاکیزگئ اخلاق سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہم کو کلام الٰہی سنا کر بندگئ رب کی تعلیم دی۔ اور سمجھایا کہ خدائے تعالیٰ کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے۔ وہی عبادت کے قابل ہے مصیبتوں حاجتوں میں مدد کے لئے اسی کو پکارو۔ سچ بولو۔ وعدہ پورا کرو۔ نماز پڑھو، صدقہ دو۔ ہم نے یہ تعلیم الٰہی قبول کرلی۔ ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی اور ہم کو ستایا تاکہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنا چھوڑ دیں۔ اور پھر طریقۂ آبائی اختیار کرلیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائیں اور بالآخر تمہارے ملک میں آئے ہیں کہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکیں۔ بادشاہ نے یہ تقریر سن کر کہا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ بادشاہ چونکہ عیسائی تھا۔ اس لئے حضرت جعفر طیارؓ نے اس کو سورۂ مریم سنائی۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کی عبدیت و رسالت کا بیان تھا۔ جو عیسائیوں کے باطل عقائد کی تردید تھی۔ نیز اس سورہ میں حشر و پل صراط اور جزائے اعمال اور جنت و دوزخ کا بیان ہے۔ اُسے سن کر بادشاہ کے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور اس نے کہا کہ محمدؐ تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) نے دی تھی۔ اور کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا۔ پھر کفارِ قریش کو دربار سے نکلوادیا۔

(نوٹ:- اس واقعہ میں غور کیجئے کہ جب قرآن سنتے ہی بادشاہ کو اس کے کلام اللہ ہونے کا یقین آگیا تو اس نے معاً رسالتِ محمدیہ کی تصدیق کردی۔ جس سے ثابت ہوا کہ کلام اللہ ہی آپؐ کے نبی اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے)

چند سال کے بعد حبش میں یہ غلط خبر پھیل گئی کہ تمام قریش مسلمان ہوگئے۔ اس بناء پر اکثر صحابہؓ اور سیدنا عثمانؓ مکہ واپس آئے۔ یہاں آکر جب معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے تو بعض صحابہ پھر ملک حبش واپس چلے گئے۔ مگر سیدنا عثمانؓ اور چند صحابہ واپس نہیں ہوئے۔

جب اہلِ مکّہ نے دیکھا کہ اس تدبیر سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا تو انہوں نے طے کیا کہ آؤ محمدؐ کو لالچ دیکر دیکھیں شاید مان جائے یہ مشورہ کرکے مکّہ کا مشہور سردار عتبہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور کہا:-

"میرے بھتیجے محمدؐ! اگر تم اس طرح مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود اتنی دولت تمہارے پاس جمع کر دیتے ہیں کہ تم مالا مال ہو جاؤ۔ اگر تم کو اقتدار اور عزت کی طلب ہے تو ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو عرب کا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کو حاضر ہیں۔ بشرطیکہ تم اپنا طریقہ چھوڑ دو اور اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو ہم تمہارا علاج کرائیں گے۔" آپ نے جواب دیا۔ "مجھے نہ دولت چاہیئے نہ حکومت نہ میری عقل میں فتور ہے" پھر حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی آیتیں تنزیل من الرحمن الرحیم سے تجعلون لہ اندادًا تک سنائیں جن کا مطلب یہ ہے کہ "یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں فتورِ عقل کی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ الرحمٰن الرحیم کا کلام ہے طالبانِ علم و ہدایت کے لئے بالکل عام فہم ہے۔ اس میں بلحاظ انجامِ حیات وعدۂ جنّت، مغفرت بھی ہے اور وعیدِ نار بھی۔ اس تعلیم کو جو برحق ہے بخوشی قبول کرنے کے بجائے اس سے اعراض و پہلوتہی کر رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ہرگز نہ مانیں گے آپ کہئے کہ میری عقل میں فتور نہیں ہے۔ میں تمہاری طرح ایک صاحبِ عقل و ہوش انسان ہوں اور میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تعلیم نازل ہوئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ حاجتوں مصیبتوں میں ثابت قدمی کے ساتھ مخالفتوں سے بے خوف ہو کر اسی کو پکارو۔ اور اسی سے مدد مانگو۔ اور یہ خیال ترک کر دو کہ کسی کی سعی و سفارش سے تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ بلکہ اسی سے مغفرت کی درخواست کرتے رہو۔ دنیا و آخرت کی خرابی ہے اُن مشرکین کے لئے جو اللہ کی راہ میں صدقہ نہیں دیتے اور حیاتِ بعد الموت کے منکر ہیں۔ سن لو کہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے نہ ختم ہونے والا بہترین بدل ہے۔ غور تو کرو تم خالقِ کائنات کے اِلٰہِ واحد ہونے کا انکار کرتے ہو۔ اور اس کی مخلوق (اجنہ و ملائکہ) کو اس کا شریک قرار دیتے ہو یہ کتنا باطل خیال ہے۔" اس دلنشین کلام سے عتبہ پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا۔ وہ سر جھکا کر سنتا رہا۔ اور چپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا۔ اور رؤسائے قریش سے کہا کہ محمدؐ جو کہتے ہیں وہ نہ شاعری ہے نہ منتر ہے کوئی اور ہی چیز ہے۔ تم محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ عرب پر غالب آجائیں تو اس میں تمہاری ہی عزت ہے۔ ورنہ وہ خود ختم ہو جائیں گے۔

کبھی اپنے شکوک و شبہات و قصورِ فہم کی بنا پر طرح طرح کے سوالات کرتے۔ ایک دفعہ کہنے لگے بشر کو رسول بنانے کے بجائے فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔ اس کے جواب میں وحی نازل ہوئی کہ:-

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا

مطلب یہ ہے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ انسان ہی کو دیکھ کر انسانیت سیکھتا ہے۔ اگر ہم انسانوں کی ہدایت کے لئے فرشتہ کو بھیجتے تو اس کو بھی انسان ہی بنا کر بھیجتے۔

وہی سوال دوسرے الفاظ میں کیا گیا کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا (ملائکہ کو کیوں نہ بنایا)۔

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا

اس کے جواب میں یہ وحی نازل ہوئی کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا ۔

قل لوکان فی الارض ملئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا

مطلب وہی ہے کہ انسانوں کی ھدایت کے لئے انسان ہی کو رسول و ہادی بنانا فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے بندوں کو بندگیٔ رب کے طور وطریق سکھانے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ ہی نمونتًا ان کے سامنے ہو ان کا ہادی ہو ۔

کبھی بڑے تعجب سے آکر پوچھتے کہ کیا واقعی قیامت وروزِ جزاء حق ہے ۔

ویستنبؤنک أحق ھوہ

یقین آفرین الفاظ میں آپؐ سے اس کا جواب دلوایا گیا کہ کہیئے ہاں ہاں قسم ہے میرے رب کی وہ امر واقعی ہے۔ تم خدا کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتے ۔

قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین

کبھی رؤسائے قریش فرمائش کرتے کہ آپؐ کی مجلس میں بعض کم حیثیت ، غریب لوگ بیٹھا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم آپؐ کے پاس آکر آپ کی باتیں نہیں سن سکتے ۔ کیونکہ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری کسرِ شان ہے ۔ لہٰذا جب ہم آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ ان غریبوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا کیجئے تو ہم شوق سے آپ کی خدمت میں آیا کریں ۔" یہ بھی دراصل ان کی ایک چال تھی ۔ وہ یہ کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی فرمائش پوری کر دیتے تو پھر یہ لوگ اہلِ ایمان کو طعنہ دیتے کہ دیکھو ایمان لا کر بھی تم محمدؐ کی نظروں میں ہم سے کمتر ہی رہے تاکہ اہلِ ایمان آپ سے بدظن ہو جائیں ۔ اور دین سے پھر جائیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تمنا تھی کہ اگر رؤسائے قریش ایمان لے آئیں تو ان کے زیرِ اثر جو لوگ ہیں وہ جلد اسلام قبول کر لیں گے ۔ اس بناء پر رؤسائے قریش کی فرمائش پوری کرنے کا خیال دل میں آیا ہی تھا کہ وحی نازل ہوئی ۔

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ ❊ ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) نہ نکالیئے جو محض اللہ کی خوشنودی کیلئے

والعشی یریدون وجھہ ❊ صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں ۔

کبھی قسم کھا کھا کر کہتے کہ اگر کوئی معجزہ آپ سے ظاہر ہو تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے ۔

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن ❊ اور ان منکر لوگوں نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم

جاءتھم ایۃ لیؤمنن بھا (الانعام) ❊ کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی نشانی آجائے تو ہم ضرور

❊ ایمان لے آئیں گے ۔

اس کے جواب میں بھی وحی نازل ہوئی ۔

قل انما الآیٰت عند اللہ وما یشعرکم ۔ کہیئے سب نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں اور تم کو کیا خبر (کہ ہم
انہا اذا جاءت لا یؤمنون ۰ ۔ جانتے ہیں کہ) وہ نشانی آنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

مطلب یہ کہ معجزہ کا ظہور تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو ایک نہیں کئی معجزات ظاہر ہو سکتے ہیں مگر جو لوگ اثباتِ حق کے عقلی و فطری دلائل پر غور کرنا ہی نہیں چاہتے اور حق کو قبول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے سامنے ایک نہیں کئی معجزے بھی ظاہر کر دیئے جائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے ورنہ اگر وہ ذرا عقل سے کام لیتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ علم و حکمت کی الٰہی تعلیم جو آپ ان کو دے رہے ہیں۔ وہ خود ایک معجزہ ہے۔ اور اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ علیم و حکیم کے رسول ہیں۔

کبھی کہتے کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں کوئی چشمہ نہ جاری کر دیں۔ یا کم از کم خاص آپؐ کے لئے کوئی کھجور یا انگور کا باغ ہو جس کے نیچے بہت سی نہریں آپ جاری کر دیں یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دیں یا ہم کو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو دکھا دیجئے یا آپؐ کے پاس کوئی سونے کا گھر بن جائے یا آپ آسمان پر ہمارے سامنے چڑھ جائیے۔ اور نہ صرف آسمان پر چڑھ جائیے۔ بلکہ وہاں سے کوئی ایسی تحریر بھی لائیے۔ جس کو ہم پڑھ سکیں"۔ ان باتوں کے جواب میں ارشاد ہوا:۔

قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل)

یعنی جواب دے دیجئے کہ سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں اور رسول ہوں۔ کمالات دکھلانے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ تم جاہلوں کو بندگی اور انسانیت سکھانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ تم نادانوں کو علم و حکمت کی تعلیم دینے کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں جو تعلیم دے رہا ہوں اس کو سمجھو اور ایمان لاؤ اور یہ کہ ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ گمراہی سے نکلنے اور ہدایت پر گامزن ہونے کے لئے ایسی فرمائشات سے باز آؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرو۔ تو ہدایت پاؤ گے۔ ورنہ انکارِ حق کا ابدی انجام جہنم ہے۔ مرنے کے بعد اس سے دوچار ہونا خدائے تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے۔

حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ردّ و انکار پر بھی قوم کو سمجھاتے رہے۔ اسی طرح مہینے اور سال گزرتے رہے۔ تا آنکہ چھٹے برس یہ واقعہ پیش آیا۔ کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے آپؐ کو بہت برا بھلا کہا اور بالآخر جوشِ جہالت میں پتھر آپؐ کے سر پر دے مارا جس سے خون بہنے لگا۔ آپؐ کے ایک چچا حضرت حمزہؓ کو جب اس واقعہ کی خبر ملی۔ (ابھی تک حمزہؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو وہ قرابتِ قریبہ کے جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے۔ اور اس کے سر

پر اس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہوگیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہاں سے حضرت حمزہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا۔ "بھتیجے تم یہ سن کر خوش ہوگے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔ آپ نے فرمایا چچا مجھے خوشی تو اس وقت ہوگی جب تم مسلمان ہوجاؤ۔ حضرت حمزہؓ اسی وقت مسلمان ہوگئے

سیدنا عمرؓ کا اسلام لانا

سیدنا حمزہؓ کے اسلام لانے کے دو تین روز بعد سیدنا عمرؓ اپنی بہادری کے بھروسے پہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ بدن پر سب ہتھیار سجا رکھے تھے۔ راستے میں ان کو پتہ چلا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہوگئے ہیں یہ سن کر ان کے گھر گئے۔ اور ان دونوں کو اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہوگئے۔ مگر یہی کہتے رہے کہ تم چاہو تو مار ڈالو ہم اب اسلام نہیں چھوڑ سکتے۔ ان دونوں کی حالت اور استقامت دیکھ کر سیدنا عمرؓ کے دل میں ذرا رقت پیدا ہوئی۔ اور کہا کہ قرآن، میں بھی تو سنوں۔ بہن نے سورۂ طٰہٰ کا پہلا رکوع سنایا۔ ان آیتوں کا سننا تھا کہ طبیعت میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ دل نے پکارا کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہوسکتا یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور محمدؐ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ جہل کی تاریکی دور ہوئی۔ اور دل و دماغ نور ایمان سے منور ہوگئے۔ جس کے قاتل بننے کے لئے گھر سے نکلے اب یہاں سے اسی کے جاں نثار بن کر نکلے۔ آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے اور حق کے پرستاروں میں شامل ہوگئے۔ سیدنا عمرؓ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ علانیہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھی۔ دیگر مسلمان بھی جو چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے وہ بھی اب کعبہ میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ مخالفین اس واقعہ سے اور بھی زیادہ جلے اور اپنی سفاکیوں اور شرارتوں کو زیادہ تیز کر دیا

معاشی انقطاع

جب کفار نے دیکھا کہ ہر قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں اور مال و دولت کی ترغیب کے باوجود محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغی جدوجہد میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور جو لوگ مسلمان ہو رہے ہیں وہ بھی جہاں جاتے ہیں، جس سے ملتے ہیں اس کو اسلام کی دعوت دیتے جاتے ہیں۔ تو بماہِ محرم انہوں نے یہ طے کیا کہ بنی ہاشم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہے اس سے تمام تعلقات منقطع کر لئے جائیں اور ان سے کوئی خرید و فروخت نہ کرے۔ چنانچہ اس بات کا ایک معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا قبیلہ ایک گھاٹی "شعب ابوطالب" میں محبوس ہوگئے قریش وہاں کسی کو کسی قسم کی بھی کوئی چیز نہیں لیجانے دیتے تھے اور اطراف پہرے مقرر کر دیئے تھے بہ توفیقِ الٰہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سختیوں کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کرتے رہے حج کے دنوں میں اس گھاٹی سے باہر تشریف لاتے اور لوگوں کو حق و صداقت کا پیغام سنایا کرتے۔ یہ معاشی مقاطعہ تقریباً تین سال تک جاری رہا آخر کار اس طرح رہائی کا سامان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے دلوں میں ہمدردی پیدا کر دی۔ بنی ہاشم کے ایک رشتہ دار ہشام عامری

نے سیدنا زبیرؓ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے تھے۔ ان کے پاس جاکر کہا کیوں زبیرؓ تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں ابوطالب اور ان کے خاندان کو ایک دانہ بھی نصیب نہ ہو۔ سیدنا زبیرؓ نے کہا کہ اگر کوئی میرا ساتھ دے تو میں یہ ظالمانہ معاہدہ پھاڑ کر پھینک دوں ہشام نے کہا میں ساتھ دیتا ہوں دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ دو اور ساتھی ابوالبختری اسدی اور زمعہ بن الاسود بھی مل گئے اور اس کا وعدہ کیا دوسرے دن یہ سب مل کر حرم کعبہ میں گئے سیدنا زبیرؓ نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے کہ ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنی ہاشم آب و دانہ کو ترسیں۔ خدا کی قسم یہ ظالمانہ معاہدہ جب تک چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔ ابوجہل برابر سے بولا۔ کوئی اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ بن الاسود نے کہا تو بکتا ہے۔ ہم شروع میں بھی اس معاہدہ پر راضی نہ تھے بغرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی۔ اور یہ تمام لوگ جاکر بنی ہاشم کو گھاٹی سے نکال لائے۔ یوں بھی دستاویز بالکل کرم خوردہ ہو گئی تھی۔ اور مخالفین نے اطراف سے پہرے بھی اٹھا لئے تھے۔ یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔

ابوطالب اور بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کا انتقال

اسی سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ اور بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ نے بھی وفات پائی آپؓ کی یہ بی بی سب سے پہلے اسلام لائی تھیں اور اپنا زر و مال بخوشی راہِ خدا میں خرچ کر دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ مگر تبلیغی و اصلاحی جد و جہد میں کوئی فرق نہ آیا آپ برابر اپنے فریضۂ نبوت کی ادائی میں منہمک رہے۔ اور حسبِ ایمائے الٰہی

جاھدھم بہ جھاداً کبیراً

جہالت کی تاریک دنیا میں علمِ حق کی روشنی پھیلانے کا کام وسیع پیمانے پر شروع کر دیا۔
چنانچہ آپؐ مکہ سے باہر نکلے۔ اور مکہ کے اطراف کی آبادیوں میں علمِ حق کی شعاعیں پھیلانے لگے۔ مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے آباد تھے اُن کو حق و صداقت کا پیغام سناتے ہوئے پاپیادہ طائف پہنچے۔
طائف عرب کا ایک زرخیز قطعہ تھا۔ یہاں کے باشندوں کو دنیاوی خوشحالی حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے ان میں غرور بہت تھا۔ یہاں عرب کا جو قبیلہ آباد تھا۔ اس کے تین سردار تھے۔ (۱) عبدیالیل (۲) مسعود اور (۳) حبیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ان ہی سے ملے اور علمِ حق ان کے سامنے پیش فرمایا۔ تینوں نے انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ کسی نے کہا کہ میں کعبہ کے سامنے ڈاڑھی منڈوا دوں اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو، کسی نے کہا کیا اللہ کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا جسے ایک سواری بھی میسر نہیں اللہ کو رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بناتا۔ آپ صبر و تحمل کے ساتھ ان کی باتیں سنتے رہے اور پھر یہ فرمایا کہ اپنے خیالات کو اپنے ہی پاس رکھو

کم از کم دوسروں کو نہ بہکاؤ۔ پھر آپ نے عام طور سے لوگوں کو مخاطب کرنا شروع کر دیا۔ ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا کہ جتنا ہو سکے ان کو ستاؤ۔ یہ لوگ تقریر کرتے وقت آپ پر اتنے پتھر پھینکتے کہ آپ لہو میں تربتر ہو جاتے۔ خون بہ بہ کر جوتے میں جم جاتا۔ ایک دفعہ بدمعاشوں، اوباشوں نے اس قدر آپ کو ستایا اور تنگ کیا کہ ایک مکان کے احاطے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ مالکِ مکان نے گھر کے اندر سے اس حالت کو دیکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حالت پر ترس کھا کر اپنے غلام کے ذریعے کچھ انگور آپ کے پاس بھجوائے۔ غلام نے انگور لا کر آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر انگور کھانا شروع کیا۔ غلام نے حیرت سے آپ کی طرف دیکھ کر کہا کہ کھانے سے پہلے یہ جو آپ نے پڑھا ہے اس کو یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔ آپ نے غلام سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے۔ غلام نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم مردِ صالح یونس بن متی (یونس علیہ السلام) کے شہر کے باشندے ہو۔ غلام نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کو کیا خبر کہ یونس بن متی کون تھے۔ آپ نے فرمایا وہ میرے بھائی تھے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ غلام سنتے ہی جھک پڑا اور آپ کے ہاتھ اور سر کو چوم لیا۔ مالک اور جو لوگ دور سے دیکھ رہے تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ غلام ہاتھ سے نکل گیا۔ جب غلام واپس آیا تو انہوں نے کہا کہ کم بخت تجھ کو کیا ہو گیا کہ اس شخص کو چومنے لگا۔ غلام نے کہا حضور عالی آج اس سے بہتر روئے زمین پر کوئی شخص نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔

(**نوٹ**:۔ غلام نے یہ ایک بڑی معقول بات کہی تھی۔ نبیِ برحق ہونے کی ایک دلیل یا علامت یہ بھی ہے کہ وہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے صحیح صحیح حالات بیان فرمائے جن پر اگرچہ مرورِ زمانے سے پردے پڑ جاتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوحِ محفوظ میں بے کم و کاست محفوظ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آنے والے نبی کو موقع بہ موقع ان واقعات سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔ جس میں مخاطبینِ وحی کے لئے پند و موعظت و عبرت کا سامان بھی رہتا ہے اور نبی کی صداقت پر وہ ایک دلیلِ محکم بھی ہوتے ہیں۔ دورِ جہالت کے ایک غلام میں تو یہ فراست تھی کہ وہ آپ کی زبان سے حضرت یونس علیہ السلام کا نام سنتے ہی آپ کی نبوت کا قائل ہو گیا۔ مگر آج علوم و فنون کی دنیا کا نام نہاد ترقی یافتہ مہذب انسان اس فراست سے عاری نظر آتا ہے۔)

اس مقام پر ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے آپؐ پر اتنے پتھر برسائے گئے کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ زیدؓ جو اس سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے وہ آپؐ کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر آبادی کے باہر لے گئے۔ منہ پر پانی چھڑکا تو آپ کو ہوش آیا اس سفر میں اتنی سخت تکلیفیں اور اذیتیں آپؐ نے برداشت کیں مگر ایک شخص نے بھی دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا پھر بھی آپؐ نہ مایوس ہوتے ہیں اور نہ مخلوق کی شکایت کرتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچانے والوں کو برا بھلا

کہتے ہیں بلکہ ایک بندۂ حق کو جو کرنا چاہیئے وہی کرتے ہیں۔ یعنی اپنے رب و مولا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنی عاجزی کا اعتراف فرما کر تائید و نصرت طلب کرتے ہیں۔ طائف سے واپس ہوتے ہوئے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ یہ لوگ ایمان نہیں لائے مگر مجھے امید ہے کہ ان کی نسلیں ایمان لے آئیں گی۔

مکہ واپس آکر آپ کا یہ دستور رہا کہ مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں پر تشریف لے جاکر تبلیغ فرماتے یا آبادی سے باہر چلے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا جاتا مل جاتا اس کو حق و صداقت، امن و سلامتی، دنیا و آخرت کی فلاح کا پیغام سناتے۔ ایک دفعہ قبیلۂ بنو عبداللہ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ تمہارے باپ کا نام عبداللہ تھا کیا اچھا ہو اگر تم اسم بامسمیٰ ہو جاؤ۔ ابولہب آپ کی مخالفت میں آبادی کے باہر آپ کے پیچھے پیچھے جاتا اور جن جن کو آپؐ دعوت الی اللہ دیتے ان سے کہتا "یہ جھوٹا ہے اس کی بات نہ سنو یہ مجنوں ہے اس کی باتوں پر کان نہ دھرو"

ہدایتِ الٰہی کی تعمیل میں اور مکہ کے باشندوں کے باطل افکار کے لحاظ سے آپ اکثر وہی آیتیں لوگوں کو سناتے جس میں حیاتِ آخرہ اور دوزخ و جنت کا بیان ہوتا۔ یہ حقائق رؤسائے قریش کے نزدیک آن ہونی باتیں تھیں اس لئے آپؐ جب ایسی آیتیں بیان کرکے لوگوں کو بندگیٔ رب کی طرف بلاتے تو مخالفین آپ کو اس بناء پر کبھی ساحر کہتے جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے۔

ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت	اور جب آپ لوگوں سے کہتے ہیں کہ یقیناً تم مرنے کے
لیقولن الذین کفروا ان ھٰذا	بعد زندہ کئے جاؤ گے۔ تو منکر کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا
الا سحر مبین (سورہ ہود ع ۱)	جادو ہے۔

اور کبھی آپ کو خدا پر جھوٹ بولنے والا اور مجنون مشہور کرتے۔

وقال الذین کفروا ھل ندلکم علیٰ	اور یہ کافر لوگ (دوسروں سے) کہتے ہیں کیا ہم تم کو ایسا آدمی
رجلٍ ینبئکم اذا مزقتم کل ممزقٍ	بتائیں جو تم کو یہ (ان ہونی) خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ
انکم لفی خلقٍ جدیدٍ ۚ افتریٰ علی	ہو جاؤ گے تو (اسکے بعد بروز قیامت) ضرور تم از سرِ نو پیدا کئے جاؤ گے
اللہ کذباً ام بہٖ جنۃ (السبا ع ۱)	(یا تو یہ شخص) قصداً خدا پر جھوٹ بہتان باندھتا ہے یا اسکو کچھ جنون ہے

چنانچہ یمن سے ایک شخص ضماد ازدی مکہ میں آیا جو حکیم بھی تھا اور مشہور افسوں گر بھی۔ اس نے جب ان مخالفین کی زبان سے یہ سنا کہ محمدؐ پر جنون کا اثر ہے تو اس نے کہا میں محمدؐ کا علاج اپنے منتر سے کر سکتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا محمدؐ آؤ تمہیں منتر سناؤں۔ آپؐ نے فرمایا پہلے مجھ سے کچھ سن لو پھر آپ نے اسے سنایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ	سب تعریف اللہ کے واسطے ہے ہم اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں
من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ	اور ہر کام میں اسی کی اعانت چاہتے ہیں جسے خدا راہ دکھلاتا ہے

ومن یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و	اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے خدا ہی رستہ نہ دکھائے
اشھد ان لآ الٰہ الّا اللہ وحدہٗ	اس کی کوئی رہبری نہیں کرسکتا۔ میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا
لا شریک لہٗ واشھد ان محمدًا	عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک
عبدہٗ و رسولہٗ :	نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کا بندہ اور اس کا رسول
اما بعد :	ہے۔ اس کے بعد مدعا یہ ہے۔

اس کے بعد قرآن کی چند آیتیں آپؐ نے تلاوت کرنی چاہیں کہ ضماد بول اٹھا کہ انہی کلمات کو پھر سنا دیجئے۔ دو تین دفعہ اس نے ان ہی کلمات کو سنا اور پھر بے اختیار بول اٹھا کہ میں نے بہتیرے کاہن دیکھے۔ ساحر دیکھے۔ لیکن ایسا کلام کسی سے بھی نہ سنا اور فوراً دینِ اسلام قبول کرلیا۔

معراج

نبوت کے دسویں سال بتاریخ ۲۷ رجب، آپ کو معراج ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان و زمین کی سیر کرائی۔ اور اپنے الٰہ واحد ہونے اور فرماں روائے ارض و سما ہونے کی بڑی بڑی نشانیاں بتلائیں۔ اولاً جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ مسجدِ حرام سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں امام بن کر جماعتِ انبیاءؑ کو نماز پڑھائی۔ اور انبیاءؑ سے ان کے مقامات پر ملتے ہوئے سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے۔ جنّت و دوزخ دکھائی گئی۔ پھر وہاں سے بارگاہ خداوندی میں شرفِ حضوری اور شرفِ کلام عطا ہوا۔ پنج وقتہ نماز فرض ہوئی۔ اور پرستارانِ حق کے لئے ایک بڑی نعمت یہ عطا ہوئی۔

من ھمّ بحسنۃٍ فلم یعملھا کتبت	جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو نہ کیا تو اس کے نامۂ اعمال میں
لہ حسنۃ فان عملھا کتبت لہ عشرًا	ایک نیکی لکھی جائیگی۔ اور جو اس کو انجام دیا تو دس نیکیاں اس
ومن ھمّ بسیئۃ فلم یعملھا لم	کے لئے لکھی جائیں گی۔ اور جو کوئی بُرے کام کا ارادہ کرے اور اس
تکتب لہ شیئًا فان عملھا کتبت	کو نہ کیا تو اس کے لئے کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر وہ بُرا کام کرے
لہٗ سیئۃً واحدۃً (مسلم)	تو ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔

اور حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کی روایت ہے کہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا ہوئیں۔

۱۔ پانچ وقت کی نمازیں۔
۲۔ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں۔
۳۔ آپ کی امت کے ہر اس شخص کے لئے بخشش کا وعدہ جس نے شرک نہ کیا ہو۔

آپؐ کی دیگر تعلیم کی طرح جہلائے عرب نے واقعۂ معراج کا بھی انکار کیا اور آپؐ کی بڑی ہنسی اڑائی۔

انہی دنوں طفیل بن عمرو مکہ میں آئے۔ یہ قبیلہ دوس کے سردار تھے۔ نواح یمن میں اُن کا خاندان رئیسانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ طفیل بذاتِ خود شاعر تھے اور بڑے سمجھدار شخص تھے۔ اہلِ مکہ نے آبادی سے باہر ان کا استقبال کیا اور اچھے طور سے ان کی خدمت اور تواضع کی۔ طفیل کا اپنا بیان ہے

"مجھے اہلِ مکہ نے اس بات سے بھی خبردار کیا کہ یہ شخص (محمدؐ) جو ہم میں سے نکلا ہے اس سے ذرا الگ الگ رہنا۔ اس کو جادو آتا ہے۔ یہ اپنے جادو سے باپ و بیٹے، زن و شوہر اور بھائی بھائی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت کو پریشان اور ہمارے کام ابتر کر دیئے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم اور تمہاری قوم بھی اس مصیبت میں گرفتار ہو اس لئے ضروری اور اہم نصیحت یہ ہے کہ نہ اُس شخص کے پاس جانا نہ اس کی بات سننا اور نہ خود اس سے بات چیت کرنا۔ یہ باتیں انہوں نے ایسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کر دیں کہ جب میں کعبہ میں جانا چاہتا تو کانوں کو روئی سے بند کر لیتا تاکہ محمدؐ کی آواز کی بھنک بھی میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ ایک روز میں صبح ہی خانۂ کعبہ میں گیا محمدؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ خدا کی مشیت یہی تھی کہ ان کی آواز میرے کانوں تک پہنچے۔ میرے کانوں میں اس وقت روئی نہیں تھی۔ میں نے سُنا کہ ایک نہایت اثر آفریں کلام وہ پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں، باعلم ہوں۔ اچھے بُرے کی تمیز رکھتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ میں محمدؐ کی باتیں نہ سنوں۔ اچھی بات ہوگی تو مانوں گا۔ میں یہ ارادہ کر کے ٹھہر گیا۔ جب محمدؐ واپس گھر کو چلے تو میں نے مکان پر پہنچ کر محمدؐ کو اپنا پورا واقعہ سنایا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ سنائیے محمدؐ نے قرآن کی آیتیں تلاوت کیں۔ بخدا میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی نہیں سنا تھا۔ جس میں اس قدر نیکی اور انصاف کی ہدایت ہو۔"

الغرض یہ اسی وقت پرستارِ حق ہوگئے۔ اور اسطرح قریش جس شخص کو بات بات میں مخدوم و مطاع کہتے تھے وہ بات کی بات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل و جان سے خادم و مطیع بن گیا۔ قریش کو یہ واقعہ نہایت شاق اور ناگوار گزرا۔

(**نوٹ**:۔ اس واقعے سے بھی یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ کلام اللہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کی بہترین دلیل ہے۔)

مکہ سے جانبِ عرب تین سو میل کے فاصلے پر یثرب نامی ایک شہر آباد ہے۔ کعبہ کے تعلق سے مکہ میں یثرب کے باشندوں کی کافی آمد و رفت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کے مسافروں کے پاس بھی

جاکر دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر یثرب کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے۔

مدینہ کی مختصر تاریخ

اب اس شہر کا نام مدینہ ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں آکر قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی پیغمبر کا شہر پڑ گیا۔ اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔ یہ شہر مدتوں سے آباد ہے۔ بہت قدیم زمانے میں یہودی یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں۔ مدینہ کے تمام اطراف پر انہوں نے قبضہ جما لیا اور ہر جگہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے تھے۔ اور انہی میں سکونت رکھتے تھے۔ یہاں کے دوسرے باشندے یمن کے رہنے والے تھے۔ جو وہاں کے سیلاب کی تباہ کاریوں سے گھبرا کر مدینہ میں آکر آباد ہو گئے۔ ابتداءً یہ دو بھائی تھے۔ **اوس** اور **خزرج**۔ انہی کے خاندان یہاں پھیلے۔ (یہی لوگ اسلام لانے کے بعد انصار کہلائے جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔)

یہ خاندان جب مدینہ میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے تمام مقامات ان کے قبضہ میں تھے۔ مال و دولت سے مالا مال تھے۔ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے۔ دور دور تک ان کی بستیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ انصار کچھ زمانے تک ان سے الگ رہے۔ لیکن ان کا زور و اثر دیکھ کر بالآخر اُن کے حلیف بن گئے۔ (نوٹ: جب دو قبیلے آپس میں ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا بحلف معاہدہ کرتے تھے وہ باہم حلیف کہلاتے تھے۔) ایک مدت تک یہ دونوں حلیف رہے۔ رفتہ رفتہ جب انصار کا خاندان پھیلتا گیا۔ اور ان کو بھی کچھ اقتدار حاصل ہوتا گیا۔ تو یہود نے ان سے معاہدہ توڑ دیا۔

یہودیوں کا ایک رئیس فطیون نہایت عیاش و مکار تھا۔ اس کا حکم تھا کہ شہر میں جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے وہ پہلے اس کے عشرت کدہ میں لائی جائے۔ یہود نے تو اس بے حیائی کو گوارا کر لیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی۔ اس زمانے میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے حجابانہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی اُٹھ کر گھر میں آیا اور بہن پر بہت خفا ہوا، بہن نے کہا کہ آپ کا غصہ تو ٹھیک ہے لیکن کل فطیون کی خلوت میں جو جانا ہو گا وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ جملہ مالک کے لئے تازیانۂ عبرت ثابت ہوا۔ دوسرے دن جب اس کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانی کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا۔ اور فطیون کو قتل کر کے ملک شام کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں غسانیوں کی حکومت تھی۔ ان کے حکمران وقت نے مالک کی زبانی یہ حالات سنے تو ایک فوجِ گراں لے کر آیا اور اوس و خزرج کے رؤساء کو بلا کر ان کو اکرام و انعام سے

نوازا۔ پھر روسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرادیا۔ اس طرح یہود کا زور ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔

انصار کے دونوں قبیلے اوس وخزرج مدینہ اور حوالیٔ مدینہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں منقسم ہو گئے تھے اور مدت تک باہم متحد رہے۔ لیکن پھر دستورِ جہالت کے موافق خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اور دلوں میں سخت عداوت پیدا ہو گئی۔

انصار گو بت پرست تھے مگر یہود سے چونکہ میل جول تھا۔ اسلئے الٰہی تعلیم سے ناآشنائے محض نہ تھے یہود سے اگرچہ ایک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی فضل وکمال کے معترف تھے۔ یہودیوں میں توریت کی تعلیم کا کافی چرچا تھا۔ انہوں نے مدینہ میں کئی ایک علمی مدارس قائم کئے تھے۔ جہاں توریت کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار جاہل تھے اس لئے ان پر یہود کے علمی تفوق کا اثر پڑنا ضروری تھا۔ چنانچہ انصار میں سے جس کو اولاد نرینہ نہیں ہوتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ لڑکا ہوگا تو یہودی بنا دیا جائے گا۔ یہودی توریت کی تعلیم کی بناء پر یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے اور ایک کتاب اللہ بھی نازل ہونے والی ہے۔ اور اکثر اس کا چرچا بھی کرتے تھے۔ اور نہ صرف چرچا کرتے تھے۔ بلکہ لڑائیوں میں اس کتاب کا واسطہ دے کر فتح کی دعا مانگتے تھے۔ جیساکہ آیت کریمہ سے ظاہر ہے۔

ولما جاءهم كتب من عند الله	✣	اور جب اللہ کے پاس سے اُن کے پاس کتاب آئی جو اس
مصدق لما معهم وكانوا من قبل	✣	کتاب کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتی ہے اور وہ اس
يستفتحون على الذين كفروا (الآیہ)	✣	کتاب سے پہلے (اس کے واسطے سے) کافروں کے مقابلہ میں
(سورۂ بقرہ)	✣	اپنی فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔

اسی بناء پر انصار بھی ایک پیغمبرِ موعود اور ایک کتاب کے ذکر سے ایک حد تک آشنا تھے۔ وقت آگیا تھا کہ آفتابِ اسلام کی جو شعاعیں مکہ کی گھاٹیوں سے نمودار ہوئی تھیں وہ مدینہ کے افق پر چمکیں اور وہیں سے ساری دنیا میں پھیلیں۔

انہی ایام میں جب کہ آپ باہر سے آنے والے مسافرین کو دعوت الی الحق دینے جاتے تھے۔ مدینہ سے قبیلۂ انصار کا ایک شخص سوید بن صامت نامی مکہ میں حج کے لئے آیا۔ یہ شاعری وجنگ آوری میں بھی ممتاز تھا۔ اور اس کے پاس اقوال لقمان کا نسخہ بھی تھا۔ جس کو وہ آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حالات سنے تو اس کے پاس تشریف لے گئے۔ سوید نے امثالِ لقمان پڑھ کر آپ کو سنایا۔ (یہ اقوال حضرت لقمانؑ کی جانب منسوب تھے) آپ نے فرمایا میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں جنہیں سن کر وہ بلا تامل اسلام لے آیا۔

انہی ایام میں انصار کے قبیلۂ اوس کے چند لوگ قریش سے معاہدہ کرنے کے لئے مکہ آئے تھے جن میں چند نوجوان بھی تھے۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:-

"میرے پاس ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی فلاح ہے۔ کیا تمہیں اپنی فلاح مطلوب ہے۔ وہ بولے ایسی کیا بات ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مخلوق کی ہدایت کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ بندگانِ خدا کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا ہی کی عبادت کریں۔ ذلت و فقر کا تعلق اللہ ہی سے قائم کریں۔ اور شرک نہ کریں۔ مجھ پر خدا نے کتاب نازل کی ہے۔"

پھر قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ ان نوجوانوں میں سے ایک شخص ایاس بن معاذ نے سنتے ہی کہا بخدا یہ تمہارے لئے اس مقصد سے بہتر ہے جس کے لئے تم یہاں آئے ہو۔ راویوں کا بیان ہے کہ ایاس بن معاذ کا دل، دعوتِ حق کو قبول کر چکا تھا۔ کیونکہ مدینہ واپس ہو کر جب چند روز کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ تو مرتے وقت ان کی زبان پر کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا ورد تھا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا ایمان لانا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ شہر یثرب (مدینہ) ہی میں تھے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ اڑتی سی خبر سنی اور اپنے بھائی انیس سے کہا تم مکہ جاؤ اور اس شخص سے مل کر آؤ۔ انیس ایک مشہور فصیح البیان شاعر تھے۔ مکہ آئے، آپ سے ملے پھر واپس جا کر بھائی سے کہا کہ میں نے محمدؐ کو ایک ایسا شخص پایا جو نیکیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔ ابوذرؓ کو اتنی بات سے کچھ تسلی نہ ہوئی۔ آخر خود پیدل مکہ پہنچے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہ تھے۔ زمزم کا پانی پی کر کعبہ ہی میں لیٹ رہے۔ سیدنا علیؓ ادھر آ نکلے۔ انہوں نے ابوذرؓ کے نزدیک آ کر پوچھا کوئی مسافر معلوم ہوتے ہو۔ ابوذرؓ نے کہا ہاں! سیدنا علیؓ ان کو اپنے ساتھ لے آئے۔ رات ابوذرؓ نے وہیں گزاری۔ نہ سیدنا علیؓ نے کچھ پوچھا اور نہ ابوذرؓ نے کچھ دریافت کیا۔ صبح ابوذرؓ پھر کعبہ میں آ گئے۔ دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش تھی۔ مگر کسی سے دریافت نہ کرتے تھے۔ سیدنا علیؓ پھر آ پہنچے اور فرمایا شاید تمہیں ٹھکانا نہیں ملا ابوذرؓ نے کہا ہاں۔ سیدنا علیؓ پھر ان کو ساتھ لے گئے۔ اثنائے راہ میں پوچھا تم کون ہو اور کیوں آئے ہو۔ ابوذرؓ نے اپنا ماجرا سنایا۔ سیدنا علیؓ ان کو لے کر خدمتِ نبویؐ میں پہنچے۔ ابوذرؓ نے عرض کیا مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے آپؐ نے ان کو اسلام کی تعلیم دی۔ ابوذرؓ اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے آپؐ نے فرمایا جاؤ ہو تو ابھی اس کو چھپائے رکھو۔ ابوذرؓ کا قلب اس وقت جوشِ ایمان سے معمور تھا۔ عرض کیا بخدا دشمنوں میں اعلانِ حق کر کے ہی رہوں گا۔ پھر کعبہ کی طرف آئے جہاں قریش جمع تھے۔ انہوں نے سب کو سنا کر باآواز بلند کلمۂ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و

اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ پڑھا۔ قریش ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور مار ڈالنے کے ارادے سے مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ اس وقت موقع پر پہنچ گئے۔ اور حضرت ابوذرؓ کو پہچان کر قریش پر برہم ہوئے اور کہا یہ تو قبیلۂ غفار کا آدمی ہے۔ جہاں تم تجارت کے لئے آتے جاتے ہو۔ قریش یہ سن کر حضرت ابوذرؓ کے پاس سے ہٹ گئے دوسرے دن بھی حضرت ابوذرؓ نے سب کے سامنے اعلانِ حق کیا۔ پھر لوگوں نے انہیں مارا اور حضرت عباسؓ ہی نے چھڑایا حضرت ابوذرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم وطن واپس چلے جاؤ۔ اور وہیں حق کی اشاعت کرتے رہو۔

نبوت کے گیارھویں سال حج کے زمانے میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مکہ سے چند میل پرے رات کی تاریکی میں ایک گھاٹی عقبہ پر چند لوگوں کے باتوں کی آواز سُنی۔ اس آواز پر آپ اُن کے پاس پہنچے یہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے۔ جو مدینہ سے آئے تھے۔ آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ قرآن مجید کی آیتیں سنائیں جن میں خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال، قہر وعتاب، اور فضل واحسان کا ذکر تھا۔ ان کے دلوں کو خوفِ الٰہی سے ڈرایا۔ حُبِّ الٰہی سے گرمایا اور بندگیٔ رب کی تعلیم دی۔ یہ لوگ اپنے شہر کے یہودیوں سے بارہا سُن چکے تھے کہ عنقریب ایک نبی پیدا ہونیوالا ہے۔ (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) آپؐ کی تعلیم سے ان کو یقین آگیا کہ آپؐ ہی وہ نبیٔ موعود ہیں۔ وہ سب اسی وقت ایمان لے آئے۔ اور جب اپنے وطن کو واپس گئے تو دینِ حق کے سچے نمائندے تھے۔ ان حضرات نے اپنے وطن میں ہر ایک کو یہ خوش خبری سنائی کہ تمام عالم کو جس نبی کا انتظار تھا وہ آگیا ہے۔ ہمارے کانوں نے اس کی زبان سے کلامِ الٰہی کو سُنا۔ ہماری آنکھوں نے اُس کا جمالِ جہاں آرا دیکھا۔ اور اس نے ہم کو ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا سے وابستہ کر دیا۔ اب دنیا کی زندگی اور موت ہمارے سامنے ہیچ ہے۔ ان حضرات کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

۲۔ اسعد بن زارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ — سنہ میں وفات پائی۔

۳۔ عوف بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

۴۔ رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ — اُس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عنایت فرمایا۔ یہ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

۵۔ قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ — جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

۶۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

ان حضرات کی منادیٔ حق کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کے گھر گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا۔

بیعتِ عقبۂ اُولیٰ

دوسرے سال ۱۲ سنہ نبوت میں مدینہ کے بارہ باشندے مکہ میں حاضر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دولتِ ایمان حاصل کی ۔ ان لوگوں نے جن امور پر بیعت کی تھی وہ یہ ہیں ۔

۱ - ہم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے ۔

۲ - چوری اور زناکاری نہیں کریں گے ۔

۳ - اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے ۔

۴ - کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے ۔

۵ - نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کریں گے ۔

جب یہ لوگ واپس جانے لگے ۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو جو سابقینِ اسلام میں تھے ۔ ان کے ساتھ کر دیا ۔ حضرت مصعبؓ مدینہ میں اسعد بن زرارہؓ صحابی کے مکان میں ٹھہرے جو مدینہ کے ایک معزز رئیس تھے ۔ حضرت مصعبؓ کا معمول تھا کہ روزانہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے اور لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے ۔ قرآن کی آیتیں ان کو سناتے ۔ اس طرح آپ کی جدوجہد سے روزانہ ایک دو آدمی اسلام قبول کرتے ۔ ایک دن حضرت مصعبؓ اور حضرت اسعدؓ اور چند مسلمان یہ غور کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ انصار کے دو قبیلے بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر میں کس طرح علمِ حق کی روشنی پھیلائی جائے ۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان قبائل کے سردار تھے ۔ اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ۔ انھیں بھی اس کی خبر ہوئی ۔ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا " تم کس غفلت میں پڑے ہو دیکھو یہ دونوں (مصعبؓ اور اسعدؓ) ہمارے گھروں میں آکر ہمارے بیوقوفوں کو بہکانے لگے ۔ تم جاؤ انہیں نکال دو اور کہدو کہ ہمارے محلوں میں پھر کبھی نہ آئیں ۔ اسید بن حضیر ہتھیار لے کر روانہ ہوئے ۔ حضرت اسعدؓ نے ان کو اپنی طرف آتا دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا دیکھو یہ قبیلہ کا سردار آرہا ہے ۔ خدا کرے تمہاری بات مان جائے ۔ اتنے میں اسید بن حضیر آپہونچے ۔ آتے ہی بُرا بھلا کہنا شروع کیا اور کہا کہ تم ہمارے احمق اور نادان لوگوں کو پھسلانے آئے ہو ۔ حضرت مصعبؓ نے کہا کاش تم یہاں بیٹھ کر کچھ سن لو ۔ اسید نے کہا کیا مضائقہ ہے سناؤ ۔ حضرت مصعبؓ نے ان کو سمجھایا کہ دینِ حق کیا ہے ۔ اور کلامِ الٰہی کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں ۔ اسیدؓ ایمان لے آئے ۔ اور کہا کہ ایک اور شخص ہے اگر وہ تمہارا پیرو ہوگیا تو پھر کوئی تمہارا مخالف نہ رہے گا ۔ میں ابھی جا کر اس کو تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں ۔ اسیدؓ نے جا کر سعد بن معاذ سے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ سعد غصے میں بھرے وہاں سے اُٹھے اور مصعبؓ کے پاس پہنچے ۔ حضرت مصعبؓ نے سعد بن معاذ کی ترش کلامی کا جواب

ندہ پیشانی سے دیا۔ اور کہا کہ ایک دو باتیں ہماری بھی سن لیجئے۔ سعد بیٹھ گئے حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے
ین حق کی حقیقت بیان کی جسے سن کر سعد بن معاذؓ بھی اسلام لے آئے۔ اور اپنے قبیلے میں واپس آکر اہل قبیلہ کو پکار کر
ہا میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ سب نے کہا تم ہمارے سردار ہو۔ ہم تمہاری رائے اور تجویز کو بہتر اور اعلیٰ
سمجھتے ہیں۔ سعد بن معاذؓ نے کہا تو سنو! "کوئی مرد ہو یا عورت میں اس سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں جب تک
ہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" اور مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه پر ایمان نہ لائے۔ اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ ان کے
قبیلے میں اسی دن ہر شخص نے دینِ حق کو قبول کر لیا۔ اسی طرح حضرت مصعبؓ کی جدو جہد سے انصار کے
تمام قبیلوں میں اسلام پھیلتا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ سنہ نبوی میں تہتر (۷۳) مرد اور (۲) دو عورتیں یثرب
سے مکہ آئے۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ

ان لوگوں کو مدینہ کے اہلِ ایمان نے اسلئے بھی بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں آنے
کی دعوت دیں۔ اہلِ ایمان کا یہ گروہ اسی مقام پہ پہنچ گیا جہاں دو سال پہلے شہر مدینہ کے نوجوانوں نے دولتِ ایمان
پائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا عباسؓ کے ساتھ وہاں پہنچے۔ ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کو مدینہ چل کر رہنے کی دعوت دی۔ آپؐ نے ان کو قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ ان کو دین و ایمان کی
تعلیم دی۔ پھر بیعت کے لئے سب لوگ آگے بڑھے اس موقعہ پر ایک صاحب عباس بن عبادہؓ نے ان لوگوں سے
کہا کہ پہلے سوچ سمجھ لو کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عہد و پیمان بھی کرو گے اس کا کیا انجام ہوگا۔ اپنی برادری سے
اپنے قبیلے سے، عرب سے، عجم سے، لڑنا ہوگا۔ ساری دنیا سے دشمنی مول لینا ہے۔ سرخ و سیاہ لڑائیوں
کو دعوت دینا ہے۔ جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ ان حضرات نے پوچھا ہم کو اس کا معاوضہ کیا ملے گا۔ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت" یہ سنتے ہی سب لوگ ایک سرور اور نشاط کے عالم میں بیعت کرنے لگے۔ بیعت
کی شرطوں میں دو شرطیں یہ بھی تھیں

۱۔ دین حق کی اشاعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری مدد کریں گے۔ اور

۲۔ جب آپ مدینہ میں ہجرت کر کے جا بسیں گے تو آپؐ کی اور آپؐ کے ساتھیوں کی خدمت اور حمایت
اپنے اہل و عیال کی طرح کریں گے۔

آپؐ نے اس موقعہ پر ان کو یہ بھی اطمینان دلایا کہ آئندہ میرا جینا میرا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ آپؐ کے اس
ارشاد نے ان کی مسرت اور شادمانی میں اور اضافہ کر دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان میں سے بارہ اشخاص کا انتخاب کیا

اور اُن کا نام نقیب رکھا۔ اور یہ فرمایا کہ جس طرح عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے اپنے بارہ شخصوں کو چن لیا تھا۔ اسی طرح میں تمہیں انتخاب کرتا ہوں تاکہ تم اہلِ یثرب میں دین کی اشاعت کرو۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں جن میں نو(۹) قبیلۂ خزرج اور تین (۳) قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱) اسعد بن زرارہؓ۔ (۲) رافع بن مالکؓ۔ (۳) عبادہ بن صامتؓ۔ (یہ تینوں عقبۂ اولیٰ میں بھی تھے) (۴) سعد بن ربیعؓ۔ (۵) منذر بن عمروؓ۔ (۶) عبداللہ بن رواحہؓ۔ (۷) براء بن معرورؓ۔ (۸) عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ۔ (۹) سعد بن عبادہؓ۔ (۱۰) اسید بن حضیرؓ۔ (۱۱) سعد بن خثیمہؓ۔ (۱۲) ابوالہیثم بن تیہانؓ۔

ہجرت

بیعتِ ثانیہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کو جن کے لئے ان کا اپنا وطن مصیبتوں کا گھوارہ بن گیا تھا یثرب چلے جانے کی اجازت دے دی۔ ان حق کے پرستاروں کو گھربار، خویش واقارب، باپ بھائی، زن وفرزند کے چھوٹنے کا ذرا غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جاکر آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرینگے اور ظلمت کدۂ جہل میں علمِ حق کی روشنی پھیلائیں گے۔

دشمنانِ حق نے یہ مرحلہ بھی آسانی سے طے نہ ہونے دیا اور سخت مزاحمت کی۔ کسی مہاجر کا مال وزر لے لیا کسی کی بیوی بچے کو چھین لیا۔ اور کسی کو قید کرلیا۔ دو صحابی عیاشؓ وہشامؓ قید کردیئے گئے تھے جو بعد میں قید سے چھڑا لیئے گئے۔ رفتہ رفتہ سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور دیگر صحابہ مدینہ چلے گئے۔ جو لوگ مفلس ونادار تھے وہ ایک مدت تک نہ جا سکے۔ مگر شبانہ روز ہجرت کی دعائیں کرتے تھے۔ یہ آیت کریمہ ان ہی کی شان میں ہے۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ	کمزور مرد، عورتیں اور بچے، جو یہ کہتے ہیں پروردگار
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا	ہم کو اس شہر سے نکال کہ جہاں کے لوگ
مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ	ظالم ہیں۔ اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کسی
اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ	حامی اور مددگار کو مقرر فرما۔
لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔ (سورۂ نساء)	

مشہور صحابہ میں سیدنا صدیقؓ اور سیدنا علیؓ رہ گئے تھے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ مہاجرین کو تو ایک دارالامن مل گیا تھا مگر بقیہ حضرات ہنوز ستم گاروں کا ہدفِ ستم بنے ہوئے تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکمِ الٰہی کے منتظر تھے۔

نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا تو وحیِ الٰہی کے مطابق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا عزم فرمایا

ہجرت سے دو روز پہلے آپؐ سیّدنا صدیقؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ اذن طلب فرمایا۔ اجازت کے بعد اندر تشریف لے گئے اور چپکے سے فرمایا مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ سیدنا صدیقؓ نے نہایت بے تابی سے فرمایا۔ میرا باپ آپ پہ فدا ہو کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا۔ ارشاد ہوا ہاں، سیدنا صدیق چار مہینے پہلے سے ہجرت کی تیاری میں مصروف تھے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت کا واقعہ نہایت پُراثر ہے۔ جب قریش نے دیکھا کہ اب مکہ میں صرف گنتی کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ اور اُدھر مدینہ میں یہ طاقت پکڑتے جاتے ہیں تو انہوں نے ایک اجلاس عام کیا کہ اب آئندہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ ہر قبیلہ کے رؤسا اس اجلاس میں شریک تھے۔ مختلف رائیں پیش ہوئیں۔ کسی نے کہا محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ایک مکان میں بند کر دیا جائے۔ تاکہ یہ وہیں گھل گھل کر مر جائیں۔ کسی نے کہا جلاوطن کر دینا کافی ہے۔ ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہو اور یہ تمام منتخبہ اشخاص ایک ساتھ مل کر تلواروں سے محمدؐ کا خاتمہ کر دیں۔ اس آخری رائے پہ اتفاقِ عام ہوگیا۔ اور راتوں رات آستانۂ مبارک کا محاصرہ کر لیا گیا اور طے یہ پایا کہ صبح جب آپؐ نماز کیلئے گھر سے باہر نکلیں گے تو سب مل کر آپ کو قتل کر دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو عداوت تھی وہ صرف دین کے تعلق سے تھی ورنہ آپ کی دیانت پران کو اب بھی اتنا اعتماد تھا کہ اپنا مال واسباب آپ ہی کے پاس بطور امانت رکھواتے تھے۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بناء پہ سیدنا علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پہ میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں لے جا کر واپس دے آنا۔ سیدنا علیؓ نہایت بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم، اللہ کی حفاظت میں گھر سے باہر نکلے۔ محاصرہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے نیند طاری کر دی تھی۔ آپؐ کے جانے کی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ آپ سیدھے سیدنا صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ انہوں نے جلدی سے سفر کا ضروری سامان درست کیا۔ اسی شب کی تاریکی میں دونوں بزرگوار مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مکہ سے چار پانچ میل کے فاصلے پر کوہ ثور ہے اس کی چڑھائی سخت اور راستہ سنگلاخ ہے۔ بدقت تمام ایک غار تک پہنچے اور اس میں چھپ گئے۔ یہاں تین دن قیام رہا۔ سیدنا صدیقؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ جو بالکل نوجوان تھے شب کو غار میں ساتھ سوتے اور علی الصبح شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آپؐ سے عرض کرتے۔ سیدنا صدیقؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ جو اپنے مالک کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ وہ کچھ رات گئے بکریاں غار پہ لے آتے آپ دونوں ان کا دودھ پی لیتے تین دن تک صرف یہی غذا تھی۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بجائے سیدنا علیؓ کو پایا۔ بہت ہی برہم

ہوئے اور سیدنا علیؓ کو حرم میں لے جا کر قید کر دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد چھوڑ دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اسی غار کے دہانے تک آ گئے۔ ان کی آہٹ پا کر سیدنا صدیقؓ فکرمند ہوئے اور عرض کیا کہ دشمن قریب آ گئے ہیں اگر ہمارے قدموں کے نشانوں پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو پالیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ نے کفار کو یہاں سے پلٹا دیا۔ اور ان حضرات کے یہاں رہنے کا اُن کے دل میں شبہ بھی پیدا نہ ہوا۔ چوتھے دن سیدنا صدیقؓ کے گھر سے اونٹنیاں آ گئیں۔ جن کو اسی سفر کے لئے خوب فربہ اور تیار کیا گیا تھا۔ ایک پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیقؓ اور دوسری پر عامر بن فہیرہؓ اور عبداللہ بن اریقط (جس کو رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کر لیا گیا تھا) سوار ہوئے اور جانبِ مدینہ روانہ ہوئے۔ ایک رات دن برابر چلتے رہے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت ایک چٹان کے نیچے ذرا آرام لیا۔ جب آفتاب ڈھل چکا تو پھر وہاں سے آگے بڑھے۔

قریش نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ ایک شخص سراقہ بن جعشم نے یہ اعلان سُنا تو انعام کے لالچ میں عین اس حالت میں کہ آپؐ روانہ ہو رہے تھے آپؐ کو دیکھ لیا۔ اور گھوڑا دوڑا کر قریب آنا چاہا گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑے۔ اپنی ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں۔ جواب میں نہیں نکلا۔ لیکن سو اونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ فال کی بات مان لی جاتی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آگے بڑھے۔ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کے شر سے بچائیے۔ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں گھٹنے تک زمین میں دھنس گئے وہ گھوڑے سے اتر پڑے۔ ہمت پست ہو گئی اور جب یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں تو قریب آ کر عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی اور عرض کیا کہ اب میں ہر ایک حملہ آور کو روکتا رہوں گا اور درخواست کی کہ مجھے امن کی تحریر لکھ دیجئے۔ جب سراقہ واپس ہونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سراقہ اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ شاہِ ایران کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ (سراقہ جنگِ اُحد کے بعد مسلمان ہوئے اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا تو مالِ غنیمت سے شاہی کنگن سراقہ کے حصے میں آئے) راستہ میں سراقہ کو جو کوئی آپؐ کی تلاش میں ملتا وہ اس کو یہ کہکر واپس کر دیتے کہ محمدؐ کا پتہ نہیں چلا۔

اثنائے راہ میں حضرت زبیرؓ ملے جو شام سے اپنا سامانِ تجارت لیکر واپس ہو رہے تھے۔ انہوں نے آپؐ کی اور سیدنا صدیقؓ کی خدمت میں چند کپڑے تحفتاً پیش کئے۔

مکی زندگی کے دیگر حالات

مکہ میں حضرتہ خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال کے بعد آپؐ نے حضرت سودہؓ سے شادی کی اور سیدہ عائشہؓ بنت سیدنا صدیقؓ سے صرف نکاح کیا۔ اس وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر ۶ سالی تھی۔

ابتدائے نبوت ہی میں آپ پر نماز تہجد فرض ہوگئی تھی۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًاۙ	اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔ رات کو کھڑے رہو (نماز پڑھو)
نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًاۙ اَوْ	مگر تھوڑی رات۔ یعنی نصف رات یا اس سے کچھ کم یا
زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًاؕ	اس سے زیادہ۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھو۔
....	....
وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ	اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے منقطع ہو کر
تَبْتِیْلًاؕ	اسی کی طرف متوجہ رہو۔

ان آیتوں میں نماز تہجد کا وقت بھی ہے یعنی یہ کہ نصف رات کے بعد قبل فجر تک رات کے تین حصوں میں سے کسی حصہ میں بھی بیدار ہو کر نماز تہجد پڑھو۔ اور نماز میں قرآن آہستہ آہستہ اور بہت صاف صاف پڑھو اور یہ کہ نماز تہجد نہایت حضور قلب سے پڑھو۔ اِدھر اُدھر کے خیالات نہ آئیں۔ پوری توجہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ گذارش کرنے والا ہو۔ اور گذارش سننے والا ہو۔ "تبتل الیہ تبتیلاً" کا یہی مطلب ہے۔

(نوٹ: عجمی اقوام کے میل جول سے امت میں ذات و صفاتِ حق کے جو مراقبات، ذکر و شغل اور محویت فی الذات و استغراق فی الذات کی اصطلاحیں ایجاد ہوئیں۔ ان تمام غیر مسنون اعمال و تصورات کی سندِ جواز میں یہی آیۂ کریمہ پیش کی جاتی ہے۔ اور کتنے اہلِ علم ہیں جو اس غلط تعلیم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اور صدیوں سے اس بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر آیۂ کریمہ کا یہی مطلب ہے۔ اور اس پر عمل کرنے کی یہی شکل ہے جو اہلِ تصوّف میں صدیوں سے جاری ہے تو ضروری تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے عمل سے یہی ثابت ہوتا لیکن ذخیرۂ احادیث کی کسی روایت سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم رات کے ان اوقات میں کوئی ذکر و مراقبہ کرتے تھے یا حضرات صحابۂ کرام کو کسی ایسے ذکر و مراقبہ کی تعلیم دی تھی۔ رات کے اوقات میں نمازِ تہجد کے سوا اور کوئی خصوصی عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابۂ کرام سے ثابت نہیں ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار واقعہ ہے۔ جس کی روشنی میں ذکر و شغل کے مروجہ طریقے اور ذات وصفات کے تمام مراقبے بالکل غیر مسنون (بدعت) قرار پاتے ہیں۔ ان غیر مسنون اعمال میں افادیت کا تصوّر ایک

ایسی لغزش ہے جس سے دینِ الٰہی کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے اور امت غیر شعوری طور سے عزیمت وجہاد کے والہانہ جذبات سے عاری ہوجاتی ہے۔ افسوس یہ مرض، یہ خرابی اتنی دیرینہ ہوچکی ہے کہ اصلاح کی کوئی آواز کارگر نہیں ہوتی۔ اِلاماشاء اللہ۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ :۔ ع "دیرینہ ہے تیرا مرضِ کور نگاہی۔")

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ فرض نماز کے بعد نماز تہجد ہی افضل ترین نماز ہے۔

افضل الصّلوٰۃ بعد المفروضۃ صلوٰۃٌ فی جوف اللّیل

صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے اس نماز کی بڑی ترغیب بھی دلائی۔ ایک ارشاد یہ ہے۔

علیکم بقیام اللّیل فانہٗ داب الصّٰلحین ❊ تم رات کو (نماز کے لئے) اٹھو، بیشک جو صالحین تم سے پہلے
قبلکم وھو قربۃٌ لکم الٰی ربکم ❊ گزرے ہیں یہ ان کی عادت ہے اور تمہارے لئے قربِ الٰہی کا ذریعہ
ومکفرۃٌ للسّیّئات ومنھاۃٌ عن الاثم ❊ ہے برائیوں سے مٹنے اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بھی۔

قربِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو ہدایت کے بلند مدارج پر فائز کیا جاتا ہے۔ اس کو کم و بیش ان تمام صفات سے متصف کیا جاتا ہے۔ جو عبداللہ اور خلیفۃ اللہ کیلئے ضروری ہیں۔ جب عبد و رب کا تعلق قوی ہوجاتا ہے اور اس میں حسن و خوبی پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ زیادہ سے زیادہ رحمتِ الٰہی کا مستحق ہوجاتا ہے۔

مکہ میں نبوت کے پورے بارہ سال گزرے اگرچہ کہ تمام قبائل مخالفت پر کمر باندھے رہے اور قدم قدم پر مزاحمتیں پیش آتی رہیں۔ مگر ان تمام مشکلات کے باوجود مخالفین ہی کی جماعتوں سے آپؐ کو حق کے پرستار ملتے گئے اور کم و بیش تین چار سو کی تعداد میں دینِ الٰہی کے شیدائی رحمۃٌ للعٰلمین کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوگئے۔ بلکہ کے مخالف ماحول میں ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خصوصی تعلیم پائی تھی۔ وہ ہر مشکل، ہر ضرورت میں انابتِ الی اللہ، صبر و استقامت، رضا بالقضاء، توکل علی اللہ اور طلب و حرصِ آخرت کی تعلیم تھی۔ جتنا جتنا دنیا کا نقصان ہورہا تھا دین و ایمان کا رنگ اتنا ہی پختہ ہوتا جارہا تھا۔ آپس کے تعلقات ایک ایک کرکے ٹوٹتے جارہے تھے اور عبد و رب کا تعلق قوی تر ہورہا تھا۔ (عزیمت و جہاد کی مذکورہ نبوی تعلیم رشد و ہدایت کے مراکز میں صدیوں سے مفقود ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کا کیا ذکر خواص میں بھی صحیح بصیرت رکھنے والے صاحبانِ عزیمت و جہاد، مردانِ مجاہد نظر نہیں آتے۔)

مدینہ میں ورودِ مبارک

مدینہ میں آپؐ کی تشریف آوری کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا۔ معصوم بچے فخر و جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ اللہ کے رسول آرہے ہیں۔ لوگ ہر روز سویرے سے نکل کر شہر کے باہر جمع ہوجاتے اور

دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ کے اوپر سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ اے اہلِ یثرب لو تم جس کا انتظار کر رہے تھے وہ آگئے۔ یہ سنتے ہی تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا اور انصار ہتھیار سے سج سج کر گھروں سے نکل آئے۔

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر جو آبادی ہے اس کو قبا کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آپ یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوشِ مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ فخر ان ہی کی قسمت میں تھا کہ فخر دو عالم مہمان نے ان کی میزبانی قبول کی۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق بذوق وشوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے۔

سیدنا علیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے وہ بھی آگئے۔ اور یہیں ٹھہرے بعض اکابر صحابہؓ جو آپؐ سے قبل ہجرت کر کے آئے تھے وہ بھی ابھی تک یہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بروایت صحیح بخاری یہاں آپ کا قیام چودہ دن رہا۔

یہاں آپؐ نے سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کی۔ مسجد کی تعمیر میں آپ بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔ بھاری بھاری پتھر اٹھا کر لاتے، جسمِ مبارک خم ہو جاتا، عقیدت مند عرض کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپؐ یہ کام ہم پر چھوڑ دیں۔ پتھر ہم اُٹھا لیتے ہیں۔ آپؐ اُن کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اتنا ہی وزنی دوسرا پتھر اُٹھا لاتے۔ یہی مسجد، مسجدِ قبا کے نام سے مشہور ہے۔

چودہ روز کے بعد جمعہ کے دن آپ خاص شہرِ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راہ میں بنی سالم کے محلے میں نماز کا وقت آگیا۔ جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ تاریخ اسلام میں جمعہ کی یہ پہلی نماز اور پہلا خطبہ جمعہ تھا۔

خُطْبَہْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَاسْتَعِیْنُہٗ	تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے میں اسی کی حمد کرتا ہوں اسی سے
وَاسْتَغْفِرُہٗ وَاسْتَھْدِیْہِ وَاُومِنُ	مدد چاہتا ہوں اسی سے مغفرت چاہتا ہوں اسی سے ہدایت
بِہٖ وَلَا اَکْفُرُہٗ وَاُعَادِیْ مَنْ یَّکْفُرُہٗ	چاہتا ہوں میرا ایمان اسی پر ہے۔ میں اس کی ربوبیت و الوہیت
وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ	کا انکار نہیں کرتا اور جو اس کی ربوبیت و الوہیت کا انکار کرتے
لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ	ہیں اس سے دشمنی رکھتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی
وَرَسُوْلُہٗ۔	لائقِ عبادت نہیں وہ یکتا ہے، افرادِ خلق میں کوئی اس کا شریک نہیں
	اور محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ارسلهٗ بالهدیٰ والنور و
الموعظة علیٰ فترة من الرسل وقلة
من العلم وضلالة من الناس و
انقطاع من الزمان ودنوٍّ من الساعة
وقرب من الاجل ۔ من يطع الله و
ورسولهٗ فقد رشد ومن يعصهما
فقد غویٰ وفرط وضلَّ ضلالاً بعيداً

اسی نے محمدؐ کو ہدایت ، نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زما
میں بھیجا جبکہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا میں نہیں آیا یہ علم مٹ
چکا تھا ۔ اور لوگوں میں گمراہی پھیل گئی تھی ۔ اور اسے آخری زما
میں قیامت اور زمانہ ختم ہونے کے قریب بھیجا گیا ۔ جس
خدا اور رسول کی اطاعت کی وہی بامراد ہے اور جس نے ا
کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا ۔ اور حدودِ بندگی سے نکل گیا ۔ اور سخت
گمراہی میں پھنس گیا ۔

اوصيكم بتقوى الله فانّهٗ خيرًا
ما اوصى به المسلم المسلم ان يحضه علی
الاٰخرة وان يامره بتقوى الله فاحذروا
ما حذّركم الله من نفسه ولا افضل من
ذٰلك نصيحة ولا افضل من ذٰلك ذكراً
وان تقوىٰ الله لمن عمل علیٰ وجل ومخافة
من ربه عون صدقٍ علیٰ ما تبغون من
الامر الاٰخرة ومن يصلح الذی بينهٗ
وبين اللهِ من امرهٖ فی السّر وعلانية
لا ينوی بذٰلك الا وجه الله ۔

مسلمانو ! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں
بہترین وصیت جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرسکت
ہے یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے اور اللہ سے ڈر
کے لئے کہے ۔ ڈرو اللہ سے جیسا کہ اس نے اپنے قہر و غضب
ڈرایا ہے نہ اس سے بہتر کوئی نصیحت ہوسکتی ہے ۔ اور
اس سے بہتر کوئی ذکر ۔ یاد رکھو ! امور آخرت کے
بارے میں اس شخص کے لئے جو اپنے رب سے ڈر کر
کر رہا ہے تقویٰ بہترین مددگار ہوگا اور جب کوئی شخص
اپنے اور اللہ کے تعلق کو ظاہراً و باطناً درست
کرے گا ۔ . . . .

يكن لهٗ ذكرًا فی عاجل امرهٖ و
ذخراً فی بعد الموت ۔ حين يفتقر
المرء الیٰ ما قدم ۔

اور ایسا کرنے میں اس کی نیّت ریا سے پاک ہوگی ا
یہ عمل اس کے لئے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد ذخیرہ بن
جائیگا ۔ جب کہ بدلِ عمل کا وقت ہوگا ۔

وما كان سوى ذٰلك يودّ لو ان
بينهٗ وبينها امداً بعيداً ويحذركم
الله نفسهٗ والله رؤف بالعباد ۔

لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو پھر بلحاظ انجامِ آخرت اس کی حالت
ہوگی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے ۔" انسان تمنا کرے گا کہ کا
اس کے اعمالِ بد اس سے دور ہی رکھے جائیں ۔ خدا تم کو اپنے (قہر و غضب)
سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے ۔

والذی صدق قوله وانجز وعدهٗ

قسم ہے اس اللہ کی جس کی بات سچ ہے جس کا وعدہ پورا ہوکر

لاخلف لذلك فانه يقول عز وجل
"ما يبدل القول لدي وما انا بظلام
للعبيد":
فاتقوا الله في عاجل امركم و
اجله في السر والعلانية فانه من
يتق الله يكفر عنه سيئاته ويعظم
له اجرا ومن يتق الله فقد فاز فوزا
عظيما وان تقوى الله يوقي مقته
ويوقي عقوبته ويوقي سخطه وان
تقوى الله تبيض الوجوه ويرضي
الرب ويرفع الدرجة
خذوا حظكم ولا تفرطوا في
جنب الله - قد علمكم الله كتابه
ونهج لكم سبيله ليعلم الذين
صدقوا ويعلم الكاذبين فاحسنوا
كما احسن الله اليكم وعادوا اعداء
الله وجاهدوا في الله حق جهاده
هو اجتباكم وسماكم المسلمين
ليهلك من هلك عن بينة ويحيى
من حي عن بينة ولا قوة الا بالله
فاكثروا ذكر الله واعملوا لما بعد
اليوم فانه من يصلح ما بينه
وبين الله يكفه الله ما بينه و
بين الناس ذلك بان الله يقضي
على الناس ولا يقضون اليه ويملك

ہے جو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔
"ہمارے ہاں بات بدلتی نہیں اور ہم اپنے بندوں پر ظلم
نہیں کرتے۔"
پس اپنی دنیا و آخرت اور جلوت و خلوت کے کاموں میں
اللہ سے ڈرو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا
ہے اس کی برائیاں دور کر دی جاتی ہیں اور اس کا اجر بڑھا
دیا جاتا ہے اور جو اللہ سے ڈرا اُس نے بڑی کامیابی
حاصل کی اور یہ اللہ ہی کا ڈر ہے جو اللہ کی ناراضی،
عذاب اور غصہ کو دور کر دیتا ہے۔ اور یہ اللہ کا ڈر ہی
ہی ہے جو چہرے کو روشن، رب کو راضی اور درجہ کو
بلند کرتا ہے۔
مسلمانو! دنیا کی نعمتیں جو تمہارے لئے جائز و حلال ہیں ان سے
فائدہ اٹھاؤ مگر حقوقِ الٰہی کی بجا آوری میں کمی زیادتی نہ کرو۔ اللہ نے
تم کو اپنی کتاب کی اسی لئے تعلیم دی، اور اپنے دین کو واضح کیا کہ
راستبازوں اور کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ پس آپس
میں احسان کرتے رہو۔ جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اور جو
اللہ کے دشمن ہیں انہیں دشمن سمجھو اور دینِ الٰہی کے پھیلانے
میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اسی نے تم کو اس کام
کے لئے منتخب کیا اور تمہارا نام مسلمان رکھا۔ تاکہ ہلاک ہونے والا
بھی روشن دلیل پر ہلاک ہو جائے۔ اور زندگی پانے والا بھی روشن
دلیل ہی پر زندگی پائے۔ نہیں ہے قوت مگر اللہ ہی سے پس کثرت سے
اللہ کو یاد کرو اور آیندہ زندگی کے لئے عمل کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ
جو شخص اپنے اور اللہ کے تعلق کو ٹھیک کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس
کے اور لوگوں کے تعلقات کو سنوار دیتے ہیں۔ سن رکھو! اللہ کا
حکم بندوں پر نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اور بندوں کا حکم اللہ پر نہیں

من الناس ولا یملکون منہ۔ اللہ اکبر ٭ چلتا، وہی بندوں کا مالک ہے بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں اللہ
ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔ ٭ سب سے بڑا ہے۔ اور نہیں ہے قوت مگر اللہ بزرگ و برتر سے۔

یہ نہایت بصیرت افروز خطبہ ہے۔ دین کی بنیادی تعلیم اس کے ایک ایک فقرہ میں بھری ہوئی ہے اس خطبہ سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ عبدیت کیا ہے اور رسالت کیا ہے عبدیت یہ ہے کہ فقر و مانگ کا تعلق ربِ اعلیٰ وعظیم سے قائم ہوجائے۔ اسی سے طلبِ ہدایت اور طلبِ مغفرت ہو، اللہ تعالیٰ کی جن نعمتوں میں بندہ رات دن پرورش پارہا ہے وہ ہر وقت بندہ کے شعور و ادراک میں رہیں۔ تاکہ اس کا قلب حمد و شکرِ الٰہی سے معمور رہے۔ رب کی نافرمانی کرکے زندگی بسر کرنے کا کوئی تصوّر بھی اس کے اندر نہ پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں کے سوا کسی اور بات کو موجب خیر و فلاح نہ سمجھے اور یہ کہ جو لوگ خدا کی بندگی سے اعراض کرکے نفس و شیطان، ہوا وہوس کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ ان سے دلی عداوت ہو۔ اور فریضۂ رسالت یہ کہ خدائے تعالیٰ سے برگشتہ بندوں کو خدائے تعالیٰ کی وحی و ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانے کی کوشش کی جائے تاکہ ان کی آخرت کی زندگی بہتر سے بہتر ہوجائے۔ عبدیت و رسالت کا یہ اجمالی مفہوم ہے جو خطبہ کے اندر پنہاں ہے۔ اس کو اس لئے واضح کیا گیا کہ لوگ متبع رسالت کو پہچانیں اور اس سے دینی بصیرت حاصل کریں۔ خطبہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپؐ دنیا میں اس لئے تشریف لائے ہیں کہ ظلمت کدۂ دہر میں اللہ کے علم و ہدایت کی روشنی پھیلائیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس قوم کی زندگی میں علم و ہدایتِ الٰہی کی روشنی نہ ہو۔ جس کے افکار و اعمال علم و ہدایتِ الٰہی کے مطابق نہ ہوں۔ وہ جہل کی تاریکیوں میں ہے خواہ وہ برق وبھاپ پر قابو رکھتی ہو، ہواؤں میں اُڑتی ہو اور سمندر کی تہہ میں غوطے لگاتی ہو۔

اس خطبہ میں سب سے زیادہ جس چیز کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور جس پر بار بار توجہ دلائی گئی ہے وہ خدا کا ڈر ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے بغیر نہ کوئی شخص ہدایت پا سکتا ہے اور نہ ہدایت کے مدارج طے کرسکتا ہے۔ بندگئ رب اور کمالِ بندگی کا شرف اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور تقویٰ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ آخرت کی زندگی کا ابدی نفع اور ابدی ضرر ہر عمل میں اور ہر حالت میں پیشِ نظر رہے۔ خطبہ کی یہ عبارت

فانہ خیرًا ما اوصی بہ المسلم المسلم ان یحضہ علی الاٰخرۃ
وان یامرہٗ بتقوی اللہ

یعنی تمام نصیحتوں میں بنیادی اور اہم نصیحت یہی ہے کہ لوگوں کو آخرت کی زندگی کا طالب اور حریص بنایا جائے اور ان کو اس بات سے ڈرایا جائے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں سے اعراض کروگے، زندگی کے تمام معاملات میں احکامِ الٰہی کی اتباع نہ کروگے تو آخرت میں ابدی نقصان سے دوچار ہوگے یعنی جہنم تمہارا

ابدی ٹھکانا ہوگا اسی نصیحت کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ "نہ اس سے بہتر کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے بہتر کوئی ذکر۔" اس پُرفتن دور میں جو لوگ منہاجِ نبوت سے ہٹ کر تبلیغی و اصلاحی جد وجہد کر رہے ہیں اور اس زعم میں مست ہیں کہ ہمارا طریقۂ کار بالکل انبیاء علیہم السّلام کے طریقہ پر ہے۔ان کے لئے اس نبوی تعلیم میں کافی سبق ہے۔کاش وہ سمجھیں۔

خطبہ کی یہ عبارت:-

خذ واحظكم ولا تفرطوا في جنب الله

میں دین کا بڑا ہی جامع مفہوم ہے وہ یہ کہ ہدایتِ الٰہی کے مطابق دنیا کی نعمتوں سے کما حقہٗ استفادہ کرنا دین ہے اس سے ترکِ دنیا اور گوشہ نشینی کی خانقاہی تعلیم کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔

تیسری اہم نصیحت اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو دشمن سمجھو اور یہ کہ پوری توجہ اور ہمت سے دینِ حق کو پھیلانے کی کوشش کرتے رہو اللہ کے دشمن وہ لوگ ہیں جو دینِ حق کو قبول کرنا نہیں چاہتے اور دینِ حق کی مخالفت میں اپنی توانائیوں کو صرف کرتے ہیں۔

کتنا قابلِ عبرت مقام اور اکابرِ امت کی غفلت کس قدر قابلِ افسوس ہے کہ جن قوموں کو دشمن سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے ان کو دوست سمجھ کر ان کے باطل نظامِ زندگی کی اتباع کر رہے ہیں۔پوری توجہ اور ہمت سے اہلِ باطل کے سامنے دینِ حق پیش کرنا جن کے فرائض میں داخل کیا گیا ہے وہ اہلِ باطل کی ہوا خواہی میں امن وچین کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

خطبہ کے آخری الفاظ:-

ذٰلك بان الله يقضى على الناس ولا يقضون عليه ويملك من الناس ولا يملكون منه

کا مطلب یہ ہے کہ الٰہی قوانین سے ٹکر لینے، سنتِ الٰہی کی خلاف ورزی کے جو بُرے نتائج اللہ جل شانہٗ نے دنیا و آخرت میں مقرر کر دیئے ہیں وہ اتنے اٹل ہیں کہ نافرمانی کرنے والے ان سے بہر حال دوچار ہونگے اور یہ کہ اللہ کی ہدایتوں سے اعراض کر کے اپنی تجاویز پر عمل کرنے والے اللہ کے قہر سے نہیں بچ سکتے۔

شہر میں داخلہ

نمازِ جمعہ پڑھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے یہ عجیب شاندار داخلہ تھا۔گلی کوچے نعرۂ تکبیر سے گونج رہے تھے۔مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، دیدارِ نبی کے لئے سراپا چشم بن گئے تھے، یہاں

آپ کے دادا کے ننہالی رشتہ دار تھے۔ وہ بھی استقبال کے لئے آئے۔ راستہ میں جان نثاروں کی دو رویہ صفیں تھیں۔ ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے۔ آپؐ دعائے خیر دیتے ہوئے آگے بڑھتے۔ خانہ نشین خواتین بھی اشتیاقِ دید میں چھتوں پہ چڑھ آئیں۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں معصومانہ لہجہ میں سریلی آواز سے یہ اشعار گا رہی تھیں۔

طَلَعَ البَدْرُ عَلَیْنَا ⁂ چاند طلوع ہوا ہم پہ
مِن ثَنِیَّاتِ الوَدَاع ⁂ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا ⁂ ہم پہ خدا کا شکر واجب ہے
مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع ⁂ جب دعا مانگنے والے دعا مانگیں

جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ آپؐ کے دادا ابوطالب کے ننہالی رشتہ دار ہوتے تھے اس لئے آپؐ نے ان کے گھر میں ٹھہرنا پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا، انہوں نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے ملاقاتیوں کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ یہاں ٹھہر کر آپؐ نے حضرت زیدؓ کو دو اونٹ اور پانچسو درہم دے کر مکہ بھیجا کہ آپ کی صاحبزادیوں اور بیویوں کو لے آئیں۔ سیدنا صدیقؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ بھی ساتھ گئے۔ آپؐ کی صاحبزادیوں میں سے زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا حضرت زیدؓ صرف ام کلثومؓ، فاطمۃ الزہراؓ اور زوجۂ محترمہ حضرت سودہؓ کو لے کر آئے۔ سیدہ عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ آئیں۔ مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ آپؐ کی قیام گاہ کے قریب خاندانِ بنی نجّار کی زمین تھی۔ آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا میں یہ زمین خریدنا چاہتا ہوں۔ وہ بولے کہ ہم قیمت اللہ سے لیں گے۔ چونکہ یہ زمین اصل میں دو یتیم بچوں کی تھی۔ آپؐ نے انہیں کو بلایا۔ ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپؐ نے گوارا نہ کیا۔ سیدنا صدیقؓ نے قیمت ادا کی۔ زمین پر کچھ درخت تھے انہیں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ سرورِ عالمؐ مزدوروں کی طرح کام میں مصروف تھے۔ صحابہؓ پتھر اٹھا کر لاتے اور رجز پڑھتے جاتے آپؐ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے:-

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ ⁂ الٰہی بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ ⁂ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی عزت اور سادگی کی تصویر تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں کھجور کی پیڑ کے ستون اور کھجور کے پتوں کی چھت اور فرش بالکل مٹی کا تھا۔ بارش میں کیچڑ ہو جاتا

اس لئے ایک دفعہ صحابہؓ نماز کے لئے آئے تو کنکریاں لیتے آئے۔ اور اپنی اپنی جگہ پر بچھالیں۔ آپؐ نے اس کو پسند فرمایا اور پوری مسجد میں سنگ ریزوں کا فرش کروا دیا۔

مسجد کے سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صُفّہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے وقف تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھربار نہیں رکھتے تھے۔ اور دینی تعلیم و تربیت کے لئے ہمہ وقت آپؐ کی صحبت میں رہنا چاہتے تھے۔

مسجدِ نبوی تیار ہو چکی تو مسجد کے متصل ہی آپؐ نے اپنی بیویوں کے لئے دو حجرے بنوا دیئے۔ ان کی تیاری کے بعد آپؐ نے یہاں سے نقلِ مقام فرما لیا۔ آپؐ کے قرب و جوار میں جو انصار رہتے تھے ان میں سعد بن عبادہؓ سعد بن معاذؓ۔ عمارۃ بن حزمؓ اور ابو ایوب انصاریؓ رئیس اور دولت مند تھے۔ یہ لوگ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کبھی دودھ اور کھانا بھیج دیا کرتے تھے۔ اور اسی پر آپ بسر فرماتے تھے۔

بھائی چارا

مہاجرین ، مکہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے اگرچہ ان میں دولت مند اور خوش حال بھی تھے لیکن مکہ سے چلتے وقت کچھ بھی ساتھ نہ لا سکے۔ ہر چند مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانۂ عام تھا۔ تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین صدقہ و خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے۔ مگر ایک حبّہ بھی پاس نہ تھا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری سمجھا کہ مہاجرین و انصار میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے۔ آپؐ نے انصار کو طلب فرمایا۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیسؓ تھی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخاطب کرکے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہیں۔" پھر مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھروں کی ایک ایک چیز کا جائزہ انہیں دیا کہ اس میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ یہاں تک کہ سعد بن ربیعؓ جو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بھائی قرار پائے تھے ان کی دو بیویاں تھیں انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ ان سے نکاح کیجئے۔ مگر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے شکر گزاری کے ساتھ انکار کر دیا۔

انصار کا جو کچھ سرمایہ تھا وہ نخلستان تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے باغ ، مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ مگر چونکہ مہاجرین کھیتی کے فن سے آشنا نہیں تھے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے انکار کر دیا۔ پھر انصار نے کہا کہ سب کاروبار ہم انجام دیں گے جو کچھ پیداوار ہو گی اس میں مہاجرین کا نصف حصہ ہو گا۔ مہاجرین نے اس کو منظور کر لیا۔

مہاجرین کے رہنے کے لئے انصار نے یہ انتظام کیا کہ اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں وہ مکانات بنانے کے لئے مہاجرین کو دے دیں اور جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے مہاجر بھائیوں کو اپنے مسکونہ مکانوں میں ٹھہرا لیا۔ مہاجرین میں جو حضرات تجارت پیشہ تھے مثلاً سیدنا صدیقؓ، سیدنا عمرؓ و سیدنا عثمانؓ وغیرہم، انہوں نے یہاں بھی تجارت شروع کر دی۔

یہ رشتۂ اخوت بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ کسی انصاری کا انتقال ہو جاتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کی جائداد و مال کا وارث ہو جاتا۔ لیکن جب مہاجرین کی مالی حالت درست ہو گئی تو اس وقت یہ طریقہ موقوف کر دیا گیا۔

مواخاۃ کے رشتہ سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے ان میں سے بعض حضرات کے نام حسب ذیل ہیں

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ	سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	سلامۃ بن وقش انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حذیفہ بن یمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ابو درداء انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن انصاریؓ
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	عباد بن بشر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نفیل	ابی بن کعب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان انتظامی امور سے فارغ ہوتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور اہم کام یہ کیا کہ مدینہ اور اس کے حوالی میں اوس و خزرج، یہود و نصاریٰ کے جو قبائل تھے ان سے بین الاقوامی اصول پر ایک معاہدہ کر لیا اطراف جو قبائل تھے اُن کے پاس آپ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور ان کو شریک معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کے اہم اجزاء یہ تھے:۔

۱ ۔ خون بہا اور فدیہ کا طریقہ جو پہلے سے چلا آرہا تھا وہ اب بھی قائم رہے گا ۔
۲ ۔ کسی کے مذہبی امور میں کوئی تعرض نہ کرے گا ۔
۳ ۔ کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو شرکائے معاہدہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے ۔
۴ ۔ کوئی فریق کفارِ قریش کو امان نہ دے گا ۔
۵ ۔ مدینہ پر حملہ ہوگا تو تمام شرکائے معاہدہ مدافعت کریں گے نیز دشمن سے صلح کرنے میں بھی شرکا متحد رہیں گے ۔
۶ ۔ ہر مظلوم کی مدد کی جائے گی ۔
۷ ۔ شرکائے معاہدہ میں کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے ۔

اس معاہدہ سے ایک فائدہ تو یہ پیشِ نظر تھا کہ قبائل میں جو ہمیشہ خانہ جنگی ہوتی رہتی تھی اِس کا انسداد ہو جائے ۔ اور دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ کفارِ قریش کی سازشوں اور شرارتوں کی پیش بندی ہو جائے جس کا خطرہ لاحق تھا ۔ اور آیندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا ۔ ہجرت کے پہلے ہی سال یہ تمام امور تکمیل پا گئے ۔

(نوٹ) : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آتے ہی سب سے پہلے جو انتظامات کئے اِن میں متعلقین کی آسائش و رہائش کا انتظام بھی شامل ہے ۔ آپؐ کا یہ عمل بھی اُمت کے لئے اور خصوصاً اُن حضرات کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے جو اپنے گھر اور متعلقین سے بے تعلق ہو کر تبلیغی اور اصلاحی جدو جہد کرتے ہیں ، اُسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر نہ ہونے کی وجہ سے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ مصلحین کی جماعتیں اصلاحی جدو جہد کے شوق میں دیگر حقوق و واجبات کو نظر انداز کر دیتی ہیں ۔ خصوصاً اہل و عیال کے حقوق تو بالکل پسِ پشت ڈال دیئے جاتے ہیں ۔ اور اس کو بڑی خوبی سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ متعلقین کے حقوق کی طرف سے بے اعتنائی خوبی نہیں بلکہ ایسا نقص ہے جو قابلِ اصلاح ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تبلیغ کے لئے مامور من اللہ تھے ۔ یہی آپؐ کے فرائض نبوت تھے ۔ شب و روز آپؐ کو لوگوں کی اصلاح کی دھن رہتی تھی ۔ مگر اس کے باوجود متعلقین کے حقوق کی طرف سے غافل نہ رہے بلکہ مدینہ تشریف لانے کے بعد دیگر انتظامی امور کے ساتھ ساتھ متعلقین کے لئے بھی انتظام ضروری تصوّر فرمایا ۔

مدینہ کے یہود و عیسائی

مدینہ میں مشرکین عرب کے علاوہ زیادہ تعداد میں یہودی اوران سے کم عیسائی بھی آباد تھے۔یہودیوں کے تین زبردست قبیلے بنو نضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ تھے۔جو مدینہ و اطراف مدینہ میں اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے۔ان کا ذریعۂ معاش زیادہ تر سودی کاروبار تھا اور تجارت بھی۔جس کی وجہ سے یہ بہت مالدار تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے منکر تھے۔اور نہ صرف آپ کی رسالت کے منکر تھے بلکہ آپ کی معجزانہ پیدائش کے بھی قائل نہ تھے اور آپ کو حضرت بی بی مریم کی ناجائز اولاد قرار دیتے تھے۔سورۂ نساء کی آیتِ ذیل

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ ٭ اوران کے کفر کی وجہ سے اوران کی اس بات سے کہ حضرت
بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ ٭ مریم علیہا السّلام پر بہتان دھرتے تھے۔

میں ان کی مذکورہ بداعتقادیوں کو بیان کیا گیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے وہ اتنے دشمن ہوگئے تھے کہ ان کے قتل کر دینے کا بھی اہتمام کر لیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بچا لیا۔پھر بھی یہودیوں کو یہی زعم ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جیسا کہ آیتِ ذیل سے ظاہر ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ٭ اور ان کا یہ قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم
ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ (نساء) ٭ رسول اللہ کو قتل کر دیا۔

ان بداعتقادیوں کے علاوہ ایک اور بداعتقادی میں بھی مبتلا ہوگئے تھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ (سورۂ توبہ) ٭ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔

عقاید کی خرابی کا نتیجہ اعمال کی خرابی ہے۔چنانچہ توریت کے بیشتر احکام کو ان لوگوں نے ترک کر دیا اور بہت سے احکام کو بدل دیا۔اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ظلم و حق تلفی اور حرام خوری ان کے مشاغل تھے۔جن الٰہی احکام کی تعمیل میں دنیا کا فائدہ نظر آتا اس پر تو بڑی شدت سے عمل کرتے اور جن احکام میں دنیا کا نفع نہ ہوتا ان کی تعمیل سے اعراض کرتے حق تعالیٰ ان کی اسی روش کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

افتؤمنون ببعض الكتاب و ٭ پس کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو
تكفرون ببعض (سورۂ بقرہ) ٭ اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

اور ان کے متعلق یہ فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ وہ مومن نہیں۔سورۂ مائدہ کے چھٹے رکوع کی آخری آیت:۔

وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ٥ ÷ اور وہ لوگ با ایمان نہیں۔

ان ہی یہودیوں سے متعلق ہے۔

عیسائیوں کے عقائد میں یہ خرابیاں تھیں کہ ان میں کا ایک گروہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مانتا تھا۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ (توبہ) ÷ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

اور ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ÷ بے شک وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ
هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (سورہ مائدہ) ÷ مسیح ابنِ مریم ہیں۔

اور ایک گروہ کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تین حصے ہو گیا۔ ایک خود اللہ۔ ایک روح القدس اور ایک عیسیٰ علیہ السلام۔ گویا خدائی تینوں میں منقسم ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ÷ بے شک وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ
ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (سورہ مائدہ) ÷ تین میں کا ایک ہے۔

غرض خدا کی کارسازی و کارفرمائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریک و دخیل قرار دیدیا گیا۔ اور عبودیت کے وہ تمام لوازم جو ربِ اعلیٰ و عظیم کا حق ہے یعنی قیام، رکوع، سجدہ، طواف، نذر و منت، ندا وسوال وغیرہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بی بی مریم سے متعلق کردیئے اور یہ اعتقاد بھی گھڑ لیا کہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وابستہ ہو جانا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ علم و عمل کی کوئی گمراہی اس کے بعد مضر نہیں ہو سکتی۔" اس طرح یہود و نصاریٰ دونوں مشرکانہ عقاید میں مبتلا ہو گئے تھے اپنے انبیاء اور صلحا کی قبروں پر عمدہ عمدہ عمارتیں بناتے، قبروں کو چومتے، ان کا طواف کرتے، اپنے اور خدا کے درمیان ان کو وسیلہ قرار دیتے۔

ان خرابیوں کے علاوہ ان میں دوسری بداعتقادیاں بھی پیدا ہو گئی تھیں جیسا کہ آیتِ کریمہ:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ ÷ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا
الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ÷ ایک حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو
(سورۂ نساء) مانتے ہیں۔

سے ظاہر ہے۔ لفظ "جبت" کے مفہوم میں بدشگونی، فالِ بد، رمل و نجوم کی باتوں پر یقین کرنا وغیرہ داخل ہے۔ احادیث اور آثار میں لفظ "جبت" کا یہی مفہوم ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ تمام شرک کے اجزاء ہیں نیز اپنے علماء اور مشائخ سے اتنی بے جا عقیدت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ان کی ہر غلط بات کو

کو اور ہر مشرکانہ تعلیم کو صحیح سمجھتے اور اس کے خلاف الٰہی و نبوی تعلیم کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوتے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی مختصر آیت میں اہلِ کتاب کی مشرکانہ ذہنیت کو واضح فرمایا ہے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا ۞ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو (باعتبار طاعت
من دون اللّٰہ والمسیح ابن مریم ج وما ۞ کے) رب بنا رکھا ہے۔ اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان
امروا الا لیعبدوا الٰھًا واحدًا ج لا ۞ کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک معبود (برحق) کی عبادت
الٰہ الا ھو ط سبحٰنہٗ عما یشرکون ہ ۞ کریں جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

عقاید کی خرابی کے بعد عمل میں بھی کوئی خوبی باقی نہیں رہتی۔ اور وہ تمام بداخلاقیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے بعد انسان مقامِ انسانیت سے گر جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا بعینہٖ یہی حال تھا۔ عقیدہ و عمل کی تمام خرابیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ اس شیطانی فریب میں بھی مبتلا تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بڑے محبوب ہیں۔

وقالت الیھود والنصٰری نحن ابنؤا ۞ اور یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے
اللّٰہ واحباؤہٗ (سورۂ مائدہ) ۞ اور اس کے محبوب ہیں

اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہم انبیاء علیہم السّلام کی امت ہیں کتاب اللہ کے حامل ہیں اس لئے ہم اگر نار میں جائیں گے تو بھی چند روز کے لئے۔ بالآخر ہماری نجات ہو جائے گی۔

وقالوا لن تمسنا النار الا ۞ اور کہتے ہیں کہ ہم کو آتشِ دوزخ نہیں چھوئے گی
ایامًا معدودۃً (سورۂ بقرہ) ۞ مگر چند روز کے لئے۔

مغفرت و نجات کے متعلق جب ایسا غلط عقیدہ پیدا کر لیا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاحِ عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

یہودؔ توریت کی پیشین گوئیوں کی بناپر نبیِ موعود کے منتظر تھے اور ان کے ظہور کے مشتاق تھے مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ بہت خوش ہو رہے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ان کے باطل عقاید کی تردید کرتے ہیں۔ تو آپؐ کے مخالف ہو گئے۔ یہی حال عیسائیوں کا بھی تھا۔ اس لحاظ سے مدینہ میں آپؐ کے تبلیغی کام کی نوعیت ذرا بدل گئی۔ یہاں مقابلہ ان لوگوں سے تھا جن کو یہ ادعا تھا کہ ہم اہلِ علم ہیں۔ ہمارے پاس علمِ الٰہی ہے۔ سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے ہم حامل ہیں۔ مشرکینِ مدینہ بھی ان اہلِ کتاب کے علم و فضل سے مرعوب اور ان کی دینی پیشوائی کے معترف تھے۔ مدینہ کی تبلیغی جد و جہد میں ایک کام تو یہ نہایت ضروری تھا کہ اہلِ کتاب کے تبکدۂ تصورات کو بالکلیہ مسمار کر دیا جائے۔ اور دوسرا کام یہ تھا۔ کہ ان کے ادعائے علم و فضل کی ملمع کاری کو واضح کر کے اہلِ مدینہ کے قلوب سے اہلِ کتاب کی علمی برتری کا اثر زائل

کردیا جائے ۔ چنانچہ جب یہود و نصاریٰ نے آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا رسول نہ مانا اور قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کا انکار کیا تو وہی آیتیں نازل ہوئیں جن میں اُن کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے کید و مکر، انکار و کتمانِ حق کا تاریخی پس منظر سامنے رکھا گیا۔ سورۂ بقرہ کے پانچویں رکوع سے سولھویں رکوع تک کی تمام آیتوں کا تقریباً یہی موضوع بیان ہے جو یٰبنیٓ اِسرآئیل اذکروا سے شروع ہو کر تلک امۃ قد خلت ج لھا ما کسبت ج ولکم ما کسبتم ج ولا تسئلون عما کانوا یعملون o پر ختم ہوتی ہیں۔ اور ان کے باطل عقائد کی تردید میں سورۂ آلِ عمران و سورۂ نساء کی آیتیں اور سورۂ مائدہ نازل ہوئی ۔ تاکہ مدینہ کے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ انکارِ حق، کتمانِ حق اہلِ کتاب کا موروثی مرض ہے۔ اور رسالتِ محمدیہ کے متعلق مسلمانوں کے قلوب میں کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہو۔ اس کام کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم فریضہ یہ بھی تھا کہ اہلِ مکہ کی طرف سے جو شرارتیں اور سازشیں شروع ہو گئی تھیں ۔ ان کی مدافعت اور ان کا انسداد کیا جائے ۔

مسلمانوں کے خلاف کفارِ قریش کی سازش کا آغاز

کفارِ مکہ کو اہلِ ایمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی دشمنی تھی کہ مکہ سے ہجرت کر جانے کے بعد بھی حق کے ان دشمنوں کو چین نہ آیا۔ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ پختہ کر لیا۔ اور مدینہ کے اوس و خزرج قبیلوں کے ایک ممتاز شخص عبداللہ ابنِ ابی، ان دونوں قبیلوں پر جس کا کافی اثر تھا اس کو اور اُس کے رفقاء کو لکھ بھیجا کہ:

"تم نے ہمارے شخص اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ہاں پناہ دی ہے لہذا یا تو اُن سب کو تم وہاں سے نکال دو یا اُن سے لڑو ورنہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ ہم سب یک بارگی تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو باندیاں بنا لیں گے ۔"

اس خط کو پڑھ کر عبداللہ ابن ابی اور اس کی جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپؐ کو اس کی اطلاع ملی تو بنفسِ نفیس عبداللہ ابنِ ابی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ:۔

"قریش نے تم سے ایسی چال چلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکی میں آ گئے تو تمہارا نقصان بہت زیادہ ہوگا کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں اپنے بھائیوں اور فرزندوں کو قتل کرو گے اور اگر تم قریش کی بات کا انکار کر دو اور تمہیں ان سے لڑنا پڑے تو یہ لڑائی غیروں سے ہو گی ۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر ان کی سمجھ میں آ گئی اور تمام مجمع منتشر ہو گیا ۔

اس کے بعد قریش نے خفیہ طور سے یہودیوں سے سازش کرنا شروع کر دی اور جب ان کو اپنے ساتھ ملا چکے تو

اپنی کامیابی پر بھروسہ کر کے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ "تم مغرور و مطمئن نہ ہو جانا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے ہم سب وہیں پہنچ کر تمہارا قلع قمع کئے دیتے ہیں۔" اس پیغام کے بعد انہوں نے چھیڑ چھاڑ بھی شروع کر دی چنانچہ ربیع الاول ۲ھ کا ذکر ہے کہ سرداران قریش میں سے ایک شخص کرز بن جابر الفہری یثرب پہنچا۔ اور مدینہ والوں کے مویشی جو میدان میں چر رہے تھے لوٹ کر لے گیا۔ گویا مدینہ والوں کو اپنی طاقت دکھا گیا کہ ہم تین سو میل کا دھاوا کر کے تمہارے گھروں سے تمہارے مویشی لے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح وقفے وقفے سے دھاوے کرتے رہے ایک موقع پر قریش کے دو آدمی مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل بھی ہو گئے جس کی وجہ سے اُن کی آتشِ انتقام اور بھڑک اُٹھی۔

الغرض جب مدینہ پر حملہ کرنے کا تہیّہ کر لیا گیا تو ماہِ رمضان ۲ھ میں ابو جہل نے مکہ میں مشہور کر دیا کہ ہمارا قافلۂ تجارت جو شام سے آرہا ہے اور زر و مال سے مالا مال ہے مسلمانوں نے اسے لوٹنے کا ارادہ کر لیا ہے اس سے ابو جہل کا مقصود یہ تھا کہ وہ سب لوگ جن کا سرمایہ تجارت میں لگا ہوا ہے اور وہ تمام لوگ جن کے رشتہ دار قافلے میں ہیں اور وہ سب لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے بغض و عناد رکھتے ہیں اور وہ لوگ بھی جن کے دو آدمی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے بالاتفاق مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک ہزار جانباز بہادروں کی خاص فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئی جس کی سواری میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔ ابو جہل اس فوج کو لے کر مکہ سے نکلا اس اثناء میں جس قافلے کی حفاظت کا بہانہ کر کے یہ فوجی اجتماع ہوا تھا وہ مکہ کو بخیریت پہنچ بھی گیا مگر ابو جہل اس فوج کو لئے ہوئے مدینہ کی طرف بڑھتا گیا۔ باطل کی یہ فوج اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر اہلِ حق کو مٹانے کے لئے چلی تھی۔ نورِ حق کو بجھانے کے لئے اہلِ باطل کا یہ سیلاب اٹھا تھا حق کے پرستاروں سے لڑنے کے لئے نہیں اُٹھے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہ باغی اور سرکش، جاہل و نادان بندے اللہ تعالیٰ کے مقابل ہو کر جا رہے تھے۔ مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار عتبہ، شیبہ، ولید، نضر بن بختری، عاص بن ہشام وغیرہم اس فوج میں شامل تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کے لوگ یعنی بنی ہاشم اور آپؐ کے چچا عباس اور چچیرے بھائی عقیل بھی بدرجۂ مجبوری اس فوج میں شریک تھے۔ تقریباً پوری فوج جنگ آزمودہ تھی اور فنونِ سپہ گری کی ماہر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی چڑھائی کی خبر ملی تو آپؐ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ فرمایا۔ مہاجرین نے قابلِ اطمینان جواب دیا۔ آپؐ نے دوبارہ مشورہ کیا مہاجرین نے اسی طرح اطمینان بخش جواب دیا، سہ بارہ مشورہ فرمایا اب انصار نے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جواب کے منتظر ہیں۔ سعد بن عبادہؓ نے عرض کی کہ شاید آپؐ نے یہ سمجھا ہے کہ انصار اپنے شہر سے باہر نکل کر آپؐ کی اعانت اپنا فرض نہیں سمجھتے ہیں۔

انصار کی طرف سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر حال میں حضور کے ساتھ ہیں۔ کسی سے معاہدہ فرمائیے یا کسی سے معاہدہ فسخ کیجئے ہمارے زر و مال سے جس قدر منشائے مبارک ہو لے لیجئے۔ اور جتنا چاہیے ہمارے لئے چھوڑ دیجئے۔ اس زر و مال کا جتنا زیادہ حصہ آپ ہم سے لیں گے وہ ہم کو اس مال سے زیادہ پسند ہو گا جو آپؐ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے سمندر میں گھس جانے کا حکم دیجئے تو تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ غرض جو حکم دیں گے بسر و چشم تعمیل کریں گے حضرت مقداد بن عمروؓ نے کہا۔ "ہم قوم موسیٰؑ کی طرح نہیں جو یہ کہدیں کہ آپؐ اور آپؐ کا رب جا کر لڑئیے۔ اور ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ ہم تو آپؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے لڑنے کے لئے حاضر ہیں۔" بالآخر مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کی مدافعت کی جائے۔

اب تک جنگ کی اجازت نہ تھی۔ لیکن جب دشمن آمادۂ قتال ہی ہو گئے تو اذنِ قتال نازل ہوا۔ اصل آیت درجِ ذیل ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان	؛	جن سے جنگ چھیڑی جا رہی ہے ان کو جنگ کرنے کی اجازت دی
اللّٰہ علیٰ نصرھم لقدیرہ الذین	؛	جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد پر بے شک
اخرجوا من دیارھم بغیر حق الّا	؛	قادر ہے یہ لوگ اپنے وطن سے بلاوجہ صرف اس لئے نکالے
ان یقولوا ربنا اللّٰہ۔ (الحج)	؛	گئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا ہے۔

(نوٹ:) دین الٰہی میں جدال و قتال کے جو احکام ہیں اس پر مخالفین نے بڑے بڑے اعتراضات کئے ہیں اور مفکرین اسلام نے ان کا دندان شکن جواب بھی دیا ہے۔ لیکن ان میں ایک کمزور پہلو بھی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی جدال و قتال کے احکام کے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ صرف مدافعانہ جنگ ہے جارحانہ نہیں۔ اس تفریق کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بلکہ عقل و فطرت کی روشنی میں صرف یہ ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ فتنہ و فساد کے استیصال اور قیامِ امن کے لئے اہلِ فتن و اہلِ فساد سے جنگ ناگزیر ہے۔ بنی آدم کے عروج و زوال کی تاریخ کی کوئی کتاب، جدال و قتال کے باب سے خالی نہیں۔ ہر قوم اپنے جنگی سورماؤں کے حالات اور اپنے جنگی کارناموں کو فخر و ناز سے بیان کرتی ہے۔ جاہل و نادان انسان اپنی عقل و تدبیر سے جو نظامِ زندگی بھی بناتا ہے اور اس کو نافذ اور قائم کرنا چاہتا ہے تو جدال و قتال کے بغیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نظامِ حق کو برپا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے مخالفینِ حق سے جدال و قتال نہ کیا جائے۔ نیز حق کے لئے کیوں جدال و قتال کو قابلِ اعتراض قرار دیا جائے۔ جبکہ اہلِ باطل اپنے باطل و غیر فطری افکار و اعمال کی بقاء و اشاعت کے لئے، اپنے غلبہ و تفوق کو قائم رکھنے کے لئے سراپا فولاد میں ڈوب جائیں، کروڑہا روپیہ آلاتِ حرب کی تیاری میں صرف کریں۔ چشم زدن میں بڑی بڑی

آبادیوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے جوہری توانائیاں ایجاد کریں۔ جس کی زد سے ضعیف، معذور، عورتیں اور بچے بھی نہیں بچ سکتے اور قیامِ امن کے نام سے بنی آدم کو ہلاک کرنے کی یہ تمام تدبیریں بالکل جائز، بلکہ سیاست کے لئے بے حد ضروری سمجھی جائیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جدال و قتال سے زیادہ بنی آدم کے لئے جو چیز ضرر رساں ہے وہ فتنہ و فساد ہے۔ جیسا کہ کلامِ الٰہی سے ظاہر ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۔ (سورہ بقرہ)

مطلب یہ ہے کہ فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے جو جدال و قتال کیا جاتا ہے، خود فتنہ و فساد اس سے کہیں زیادہ ضرر رساں ہے۔ پس دینِ حق، الٰہی تعلیم میں اہلِ فتن و اہلِ فساد سے جدال و قتال کی جو اجازت ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور ان کا غلبہ باقی نہ رہے وہ عین عقل و فطرت کے مطابق ہے نادان معترضین سے سوال یہ ہے کہ ؎

انصاف سے غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
حق سے تو ہو محاسبہ باطل سے درگذر

باطل اور غیر فطری افکار جو دراصل "کلھم واحدۃ" (سب ایک) ہوتے ہیں وہ آپس میں ٹکرا جاتے ہیں تو پھر حق و باطل جو ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں ان میں ٹکراؤ اور تصادم ایک لازمی بات ہے۔ اور باطل کو مغلوب رکھنے کے لئے حتی المقدور اسبابِ ظاہری سے آراستہ و پیراستہ رہنا الٰہی تعلیم کا لاینفک جزو ہے۔ افسوس کہ دینی تعلیم کے اس اہم جزو کو مسلمانوں نے بھلا دیا۔

کلامِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ اجازتِ قتال کے بعد جب قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو بعض اصحاب پر (جو شاید نئے نئے داخلِ اسلام ہوئے تھے) یہ حکم گراں گزرا۔ ملاحظہ ہو سورۂ نساء رکوع گیارہ۔

فلما کتب علیھم القتال اذا فریقٌ	پس جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے بعض
منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ	اصحاب، لوگوں (مخالفوں) سے ایسا ڈرنے لگے جیسے کوئی
او اشد خشیۃ ج وقالوا ربنا لم	اللہ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ اور یوں کہنے
کتبت علینا القتال ج لولا اخرتنا	لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر (ابھی) قتال کیوں فرض
الیٰ اجلٍ قریب ط	فرما دیا ہم کو کاش تھوڑی اور مہلت دے دی ہوتی۔

قلوب میں یہ کمزوری پیدا ہوتے ہی وحی نازل ہوئی۔

قل متاع الدنیا قلیلٌ والاٰخرۃ خیرٌ لمن اتقیٰ ۝

(ترجمہ) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ متاعِ دنیا چند روزہ ہے اور آخرت بہتر ہے اُس کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ دنیا ادنیٰ یعنی ناقابلِ التفات ہے اصلی چیز آخرت کی زندگی ہے۔ متقین کو چاہیئے کہ اسی کو مقصود بنائیں۔ دنیا تو بہرحال گزر ہی جائے گی۔ دنیا کی محبت میں ابدی خیرو ابقیٰ زندگی کا نقصان انہیں ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔

(نوٹ :۔ قتال وخونریزی کے خیال سے جو کمزوری مسلمانوں میں پیدا ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کی خیرو ابقیٰ زندگی کو سامنے رکھ کر اس کو دور فرمادیا۔ کلامِ الہیٰ سے واضح ہے کہ جب کبھی اہلِ ایمان کے قلوب میں ایسی کمزوری نمایاں ہوئی یا دنیا کی طرف میلان پیدا ہوا یا دنیا پرستوں کی دنیاوی خوش حالی پر رشک پیدا ہوا تو ان مواقع پر اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی اسی طرح تربیت فرمائی کہ دنیا کی طرف سے ان کی توجہ ہٹاکر آخرت کی خیرو ابقیٰ زندگی کی طرف پھیر دی۔ اس زمانہ کے مصلحین کے لئے اس میں کافی سبق ہے۔)

غرض علمی ولسانی جہاد کے ساتھ ساتھ جہاد بالسیف کا بھی آغاز ہوگیا۔ اور بارہ(۱۲) رمضان سنہ ۲ھ کو مدینہ میں مستورات کی حفاظت اور دیگر انتظامات کے لئے ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو اپنا جانشین مقرر کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ (۳۱۳) جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور بدر جو مدینہ سے آٹھ میل پر ایک گاؤں کا نام ہے اس کی طرف بڑھے کیونکہ اُدھر ہی سے قریشی فوج کی آمد کی خبر تھی۔ دو جاسوس آگے روانہ کردیئے تاکہ قریش کے نقل وحرکت کی خبر لائیں۔ سترہ ۱۷ رمضان کو آپ مقامِ بدر پہنچے۔ خبر رسانوں نے اطلاع دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، مجاہدین کی فوج کے ساتھ یہیں رُک گئے۔ اور یہیں پڑاؤ کیا۔ اس فوج میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ یہ مقام بالکل ریتیلا تھا اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ حباب بن منذرؓ صحابی نے عرض کی۔ کیا یہ مقام وحیِ الہیٰ کی بنا پر منتخب کیا گیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نہیں! حضرت حبابؓ نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بے کار کردیئے جائیں۔ آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس وقت مینہ برسادیا۔ جس سے ریتیلی زمین جم گئی اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنالئے گئے۔ کہ وضو اور غسل کے کام آئیں۔ دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔ اب رات ہوگئی تھی اور یہ معلوم تھا کہ صبح دشمن سے مقابل ہونا ہے جان کی بازی کھیلنا ہے۔ پھر بھی صحابہؓ رات بھر آرام سے سوتے رہے۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور فضل واحسان تھا کہ مجاہدین کو رات بھر اطمینان سے سلادیا۔ چنانچہ پانی برسانے اور اطمینان سے سلادینے کا ذکر سورۂ انفال میں ہے۔

اذیغشیکم النعاس امنۃ منہ و ❊ جبکہ (اللہ تعالیٰ) تم پر اونگھ کو طاری فرما رہا تھا اپنی طرف
ینزل علیکم من السمآء مآء ❊ سے چین دینے کے لئے اور (اس کے قبل) تم پر آسمان سے پانی
لیطھرکم بہ (الی الآیہ) ❊ برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو (حدثِ اصغر و اکبر
❊ پاک کردے۔

البتہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک بیدار اور مصروفِ دعا رہے صبح ہوئی تو نماز کے لئے اذان دی گئی اور بعد نماز آپ نے جہاد پر وعظ فرمایا آپؐ کے لئے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کر دیا گیا تھا کہ آپؐ اس میں تشریف رکھیں۔ اور ایک صحابی دروازہ پر تیغ بکف نگرانی کے لئے مقرر ہوئے۔

اصولِ جنگ کے مطابق آپؐ نے فوجیں مرتب کیں۔ مہاجرین اور اوس و خزرج کے تین دستے قائم کئے۔ مہاجرین کا علم مصعب بن عمیرؓ کو عنایت فرمایا۔ اوس کے علمبردار سعد بن معاذؓ اور خزرج کے علمبردار حباب بن منذرؓ مقرر ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے آپؐ نے صف آرائی شروع کی۔ دستِ مبارک میں ایک تیر تھا جس کے اشارے سے صفیں قائم کرتے اور تاکید کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ نیز یہ تاکید بھی کردی تھی کہ بالکل خاموش کھڑے رہیں اور کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلے۔ اہلِ حق اور اہلِ باطل کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کے متعلق خاص خاص ہدایتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ایک حکم تو یہ دیا گیا کہ جب تم میدانِ قتال میں پہنچ کر دشمن کے مقابل صف آراء ہو جاؤ اور مقابلہ شروع ہو جائے تو پھر مارنے اور مرنے کے سوا دوسرا خیال تمہارے ذہن میں بھی نہ آئے یعنی دشمنوں کے دباؤ سے مرعوب ہو کر یا اپنی جان کے خوف سے پیٹھ پھیر کر کوئی نہ بھاگے۔ کیونکہ یہ وہ جرم ہے جس کے ارتکاب کے بعد تمام نیکیاں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اور اس جرم کے مجرم پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور وہ دوزخ کا مستحق قرار پاتا ہے۔

یآیھا الذین امنوآ اذا لقیتم ❊ اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں) مقابل ہو جاؤ تو
الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم ❊ ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقعہ پر (مقابلہ
الادبار ٥ ومن یولھم یومئذٍ ❊ کے وقت) پشت پھیرے گا سوا اُس شخص کے جو لڑائی کے لئے پینترا
دبرہٗ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً ❊ بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ
الیٰ فئۃٍ فقد بآء بغضبٍ من اللہ ❊ ہے باقی جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا
وماوٰہ جھنم ط وبئس المصیر ❊ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ
(سورۂ انفال) ❊ ہے۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ عموماً جنگ کے موقع پر جاہل قوموں کا جو طریقہ ہے کہ اکڑتے، اتراتے اور اپنی شان و شوکت لوگوں کو دکھلاتے ہوئے گھروں سے نکلتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ ان جاہلانہ طریقوں سے بالکل محترز رہیں کیونکہ ایسی باتیں آدابِ بندگی کے خلاف ہیں۔

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم ❖ اور ان اہلِ باطل کے مشابہ مت بنو جو (جنگ کے موقع پر) اپنے
بطرا ورئاء الناس (الی الآیہ) (سورۂ انفال) ❖ گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھلاتے ہوئے نکلتے ہیں

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ جب تم دشمنوں کے روبرو ہو جاؤ تو نہایت ثابت قدم رہو اور اپنی تعداد پر، اپنی قوت و قابلیت پر، اپنے سامان حرب پر مطلق بھروسہ نہ رکھو، بلکہ اللہ ہی سے لو لگائے رکھو۔ پوری توجہ اللہ ہی کی طرف رہنی چاہیے دل میں اللہ ہی سے تائید و نصرت کی طلب اور اللہ ہی پر پورا پورا بھروسہ رکھو تمہاری کامیابی کا یہی اصلی راز ہے

یایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ ❖ اے ایمان والو! جب تم (دشمن کی) جماعت سے مقابل ہو
فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم ❖ ہو جاؤ تو (پوری طرح) ثابت قدم رہو۔ اور کثرت سے اللہ
تفلحون ۰ (سورۂ انفال) ❖ کو یاد کرو امید ہے کہ تم کامیاب رہو۔

چوتھا حکم یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں اس کی پوری پوری پابندی کرو اور لڑائی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی ہدایت دیں بلاچون و چرا اس کی تعمیل کرو اور کسی بات کو نزاعی نہ بناؤ ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے۔ تم میں پراگندگی پیدا ہو جائے گی اور جدال و قتال میں جو تکلیف بھی پہنچے اس کو برداشت کرو کیونکہ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ حق تعالیٰ انہی لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو دینِ الٰہی کی بقاء و اشاعت میں ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرتے ہیں۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا ❖ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف مت
فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ❖ کرو، (اپنے فوجی افسروں سے بھی) ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے
ان اللہ مع الصابرین ۰ (الانفال) ❖ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی اور صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

(نوٹ:۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس آیت کریمہ کو بھی پیش کر دوں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فنونِ حرب و سپہ گری سے واقف ہونا اور ہر زمانہ کے آلاتِ حرب سے مسلح رہنا اور اس غرض کیلئے زر و مال کو خرچ کرنا الٰہی تعلیم کا لاینفک جزو ہے۔"

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و ❖ اور ان کافروں سے (مقابلہ) کے لئے حتی المقدور زور و طاقت
من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ ❖ سے پلے ہوئے گھوڑوں سے، تیار رہو اس کے ذریعہ سے تم از

وعدوکم واخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شیئٍ فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون ٥ (الانفال)

لوگوں پر جو اللہ کے اور تمہارے دشمن ہیں رعب جمائے رکھو اور ان دشمنوں پر بھی جو ان کے علاوہ ہیں جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدل تم کو دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔

اس ربانی تعلیم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں فوجی اور غیر فوجی کی تفریق ہی نہیں۔ بلکہ دنیائے اسلام کا ہر فرد فوجی ہے جاں نثار بندہ ہے۔ مردِ مجاہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام کے پورے پورے مزاج شناس تھے انہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ جس مسلمان کے گھر بچہ پیدا ہو اس کے نام فوجی وظیفہ جاری کر دیتے۔ افسوس صدیاں گزر گئیں کہ مسلمان دین کی اس اہم تعلیم کو بھلا بیٹھے اور حرب و ضرب سے اتنے ناآشنائے محض ہو گئے کہ ایک شاعر (اقبال) کو یہ کہنا پڑا سے

تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں ہیں کہاں ٭ ہو بھی تو دل ہے موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہے جس کا دل ٭ کہتا ہے کون اس کو مسلماں کی موت مر

دین وایمان کی تجدید اور اُس کا احیاء یہی ہے کہ مسلمانوں کو مغفرت وجنت و درجاتِ جنّت کا طالب و حریص بنا کر اُن میں علمی جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی قابلیت پیدا ہونے کی کوشش کی جائے اگر یہ نہ ہو تو پھر "دیں بندۂ مومن کے لئے موت ہے یا خواب" یا "بت کدۂ تصورات"۔)

علاوہ ازیں ان مجاہدینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ بھی سمجھا دیا تھا کہ اصلی قوت صبر و ایمان کی قوت ہے۔ ظاہری اسباب یعنی تعداد اور سامانِ حرب کتنا ہی کم ہو، صبر و ایمان کی توانائیاں اگر حاصل ہیں اور دشمن کے پاس ان سے دس گنی زیادہ قوت ہو تو بھی اہلِ ایمان ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ یہ ایمان افروز اور جرأت آفرین تعلیم پا کر صحابۂ کرام رضی سیلابِ باطل کے مقابلہ میں کوہِ آہن کی طرح ڈٹ گئے۔

اس موقعہ پر جبکہ دشمن کی تقریباً سہ گنی تعداد مقابل تھی۔ مسلمانوں کے پاس ایک دو آدمیوں کا اضافہ ہو جانا بھی بسا غنیمت تھا۔ ایسی ایک صورت پیش بھی آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ یہ عمل اسلامی اخلاق کے خلاف تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابو حذیفہ بن الیمان رض اور ابو حسیل رض یہ دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے۔ راہ میں کفار نے ان کو اس شبہ میں روک لیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے جا رہے ہیں۔ ان حضرات نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ کفار نے ان کو چھوڑ دیا۔ وہ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

اب دو فوجیں آمنے سامنے ایک دوسرے کے مقابل تھیں، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ تو نے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔ محویت و اضطراب کے عالم میں کبھی سجدے میں گر جاتے اور دعا کرتے کہ الٰہی یہ چند نفوس ہیں ان کی مدد فرما۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئیں تاہم آپؐ نے صحابہؓ کو آگے بڑھنے سے روکا اور فرمایا، جب دشمن پاس آجائیں تو اپنے تیروں سے روکو۔ لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ عتبہ بن ربیعہ جو سردار لشکر تھا وہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارزطلبی کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت عوفؓ۔ معاذؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام و نسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ انصار ہیں تو اس نے کہا ہم تم سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا کہ محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ ہم قریشی ہیں۔ ہمارے مقابلے کے لئے قریشیوں کو بھیجو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو واپس بلا لیا اور حضرت حمزہؓ، علیؓ و عبیدہؓ میدان میں بھیجا۔ عتبہ، حضرت حمزہؓ سے اور ولید، حضرت علیؓ سے مقابل ہوا۔ ان حضرات کے ہاتھوں یہ دونوں واصل بہ جہنم ہوئے۔ حضرت عبیدہؓ اس مقابلہ کو دیکھ رہے تھے شیبہ نے بے خبری میں آپ پر حملہ کر دیا اور آپ بُری طرح زخمی ہوگئے۔ سیدنا علیؓ نے بڑھکر شیبہ کو ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اُٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہؓ نے آپؐ سے پوچھا کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔ اس کے بعد حضرت عبیدہؓ کی روح پرواز کر گئی۔ اس کے بعد عام حملہ شروع ہوگیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے اور صحابۂ کرامؓ اللہ کے بھروسہ پر مصروفِ پیکار تھے اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سربسجود محوِ دعا۔ تائیدِ الٰہی تھی کہ صحابۂ کرام کے کچے زنگ آلود تیر دشمنوں کے زرہ بکتر کو توڑ کر ان کے سینوں کے پار ہوتے تھے اور دشمنوں کے فولادی آب دار تیر صحابہؓ کے جسموں کو لگ کر نیچے گرتے جا رہے تھے۔ اُدھر کفار اپنی کامیابی کے لئے پوری قوت صرف کر رہے تھے۔ اُدھر مجاہدین جانبازی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ اہل باطل کی صف سے ایک بڑا جنگجو پہلوان ابوکرش نکلا اور للکار کر کہا کہ کون میرا مقابلہ کرتا ہے۔ اہلِ حق کی صف سے سیدنا زبیرؓ برچھی لے کر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ ابوکرش سر سے پاؤں تک فولاد میں ڈوبا ہوا تھا صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ سیدنا زبیرؓ نے تاک کر آنکھ میں برچھی ماری۔ برچھی بھیجہ پھوڑ کر اُس پار نکل آئی۔ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس طرح پیوست ہوگئی تھی کہ سیدنا زبیرؓ نے اس کی لاش پہ پاؤں رکھ کر

کھینچی تو بڑی مشکل سے نکلی ۔ لیکن اس کا سر اخم ہوگیا تھا۔ سیدنا حمزہؓ ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ جدھر رُخ کرتے صفوں کی صفیں تہ و بالا کر دیتے ۔ ابو جہل اپنی فوج کو ابھار ابھار کر لڑا رہا تھا۔ چونکہ اس کی دشمنی کا چرچا عام تھا اس بنا پر انصار میں سے دو نوجوان معوذؓ و معاذؓ جو بھائی بھائی تھے پتہ لگا کر ابو جہل کی طرف باز کی طرح جھپٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایسے وار کئے کہ ابو جہل خاک و خون میں لوٹنے لگا۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے معاذؓ کے بائیں شانے پر تلوار ماری جس سے اُن کا بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی تھا۔ معاذؓ اسی حالت میں لڑتے رہے ۔ لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی ۔ اس لئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہوگیا ۔ پھر وہ بلا دقت مصروفِ پیکار رہے ۔ اسی طرح کئی گھنٹے نبرد آزمائی میں گزر گئے اور آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا ۔ مگر ابھی تک جنگ کی کوئی فیصلہ کن صورت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ربّ العزت سے فتح کا مژدہ لے کر برآمد ہوئے ۔ آپؐ کا رُخِ انور نظر آتے ہی صحابۂ کرامؓ کے حوصلے اور بڑھ گئے ۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی جانب نظر ڈالی اور ایک مٹھی ریت اُٹھا کر ان کی طرف پھینکی ، اس کے ساتھ ہی آندھی کا ایک تند و تیز جھونکا آیا اور کفّار کی آنکھیں اور چہرے ریت و کنکروں سے جھلس گئے ۔ اور فوج میں ایک ابتری پیدا ہوگئی ۔ اِدھر صحابۂ کرامؓ ایک دم سے اُن پر ٹوٹ پڑے اہلِ باطل کی ہمت ٹوٹ گئی ۔ انہوں نے راہِ فرار اختیار کی ۔ صحابۂ کرام نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل کی تلاش تھی ۔ آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی جا کر ابو جہل کی خبر لائے عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا تو وہ اس کا سر کاٹ لائے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا ۔

یہ اس جنگ کا انجام ہے جس میں ایک فریق کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی ۔ جن میں تین سو سوار تھے اور تقریباً ہر سپاہی تمام ہتھیاروں سے مسلح اور لوہے میں غرق تھا ۔ اور دوسرے فریق کے پاس صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) جانباز ، جن میں صرف دو سو ، سوار تھے اور بہت کم لوگوں کے پاس پورے ہتھیار تھے ۔ چند ہی کے پاس تلواریں تھیں ورنہ کسی کے پاس صرف نیزے اور کسی کے پاس صرف تیر و کمان ، بایں ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ (۱۴) حضرات نے شہادت کا شرف پایا ۔ جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے ۔ لیکن اہلِ باطل کی تو گویا اصلی طاقت ہی ٹوٹ گئی ۔ رؤسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ، چُن چُن کر مارے گئے ان میں عتبہ ، شیبہ ، ابو جہل ، ابوالبختری ، زمعۃ بن الاسود ، عاص بن ہشام ، امیہ بن خلف ، ولید وغیرہ جو کہ قریش کے سرتاج تھے ۔ تقریباً ستر (۷۰) آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے ۔ اسیرانِ جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن حارث

قتل کردیئے گئے۔ اور باقی . . . . . . مدینہ لائے گئے ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے داماد ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی تھے

اگرچہ اس زمانے میں دشمنوں کی لاشوں کو دفن کرنے کا طریقہ نہ تھا۔ مگر مقتول مشرکین کی تمام لاشوں کو کسی بے حرمتی کے بغیر ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوئیں کے دہانے پر کھڑے ہوکر فرمایا "هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا" (تمہارے پروردگار نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اس کو سچ پایا۔) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا آپؐ ان کو مخاطب کرتے ہیں جن کے جسم بے روح ہیں۔ روایت ہے کہ آپؐ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا۔

ما انتم باسمع منهم ولكن ❊ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں
لايجيبون ٥ ❊ دے سکتے۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرح وہ بھی سنتے ہیں۔

(نوٹ:۔ اسی روایت کی بناء پر سمع موتیٰ ثابت کیا جاتا ہے کہ گویا بلا اختلاف یہ طے شدہ مسئلہ ہے حالانکہ جب سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بیان کی گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا بلکہ یہ ارشاد فرمایا:۔

انهم ليعلمون الان ان ما كنت ❊ وہ اس وقت بالیقین یہ جانتے ہیں کہ میں جو کہتا تھا
اقول لهم حق ❊ وہ سچ ہے۔ (یعنی عذابِ نار کو اب دیکھ رہے ہیں)۔

اس کے بعد پھر سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سابقہ روایت یعنی مردے سننے کی روایت، آیت کریمہ:۔

انك لا تسمع الموتىٰ ❊ آپ مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے۔

کے خلاف ہے اس لئے قابلِ قبول نہیں تمام محدثین نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کو مان لیا ایسی صورت میں نفعِ دنیا کی خاطر استعانت بالاولیاء کا جواز اس روایت سے ثابت کرنا محض تاویل الجاہلین ہے۔)

مدینہ واپس آنے کے بعد اسیرانِ جنگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے اس موقعہ پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی اہلیہ محترمہ بھی تشریف رکھتی تھیں ان قیدیوں میں ان کے ایک عزیز سہیل بن عمرو بھی تھے جب ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ "تم نے عورتوں کی طرح بیڑیاں پہن لیں یہ نہ ہو سکا کہ لڑکر مرجاتے۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ آپؐ نے کسی قدر برہمی کے ساتھ فرمایا کہ تم اللہ اور رسول کے دشمنوں کی حمایت کرتی ہو اور اُن کو غیرت دلاتی ہو۔" حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ادباً معافی

مانگتے ہوئے فرمایا' یارسول اللہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اسلام لانے کے بعد دشمنانِ حق سے اتنا لگاؤ بھی مرضیٔ رب کے خلاف ہے۔

(نوٹ:۔ آج کل کے مسلمان اہلِ علم ہی کیوں نہ ہوں (الا ماشاء اللہ) شاید نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تنبیہ کو "شدت" سے تعبیر کریں۔ مگر یہ نبوت کا عمل ہے ہر ایسے موقعہ پر آپ شدت ہی برتتے تھے۔ بسا اوقات ایسے مواقع پر اتنے برہم ہوجاتے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوجاتا کیونکہ اس قسم کے رجحانات کا اگر اُسی وقت سدِّباب نہ کردیا جائے تو یہ وہ روزن ہیں جن کے اندر سے کفر و شرک کے جراثیم غیر شعوری طور سے داخل ہوجاتے ہیں۔ نبوت کی باریک بیں نگاہ ان احتمالات کو محسوس کرلیتی ہے۔ اور پوری قوت کے ساتھ ان کی روک تھام کردی جاتی ہے۔ امت کے رہنماؤں میں جب سے بصیرتِ محمدیہ کا فقدان ہوتا گیا۔ شرک و کفر کے جراثیم افرادِ امت کے قلوب میں غیر شعوری طور سے داخل ہوتے گئے۔ رفتہ رفتہ اب یہ حال ہوگیا ہے کہ شرک و کفر کے بیشتر عناصر دین و ایمان کے اجزا بنے ہوئے ہیں۔)

جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک

اسیرانِ جنگ دو دو چار چار صحابہؓ کو تقسیم کردیئے گئے۔ اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں صحابۂ کرامؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور پر اکتفا کرلیتے۔ ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز بھی تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ جن انصاریوں نے مجھکو اپنے گھر میں قید رکھا تھا جب وہ صبح و شام کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجور اٹھالیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس کردیتے۔ یہ اس بناء پر تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کردی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے قیدیوں میں ایک شخص نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ یارسول اللہ اس کے نچلے دو دانت اکھڑوا دیجئے تاکہ گفتگو صاف نہ کرسکے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کے کسی عضو کو بگاڑدوں گا تو گو میں نبی ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اس کی جزا میں میرے اعضاء بھی بگاڑ دے گا۔

اسیرانِ جنگ کے متعلق مشورہ کیا گیا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ سیدنا صدیقؓ نے عرض کیا فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔ اس کے برخلاف سیدنا عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کردیئے جائیں اور اسطرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیقؓ کی رائے پسند فرمائی اور سب نے اسی پر

اتفاق کیا۔ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ امراء سے فدیہ زیادہ لیا گیا اور جو بالکل نادار تھے بلا فدیہ چھوڑ دیئے گئے۔ البتہ ان ناداروں میں جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دس دس لوگوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سیدنا عباس سے دولت مند ہونے کی وجہ سے فدیہ کی رقم زیادہ لی گئی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کمی رقم کی درخواست کی آپؐ نے نامنظور کر دیا۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر اسلام میں قریب و بعید عزیز و بیگانہ اور عام و خاص کی تفریق مٹ چکی تھی (لیکن ایک طرف تو ادائے فرض میں یہ مساوات تھی اور دوسری طرف فطری محبت کا یہ تقاضا تھا کہ رات، حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز سن کر آپؐ سو نہ سکے۔ جب اُن کی مشکیں کھول دی گئیں تب آپؐ کو نیند آئی۔ لیکن یہاں بھی مساوات کا اصول ٹوٹا نہیں اور تمام قیدیوں کی مشکیں حضرت عباسؓ کے ساتھ کھول دی گئیں۔

سورۂ انفال کے رکوع (۹) سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دینے کے بجائے فدیہ لے کر چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ کیونکہ فدیہ لینے میں دنیا کے زر و مال کی طرف میلان معلوم ہوتا تھا اس لئے عتاب آمیز لہجہ میں یہ تنبیہ نازل ہوئی۔

تریدون عرض الدّنیا ۖ واللہ یرید الاٰخرۃ ۗ واللہ عزیز حکیم ○ لولا کتٰب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذابٌ عظیمٌ ○

(تم دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت (کی بہتری) کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔)

(نوٹ:۔ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ نزولِ قرآن کا زمانہ صحابۂ کرام کی تعلیم، تربیت، تزکیہ و اصلاح کا زمانہ تھا۔ اس لئے ایسے واقعات نہ قابلِ تعجب ہیں اور نہ قابلِ اعتراض اور نہ اس سے صحابۂ کرام کے علوئے مرتبت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ اصلاح و تزکیہ کے لئے بطورِ خاص ایسی ہدایتوں کو ہر وقت پیشِ نظر رکھیں۔)

بدر کے نتائج

بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگوں اثرات پیدا کئے، حقیقت میں اسلام کی ترقی کا یہ قدمِ اوّلین تھا۔ قریش کے بڑے بڑے رؤسا جن میں ہر ایک اسلام کی راہ میں سدِّ آہن تھا اکثر مارے گئے جس سے قریش کا اصلی زور گھٹ گیا۔

مدینہ میں اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا۔ بدر کی فتح کے بعد اُس نے بظاہر اسلام قبول

کر لیا مگر تمام عمر منافق رہا - اور اسی حالت میں جان دی -
دیگر قبائلِ عرب جو واقعات کا رُخ دیکھ رہے تھے وہ بھی اپنی جگہ سہم گئے۔
یہود سے معاہدہ تھا کہ وہ غیر جانبدار رہیں گے لیکن اس فتح سے ان میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی اور وہ معاہدہ پر قائم نہ رہ سکے۔
فتحِ بدر کے بعد مکہ میں گھر گھر ماتم تھا اور انتقام کے لیئے مکہ کا بچّہ بچّہ منتظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قتل کی سازش

عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ جو اسلام کے سخت مخالف تھے اور جن کے باپ اور بھائی جنگِ بدر میں مارے گئے تھے ایک جگہ بیٹھے ہوئے مقتولینِ بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا اب جینے میں مزہ نہیں رہا۔ عمیر نے کہا سچ کہتے ہو اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں مدینہ جاتا اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا۔ صفوان نے کہا تم قرض اور بچوں کی فکر نہ کرو ان کا میں ذمہ دار ہوں، عمیر قتل کے لیئے آمادہ ہو گیا گھر آکر تلوار کو زہر آلود کیا اور مدینہ پہنچا۔ مسجد نبوی کے سامنے سیدنا عمرؓ نے اس کو دیکھا اور اس کے تیور سے سمجھ گئے کہ یہ شیطان ضرور کسی مفسد ارادہ سے آیا ہے۔ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عمیر مسلح چلا آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا آنے دو۔ سیدنا عمرؓ اس کی تلوار پر قبضہ کر کے اس کو خدمتِ اقدس میں لائے۔ آپ نے دریافت فرمایا یہاں کیسے آنا ہوا۔ عمیر نے کہا میرا بیٹا جو اسیرانِ بدر میں ہے اس کی خبر لینے آیا ہوں۔ آپ نے مکرر پوچھا، سچ سچ کہو عمیر نے وہی جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش کی خبر مل گئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے اور صفوان نے ایک جگہ بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ عمیر یہ سن کر سناٹے میں آگیا اور بے اختیار بول اٹھا، محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک تم پیغمبر ہو۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا کسی کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔ یہ کہہ کر اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا کفار قریش جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سُنی۔

عمیرؓ مجاہدانہ شان سے مکہ واپس ہوئے جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ عمیر کو اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ مخالفت تھی اب اسی شدّت سے وہ دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے۔ انہوں نے ضرر جان و مال سے بے خوف ہو کر مکہ میں دعوتِ حق کو پھیلانا شروع کیا۔ اور ان کے ذریعہ بہت سے لوگ مشرف با سلام ہوئے۔

مسلمانوں کی تعلیم کا آغاز

اسیرانِ بدر میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی تعلیم کا بھی انتظام فرمایا۔ جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ ہو۔

۲ھ ہجری۔ تحویلِ قبلہ

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے کعبہ میں مقامِ ابراہیمؑ کے سامنے اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ آپؐ کا رخ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف رہتا تھا مدینہ میں ہجرت کر کے آنے کے بعد تقریباً سولہ مہینے تک باذنِ الٰہی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن آپؐ کی دلی تمنا تھی کہ کعبۃ اللہ قبلۂ نماز قرار پا جائے۔ کیونکہ یہی اصلی قبلۂ ابراہیمی تھا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۷ میں آپؐ کی دلی تمنا کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

قد نریٰ تقلّب وجهك فی السمآء ۔ ہم آپ کا منہ بار بار آسمان کی طرف اٹھا دیکھ رہے تھے پس ہم
فلنولّینّك قبلة ترضها ۔ نے آپ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف آپ کا رخ کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ آپؐ تبدیلِ قبلہ کے لئے وحی الٰہی کے منتظر تھے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا۔

فول وجهك شطر المسجد الحرام وحیث ۔ پس اپنا منہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیجئے تم سب (اہلِ
ماکنتم فولوا وجوهكم شطره ۔ ایمان بھی) جہاں کہیں ہوں اپنا منہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف کیا کریں

اس تحویلِ قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا۔ ان کو مشرکینِ مدینہ کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا۔ اور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے۔ دینِ حق کی اشاعت سے یہودیوں کے مذہبی امتیاز کو صدمہ پہنچ ہی رہا تھا تاہم چونکہ اسلام کا قبلہ ہنوز بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ ایک گونہ ضبط و سکون سے کام لے رہے تھے۔ (اگرچہ پس پردہ دینِ حق کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے) تحویلِ قبلہ کے بعد ان کی ناراضی اور برہمی کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا۔ انہوں نے یہ غلط بات کہہ کر مسلمانوں کو متزلزل کرنا چاہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محض ہماری مخالفت میں قبلہ بدل دیا ہے۔ ورنہ اصل قبلۂ ابراہیمی کعبہ نہیں تھا بیت المقدس ہی تھا۔ نیز جو لوگ بالکل ہی نو واردانِ اسلام تھے ان کے لئے بھی قبلہ کی تبدیلی موجبِ خلش ہو گئی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں ہے۔ اس بناء پر قبلہ کی اصلیت واضح کرنے اور یہودیوں کی شرارت کا پردہ

چاک کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ چند آیتیں نازل ہوئیں۔

۱۔ سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا	اب بے وقوف لوگ ضرور کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت)
وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا	قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے رخ کیا کرتے تھے۔
قل لله المشرق والمغرب یهدی من یشآء	کس بات نے پھیر دیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ سب مشرق و مغرب اللہ
الی صراط مستقیم ○ (بقرہ ع ۱۷)	ہی کی ملک ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں سیدھا راستہ بتلا دیتے ہیں
۲۔ وما جعلنا القبلة التی کنت علیها	اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ محض
الا لنعلم من یتبع الرسول ممن	اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی اتباع کرتا ہے
ینقلب علی عقبیه	اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے۔
۳۔ وان الذین اوتوا الکتب لیعلمون	اور یہ اہلِ کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حکم حق ہے اور ان
انه الحق من ربهم	کے رب کی طرف سے ہے۔
وان فریقا منهم لیکتمون الحق	اور بعضے ان میں سے امرِ واقعی کو خوب جانتے ہیں
وهم یعلمون ○	مگر اخفا کرتے ہیں۔
۴۔ لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل	نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف۔
المشرق والمغرب ولکن البر من امن	بلکہ اصل نیکی پر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے
بالله والیوم الاخر (الی الآیہ) (سورہ بقرہ ع ۲۲)	اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

ان آیتوں میں سب سے پہلے یہ حقیقت واضح کی گئی کہ مشرق ہو یا مغرب سب اللہ ہی کی سمت ہے۔ اور اللہ کے پاس سب برابر ہیں۔ اور راہِ حق، اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں دکھا دیتے ہیں۔ نماز کے لئے ایک مقررہ سمت ہونا ضروری ہے۔ اور اس کا مقرر کرنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ پھر یہ کہ تحویلِ قبلہ کا حکم اس لئے دیا گیا کہ مومن و منافق کی پہچان ہو جائے اور جو اہلِ کتاب یہ سمجھ کر آپؐ کا ساتھ دے رہے تھے کہ ہمارا اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قبلہ ایک ہی یعنی بیت المقدس ہے وہ در اصل نمائشی مسلمان تھے۔ ایسے نمائشی مسلمان قبلہ بدلتے ہی آپ کی اتباع سے پھر گئے۔ اس کے بعد اہلِ کتاب کی شرارت بیان فرمائی کہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کعبۃ اللہ ہی قبلۂ ابراہیمی تھا۔ اور آخری رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کا یہی قبلہ ہوگا۔ مگر حق کو چھپا کر وہ مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے تھے اور مسلمانوں کو یہ غلط بات باور کرا رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محض ہماری مخالفت میں اصلی قبلہ بیت المقدس کو بدل دیا ہے۔ حالانکہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کے حکم سے ہوئی تھی۔ سب سے آخر میں یہ نکتہ بھی واضح فرما دیا کہ کوئی خاص قبلہ، نیکی کا اصلی معیار نہیں ہے۔ بلکہ اصلی نیکی

الٰہی تعلیم کے مطابق ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اور اسی کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

۳ھ ہجری کے بعض دیگر واقعات و غزوہ سویق

فاطمہ زہراؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں ان کی شادی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے عمل میں آئی۔

رمضان کے روزے فرض ہوئے اور صدقۂ عید الفطر کا حکم جاری ہوا۔ اور آپؐ نے عید الفطر کی نماز با جماعت عید گاہ میں اسی سال ادا فرمائی۔ اذان کا مشروع طریقہ جاری ہوا۔ زکوٰۃ فرض ہوئی۔

ابوسفیان جو عتبہ و ابوجہل کے بعد اب قریش کا سردار تھا وہ بدر کا انتقام لینے کے لئے دو سو شتر سوارو کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اور مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی آبادی جس کا نام عریض تھا اس میں گھس کر ایک انصاری کو قتل کیا اور چند مکانات اور گھانس کے انبار جلا دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے اس کا تعاقب کیا۔ ابوسفیان کے پاس رسد کے سامان میں ستو تھا۔ جو اونٹوں پر لدا ہوا تھا بھاگنے میں دشواری پیش نہ آنے کے خیال سے ابوسفیان راستے میں ستو کے بورے پھینکتا گیا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہوا۔

۳ھ ہجری غزوۂ اُحد

جنگِ بدر میں قریش کے ستّر آدمی مارے گئے تھے جن میں سے اکثر قریش کے سرتاج و افسر تھے۔ اس بناء پر تمام اہلِ مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھے۔ وہ سب لوگ جن کے پدر و فرزند جنگِ بدر میں قتل ہو چکے تھے ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ اب ہم کو چاہیئے کہ انتقام کی تیاری کریں۔ ابوسفیان نے بھی انتقام کی قسم کھائی تھی یہ درخواست قبول کر لی اور پورے جوش و خروش سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سامانِ حرب بھی جھلک سے مہلک فراہم کیا گیا۔ عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کو گرمانے کا بڑا آلہ شعر تھا۔ چنانچہ دو قادر الکلام شاعروں کو اس غرض کے لئے مقرر کیا گیا۔ ان دونوں نے تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے ایک آگ سی لگا دی۔

وہ عورتیں جن کی اولاد اور شوہر بدر میں قتل ہوئے تھے اُن کے دل بھی جوشِ انتقام سے لبریز تھے انھوں نے منّت مانی تھی کہ ہم قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گے۔ چنانچہ جب فوج تیار ہوئی تو معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں۔ جن میں ہندہ عتبہ کی بیٹی، امیرِ معاویہ کی ماں پیش پیش تھیں حضرت حمزہؓ

نے ہندہ کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو قتل کیا تھا اس بناء پر ہندہ نے جبیر کے غلام "وحشی" کو جو نیزہ اندازی میں کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ معاہدہ ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ الغرض باختلافِ روایات تین یا پانچ ہزار بہادروں کا لشکر، جن میں تین ہزار شتر سوار اور دو سو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ تھے مدینہ کی طرف بڑھا اور کوہِ احد پر پڑاؤ کیا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حملہ کی اطلاع مل چکی تھی۔ آپؐ کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعت کی جائے مگر اکثر حضرات کی رائے تھی کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے کثرت رائے پر فیصلہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمعیت لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس جمعیت میں عبداللہ ابن ابی بھی اپنے تین سو (۳۰۰) رفقاء کے ساتھ شریک تھا۔ اس نے عین وقت پر دغا دی۔ اور اپنے تین سو ساتھیوں کو لیکر واپس ہوگیا اس طرح صرف (۷۰۰) سات سو مسلمان ہی اہلِ باطل کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹیلہ کے سامنے صفیں آراستہ کیں اور پچاس (۵۰) تیر انداز منتخب فرما کر، حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان کا سردار مقرر کر کے اس ٹیلہ پر متعین فرمایا تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرے اور حکم دیا کہ جب تک میں حکم نہ دوں ٹیلہ سے نہ اترنا۔

عام قاعدے کے مطابق جنگ شروع ہوئی۔ سیدنا حمزہؓ، سیدنا علیؓ اور ابودجانہؓ دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں دشمن کی فوج میں ابتری پیدا ہوگئی۔ اور سپاہی بھاگنے لگے۔ ٹیلے پر جو تیر انداز مقرر کئے گئے تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ دشمن بھاگ رہے ہیں تو ان میں اختلاف رائے پیدا ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ اب دشمن کو شکست ہوگئی ہے ہم کو بھی نیچے اتر کر مالِ غنیمت لوٹنا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا منشاء یہی تھا کہ فتح ہونے تک ہم ٹیلہ پر جمے رہیں بعض نے کہا کہ نہیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم نہ دیں ہمکو ٹیلے سے نہیں اترنا چاہیئے۔ سردار دستہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا مگر وہ نہ رکے اور چند مسلمانوں کے سوا باقی سب نیچے اتر آئے۔ اور غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ چالاک دشمن نے موقع تاڑ لیا اور عقب سے حملہ کر دیا حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا مگر سب کے سب شہید ہوئے۔ جب دشمن کی ایک جمعیت نے عقب سے آکر حملہ کر دیا تو جو لوگ بھاگ رہے تھے وہ اپنے ساتھیوں کو حملہ آور دیکھ کر خود بھی پلٹ پڑے۔ اس طرح مسلمان دو طرف سے دشمنوں میں گھر گئے۔ ان میں سراسیمگی پیدا ہوگئی۔ اور فوج کا بڑا حصہ تتر بتر ہوگیا۔ مسلمان، مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اسلامی فوج کے علمبردار مصعب بن عمیر رضی اللہ

تعالیٰ عنہٗ نے شہادت پائی۔ یہ حضرت، شکل وصورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ دشمنوں نے مشہور کردیا کہ مسلمانوں کے نبی قتل ہوگئے۔ بعض صحابہ پر اس خبر کا یہ اثر ہوا کہ گویا ان پر ایک بجلی گر پڑی۔ ایک سکتے کا عالم طاری ہوگیا۔ اور بعض جاں باز اور بھی جوش میں آکر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان ہی حضرات میں حضرت انس بن نضرؓ صحابی بھی تھے۔ انہوں نے سیدنا عمرؓ اور بعض بہادروں کو دیکھا کہ مغموم کھڑے ہیں اُن سے پوچھا کیا سوچ رہے ہو، آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات پر جان دی ہم بھی اسی بات پر لڑ کر ختم ہوجائیں! یہ کہا اور جوش میں آکر دشمنوں کے نرغے میں گھس گئے۔ اور شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام کو جو محبت تھی اور آپ پر جس طرح جان نثار کرتے تھے اس جنگ میں وہ اس کا ثبوت دے رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر پر بعض حضرات کو یقین نہیں آیا ان کی تشنۂ دید نگاہیں، جمالِ جہاں آراء کو میدانِ جنگ کے کونے کونے میں ڈھونڈھ رہی تھیں۔ دفعتاً حضرت کعب بن مالکؓ نے آپؐ کو دیکھ لیا اور فرطِ مسرت سے نعرہ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں! بس مژدۂ جاں فزا نے مردہ قلوب میں جان ڈال دی اور حق کے جاں بازوں نے بڑھ بڑھ کے حملے شروع کردیئے سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، دشمن کی جس صف میں گھس جاتے۔ اس کو تہ و بالا کردیتے۔ ایک طرف "وحشی" موقع کی تاک میں تھا۔ سیدنا حمزہؓ دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے جب اس کے قریب آگئے تو اس نے اپنا نیزہ پھینکا جوان کے پیٹ میں ناف کے قریب جا کر لگا اور آر پار ہوگیا۔ اس مہلک وار سے وہ بیہوش ہوکر گرے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔

دشمنوں نے جب یہ آواز سنی کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو آپؐ ہی کی طرف یلغار کرکے بڑھے دس بارہ جاں نثار حضرات ابوبکر، عمر، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن عوام، عبیداللہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپؐ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تیروں کی بارش برسا کر دشمنوں کو ادھر آنے سے روک رہے تھے۔ دشمنوں نے دور ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکنے شروع کردیئے۔ کسی کے پتھر سے آپؐ کی پیشانی پر زخم آیا۔ کسی کے پتھر سے بازو زخمی ہوا اور کسی کے پتھر سے آپ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ صحابۂ کرام کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ دشمن کے جو تیر آپ کی طرف آتے کسی نے اپنی پیٹھ کو سپر بنایا کسی نے اپنے ہاتھ کو تا آنکہ پوری پیٹھ زخمی ہوگئی اور ہاتھ شل ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چند جاں نثاروں کے ساتھ ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی آپ کو دیکھ کر اسی طرف بڑھے۔ لیکن جاں نثاروں نے آگے بڑھ کر شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن آگے نہ بڑھ سکے۔ ابوسفیان نے اپنی جگہ نعرہ لگایا "اعل ھُبل"۔ اے ہُبل (بت کا نام) تو او نچا رہ۔

صحابۂ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے فرمایا " اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ " اللہ ہی اونچا اور بڑا ہے۔

ابوسفیان نے کہا " لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ ہمارے لئے عزیٰ (بت کا نام) ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں۔

صحابۂ کرام نے فرمایا " اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مولا ہیں اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

بعض صحابہ نے ہمت ہار دی اور میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر اُن کی ماؤں، بیویوں اور بہنوں نے ان کو گھروں میں آنے نہیں دیا اور یہ کہہ کر غیرت دلائی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں میں چھوڑ کر آئے ہو اس لئے تم ہمارے گھروں میں آنے کے قابل نہیں ہو۔ جس کی وجہ سے بعض حضرات پھر میدانِ جنگ میں پلٹ آئے۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کی پامردی اور استقلال کو دیکھ کر اس وقت میدان سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ اس طرح یہ جنگ کسی فیصلہ کن نتیجہ کے بغیر ختم ہو گئی۔

مسلم خواتین نے بھی اس موقع پر بڑی ہمت اور شجاعت دکھائی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی غلط خبر ان کو ملی تو خواتین گھروں سے دوڑی دوڑی میدانِ جنگ کی طرف آئیں ایک بی بی کو خبر ملی کہ تمہارا شوہر، باپ اور بھائی جنگ میں یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے مگر وہ بار بار یہی پوچھتی تھیں کہ یہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ جب ان کو بتایا گیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلامت ہیں تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ " اُن کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت آسان ہے"۔ ایک بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں۔ اور دشمنوں کو تیر و تلوار سے روکتی تھیں۔ ایک شخص نے عقب سے آپؐ پر تلوار کا وار کیا اُن بی بی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ان کے کاندھے پر گہرا زخم آیا اپنی تلوار سے انہوں نے بھی دشمن پر وار کیا۔ لیکن وہ دُہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے تلوار کارگر نہ ہوئی۔

سیدہ فاطمہ زہراؓ جب آپؐ کے پاس پہنچیں تو آپؐ کے زخموں سے ہنوز خون جاری تھا۔ سیدنا علیؓ مشک بھر کر پانی لے آئے۔ فاطمہ زہراؓ نے زخم دھوئے مگر خون بند نہیں ہوا تو چٹائی جلا کر راکھ زخم میں بھر دی گئی۔ جس کے بعد خون بند ہو گیا۔

قریش کی عورتوں نے جوشِ انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ ان کے ناک، کان کاٹ لئے۔ اور ہندہ نے سیدنا حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔

اس جنگ میں ستّر (۷۰) صحابہؓ شہید ہوئے اور اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے ایک قبر میں دو دو ملا کر دفن کئے گئے۔

سورۂ آل عمران کے تقریباً پانچ چھ رکوع میں جنگِ اُحد کا بیان ہے۔ جو بارھویں رکوع سے شروع ہوا ہے جس میں ناکامی کے وجوہ بھی بیان کئے گئے ہیں اور اس میں جو حکمتِ الٰہی تھی وہ بھی مثلاً

ولقد صدقکم الله وعدہٗ اذ تحسونھم	اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا کہ (ابتداءً)
باذنہٖ ج حتّٰی اِذا فشلتم وتنازعتم	تم بتائید الٰہی ان (کفار) کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم
فی الامر وعصیتم من بعد ما ارٰکم	خود ہی کمزور ہو گئے اور حکم میں باہم اختلاف کرنے لگے۔
مَا تحبّون ط منکم من یرید الدنیا	اور تم کو تمہاری دل خواہ بات دکھلانے کے بعد تم نے نافرمانی
ومنکم من یرید الاٰخرۃ ج	کی تم میں بعض وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض وہ تھے
(آل عمران ع ۱۶)	جو آخرت کے طلبگار تھے۔

مطلب یہ کہ تم سے اللہ تعالیٰ نے نصرت و کامیابی کا جو وعدہ کیا تھا اس کی صداقت تو پہلے ہی حملہ میں ظاہر ہو گئی۔ تمہارا پلّہ بھاری رہا اور دشمن بدحواس ہو کر بھاگنے لگے پھر تم میں یہ کمزوری پیدا ہوئی کہ تم مالِ غنیمت کے لالچ میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی نافرمانی کر بیٹھے۔ انہوں نے تو یہ تاکید کر دی تھی کہ جب تک میں حکم نہ دوں ٹیلہ پر سے تیر انداز نہ ہٹیں۔ مگر تم نے طلبِ دنیا میں اپنے نبی کے اس حکمِ محکم کو نزاعی بنایا اور اپنے ان ساتھیوں سے اختلاف کیا جو صرف نفعِ آخرت کے طالب تھے اور تاویل کر کے حکمِ رسول کی خلاف ورزی کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کامیابی کو ناکامی سے بدل دیا۔

(نوٹ:۔ کس قدر غور و عبرت کا مقام ہے کہ صحابۂ کرام کی جماعت ہے جس کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت کا شرف حاصل ہے مگر پوری جماعت میں بعض کے قلوب دنیا کی طرف مائل ہو گئے دنیا کے نفع کو سامنے رکھ کر رسولؐ کے تاکیدی حکم کو نزاعی بنا لیا۔ اور ایسی تاویل کی جس سے نافرمانی ہوئی۔ ربِّ اعلیٰ عظیم کو یہ حرکت پسند نہ آئی اور تائید و نصرتِ الٰہی پوری جماعت کے لئے روک دی گئی۔ اس واقعہ میں ان حضرات کے لئے بڑا درسِ عبرت ہے جو نفعِ دنیا کے لئے ہر فعلِ حرام کے جائز و حلال ہونے کے فتوے صادر کر رہے ہیں۔ (جیسا کہ آج کل جوازِ سود کا فتویٰ دیا جاتا ہے) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے کے علماء بصیرتِ دینی کی خداداد نعمت سے کتنے محروم ہیں۔ اور افسوس کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول کی آڑ میں یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے۔)

ساتھ ہی ساتھ اپنے زخم خوردہ اور مغموم بندوں کی تسکینِ خاطر بھی پیشِ نظر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وتلک الایام نداولھا بین الناس و ؛ اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں
لیعلم اللہ الذین اٰمنوا و یتخذ منکم ؛ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں اور تم میں سے
شھداء واللہ لا یحب الظٰلمین ٥ ؛ بعض کو شہید بنانا مدِنظر ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت
(آل عمران ع ۱۴) ؛ نہیں رکھتے ۔

ربوبیت ، پرورش و تربیت کی شانِ الٰہی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں یہ قلیل اور ادنیٰ دنیا کی کامیابی وناکامی تو دراصل اس حوادث و انقلاب کی دنیا کا ایک الٰہی نظام ہے مومن ہو یا کافر ہر ایک کو ایسے واقعات پیش آتے ہی رہیں گے۔ کبھی کامیابی ہے تو کبھی ناکامی ۔مومن کو اگر ایسے واقعات پیش آئیں تو اس سے ایک مقصدِ الٰہی یہ ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کے ایمان کو جانچ لیا جائے ۔ اور دوسرا طالبانِ شہادت کو درجۂ شہادت عطا کیا جائے۔ ایسے خلافِ مرضی واقعات اگر پیش آئیں تو ہرگز ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ باطل پر مہربان ہیں یا اہلِ باطل کو بھی دنیا میں سرفراز کرتے ہیں ۔بلکہ اللہ تعالیٰ قطعاً اہلِ باطل کو پسند نہیں کرتے اور کبھی ان کی مدد نہیں کرتے ۔

(نوٹ :۔ آج یورپ یا دیگر اقوام کے غلبہ و اقتدار کو دیکھ کر بعض مفکرین نے یہ غلط رائے قائم کر لی اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان مخالفِ اسلام قوموں نے نوامیسِ قدرت اور کائنات کے عناصر ترکیبی کا پتہ لگا کر برق و بھاپ پر قابو حاصل کیا اور قدرت کے پوشیدہ خزانوں کو تلاش کر کے ان سے استفادہ کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اُن کو نوازا ۔ افسوس کہ ان حضرات نے دشمنانِ حق کے متعلق جو سنتِ الٰہی ہے اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ۔)

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ یہ بھی سمجھاتے ہیں:۔

فاثابکم غماً بغم لکیلا تحزنوا علیٰ ؛ پس اللہ تعالیٰ نے اس پاداش میں تم کو غم دیا بہ سبب غم دینے کے
مافاتکم ولا ما اصابکم ٥ ؛ تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو۔ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے
(آل عمران ع ١٦) ؛ اور نہ کسی مصیبت پر۔

مطلب یہ ہے کہ رنج و اندوہ پیدا کرنے والے حوادث اس لئے بھی نازل کئے جاتے ہیں کہ اہلِ ایمان کے قلب میں دنیا کے نفع و نقصان اور دنیا کی تکالیف کی کوئی اہمیت باقی نہ رہ جائے ۔ اور دنیا کے نقصانات میں مومن مغموم و کبیدہ خاطر اور حزن و غم میں مبتلا نہ رہے کیونکہ مومن کے لئے دنیا کے ہر ضرر میں آخرت کا نفع ہے اور یہ کہ :۔

وَمَا اصابکم یوم التقی الجمعٰن فباذن ٥ اور جو مصیبت تم پر پڑی جس دن کہ دونوں گروہ مقابل ہوئے

الله ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا ۵ ❊ وہ باذنِ الٰہی نازل ہوئی اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو بھی دیکھ لیں۔ اور منافقین کو بھی۔ (آل عمران ع ۱۷)

یعنی دنیا کے مصائب اس لئے بھی نازل ہوتے ہیں کہ مومن اور منافق کی پہچان ہو جائے۔ (مصیبت کے وقت مومن رجوع الی اللہ رہ کر اپنے دین و ایمان کو اور قوی کرتا ہے اور منافق اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کر کے اپنا نفاق ظاہر کر دیتا ہے۔)

پھر بکمالِ رحمت، جن جن سے لغزش ہوئی تھی ان کی معافی کا اعلان کر دیا گیا:-

لقد عفا الله عنهم ان الله غفور حلیم ۵ ❊ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا واقعی اللہ تعالیٰ بڑے غفور اور بڑے بردبار ہیں۔ (آل عمران ع ۱۶)

اور یہ نکتہ بھی واضح کر دیا گیا کہ سب کچھ اس لئے بھی ہوا کہ تمہارے دلوں کو ہر قسم کی گندگی، ہر قسم کے میل سے پاک و صاف کر دیا جائے۔

لیبتلی الله ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم ۵ ❊ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اسکو آزمائے اور تمہارے دلوں کو صاف کر دے۔ (آل عمران ع ۱۶)

آپؐ معہ اصحابؓ احد سے لوٹے تو دوسرے ہی دن صبح صبح ایک شخص نے اطلاع دی کہ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ سے قریب ہی مقام ارحاء میں ٹھیرا ہوا ہے اور اپنے ساتھیوں کو آمادہ کر رہا ہے کہ خاطر خواہ انتقام نہیں لیا گیا۔ واپس چلو تاکہ مسلمانوں کا بالکل ہی استیصال کر دیں۔ آپؐ نے یہ خبر سُن کر منادی کرائی کہ کل جو میرے ساتھ تھے وہ پھر مسلح ہو جائیں۔ صحابۂ کرام زخموں سے چور، تھکے ماندے تمام رات زخموں کی تکلیف میں گذری کسی کے دس زخم تو کسی کے پندرہ۔ نہ مرہم پٹی نہ علاج۔ مگر فوراً تیار ہو کر ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ راستہ میں لوگوں نے خبر دی کہ ابوسفیان تم لوگوں کی تباہی کا پورا سامان کر رہا ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے سنکر فرمایا

حسبنا الله ونعم الوکیل

اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ وہ بڑا اچھا کارساز ہے۔

اور مدینہ سے آٹھ میل پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ یہاں ایک صاحب معبد خزاعی جو اگرچہ ہنوز مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مسلمانوں کے ہمدرد تھے۔ انہوں نے جا کر ابوسفیان سے ملاقات کی۔ ابوسفیان نے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے اہتمام کے ساتھ تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ کل جو لوگ شریک نہیں تھے وہ بھی فوج میں شریک ہیں ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گئے اور چپکے سے مکے کی راہ لی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابو سفیان کے واپس چلے جانے کی اطلاع مل گئی تو آپ بھی بخیر و سلامتی مدینہ واپس آ گئے۔

عرصہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا حمزہؓ اور دیگر شہدائے احد کا ملال رہا۔ آپ کبھی کبھی ان کے مزار پہ چلے جاتے اور بڑی رقت قلبی کے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے۔

(نوٹ:۔ آج جن مشرکانہ عقاید کے تحت بزرگوں کا عرس کیا جاتا ہے اور ان کے قبروں پر رکوع و سجود و طواف کی تعلیم دی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ عمل کو اس کی سند جواز بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ غور کیجئے کہ دینی پیشواؤں میں بصیرتِ دینی کا کتنا فقدان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو ان مشرکانہ اعمال سے کیا مناسبت؟ بلکہ آپ کے عمل سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ مرشدوں کو چاہیئے کہ کبھی کبھی مریدوں کے مزاروں پر جا کر ان کے لئے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۳ہجری میں سیدنا امام حسنؓ کی ولادت ہوئی۔

۴ہجری
قریش کی دیگر سازشیں

جنگِ احد کے بعد مخالفین اسلام نے اہلِ حق کو نقصان پہنچانے اور ان کو نیست و نابود کرنے کی مختلف تدابیر اختیار کیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ قریش نے سات اشخاص فراہم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ ان اشخاص نے آپؐ سے درخواست کی کہ ہمارے قبیلے کے لوگ اسلام لانے کے لئے تیار ہیں۔ آپؐ ہمارے ساتھ چند ایسے حضرات کو بھیجئے جو دینِ اسلام کی تعلیم دے سکتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس حضرات کو حضرت عاصم بن ثابتؓ کی سرداری میں ان لوگوں کے ساتھ بھیجدیا یہ دراصل دشمنوں کی ایک چال تھی۔ جب یہ حضرات ان کے حدود میں پہنچ گئے تو دو سو اشرار ان کو گرفتار کرنے کے لئے آ گئے۔ صحابہ نے جم کر مقابلہ کیا۔ جن میں سے آٹھ شہید ہوئے اور دو حضرات خبیب بن عدیؓ اور زید بن مثنہؓ گرفتار ہو گئے ان کو مکے جا کر قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ قریش نے ان دونوں کو پہلے حارث بن عامر کے گھر میں چند روز بھوکا پیاسا قید رکھا پھر ظالموں نے چند روز کے بعد دونوں حضرات کو سولی کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا کہ اگر اسلام ترک کر دو تو تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسلام کے بغیر زندہ رہنا نہیں چاہتے پھر دونوں سے پوچھا گیا کوئی تمنا ہو تو بیان کرو۔ حضرت خبیبؓ نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت چاہی مہلت دی گئی۔ انہوں نے جب نماز پڑھ لی تو دونوں کو بے رحموں نے سولی پر چڑھا دیا اور نیزہ اندازوں سے کہا

کہ نیزے کی انی سے ان کے جسم کے ایک ایک حصے پر چرکے لگائیں۔

خدا رحمت کرے ان عاشقانِ پاک طینت پر۔

اسی طرح ابو براء عامر جو ایک رئیس نجد کا چچا تھا۔ اس نے بھی فریب دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ نجد کے باشندوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے چند معلمِ اسلام میرے ساتھ بھیج دیجئے۔ عامر نے یہ بھی یقین دلایا کہ معلموں کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن عامرؓ انصاری کو مع ستر (۷۰) صحابہ جو قرآن بخوبی جانتے تھے اور فضلاء تھے اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب یہ حضرات بیر معونہ پہنچ گئے۔ جو بنی عامر کا علاقہ تھا تو یہاں ان حضرات کو ایک مکان میں ٹھیرایا گیا اور پھر چاروں طرف سے گھیر کر بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ صرف ایک صاحب کعب بن زید بچ کر نکل آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر پہنچائی۔ آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ کئی روز تک نمازِ فجر میں آپؐ نے ان دغابازوں کے لئے بد دعا کی۔ حالانکہ جنگِ احد میں جب دشمن یلغار کر کے آپؐ پر پتھر پھینک رہے تھے تو اس وقت آپؐ ان کے لئے دعا کر رہے تھے۔

"اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"

(الٰہی میری قوم کو ہدایت دیجئے وہ جاہل ہیں۔)

اسی سال ۴ھ ہجری میں شراب بالکلیہ حرام قرار دی گئی۔ سیدنا امام حسینؓ تولد ہوئے۔

یہودیوں کی شرارتیں۔ عہد شکنی، حملے اور مسلمانوں کی جانب سے مدافعت

اس اثناء میں مدینہ کے یہودیوں نے جو جو شرارتیں کیں ان کو بیان کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ آئندہ واقعات کا سلسلہ ملا رہے۔

اگرچہ یہود ہجرت کے پہلے ہی سال معاہدہ کر کے پُر امن رہنے کا اقرار کر چکے تھے مگر ان کی موروثی شرارتیں زیادہ دیر تک چھپی نہ رہیں اور معاہدہ سے ڈیڑھ سال ہی کے بعد شرارتوں کا آغاز ہو گیا۔ جب مسلمان جنگِ بدر کے لئے گئے ہوئے تھے ان ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان بی بی یہودیوں کے قبیلے بنو قینقاع کے محلے میں دودھ بیچنے گئیں۔ چند یہودیوں نے ان بی بی سے چھیڑ چھاڑ کی۔ سرِ بازار ان کو برہنہ کر دیا۔ ان کی چیخ و پکار سن کر ایک صحابی موقع پر جا پہنچے اور طیش میں آکر اس یہودی کو قتل کر دیا جو شرارت میں پیش پیش تھا۔ اس

پر بہت سے یہودی جمع ہو گئے اور اُن صحابی کو شہید کر دیا۔ اور بڑا ہنگامہ مچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے واپس ہوئے اور اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی گئی تو آپؐ نے بنو قینقاع کے یہودیوں کو تحقیقات کے لئے بلایا۔ اُن اشرار نے معاہدہ امن کا کاغذ واپس کر دیا اور جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہودیوں میں یہ لوگ بڑے جنگ جُو اور بہادر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ کی تیاری کی۔ بنو قینقاع اپنے علاقے میں قلعہ بند ہو گئے پندرہ روز تک محاصرہ رہا۔ بالآخر وہ اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں گے وہ منظور ہوگا۔ آپؐ نے ان کو خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا۔ خیبر یہودیوں کی ایک بڑی آبادی مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر تھی جہاں یہودی بڑے بڑے قلعے بنا کر آباد تھے

قتلِ کعب بن اشرف

یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر اور نہ صرف شاعر بلکہ بڑا دولت مند تھا اور اپنی دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودیوں کا رئیس مانا جاتا تھا۔ یہود کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی اس نے تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سخت دشمنی تھی اور اسلام جوں جوں پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کے دل میں عداوت کی آگ بھی اتنی ہی بھڑک رہی تھی۔ وہ علانیہ اسلام، مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہتا۔ اور ہجویں اشعار لکھ کر ہر جگہ فتنہ برپا کیا کرتا جب اس کی فتنہ انگیزی بہت بڑھنے لگی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے ایک صحابی محمد بن مسلمہ نے اس کو ربیع الاوّل ۳ھ ہجری میں قتل کر دیا۔

غزوۂ بنی نضیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ضرورت سے بنو نضیر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کو دیوار کے زیرِ سایہ بٹھایا۔ اور ایک شخص کو اشارہ کیا کہ اوپر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے۔ تاکہ آپ کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس کی خبر ہو گئی اور آپؐ وہاں سے بحفاظتِ الٰہی بچ کر نکل آئے۔ بنی نضیر درپردہ برابر لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی عہد شکنی اور تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ بنو نضیر نہایت مضبوط قلعوں میں پناہ گزیں تھے آپؐ نے پندرہ روز تک اُن کا محاصرہ کیا قلعہ کے گرد ان کے جو نخلستان تھے ان کا کچھ حصّہ کٹوا دیا بالآخر بنو نضیر نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ اپنا مال و اسباب لے کر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے۔ اس طرح سب جلاوطن کر دیئے گئے

ان میں جو بڑے رؤساء سلام بن ابی الحقیق ، کنانہ بن الربیع ، حیی بن اخطب تھے ، وہ خیبر چلے گئے خیبر کے لوگوں نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ ان کو خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا ۔
اسی سال وراثت کے احکام نازل ہوئے ۔ مشرکہ سے نکاح بھی اسی سال حرام قرار دیا گیا ۔

۵ھ ہجری متحدہ مخالفتیں

مسلمانوں کے خلاف ، قریش اور یہود کی مخالفتوں نے مکہ سے لیکر مدینہ تک ایک آگ سی لگادی جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ سب سے پہلے انمار و ثعلبہ نے لڑنے کا ارادہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو ۱۰ محرم ۵ھ ہجری کو آپؐ چار سو صحابہؓ کے ساتھ مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور مقام ذات الرقاع تک تشریف لے گئے ۔ لیکن آپؐ کی آمد کی خبر سن کر مخالفین بھاگ گئے ۔
۹ ربیع الاول ۵ھ ہجری میں خبر آئی کہ بمقام دومۃ الجندل کفار کی ایک بڑی فوج مقابلہ کے لئے تیار ہو رہی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے ۔ کفار کو خبر ہوئی تو وہ وہاں سے بھاگ گئے ۔

غزوۂ بنی مصطلق

مدینہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ایک مقام مریسیع ہے وہاں عربوں کا ایک خاندان بنی مصطلق آباد تھا جس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا ۔ اور ۲ شعبان ۵ھ ہجری کو مدینہ سے صحابہؓ کی فوج روانہ ہوئی ۔ حارث بن ابی ضرار کو خبر ملتے ہی وہ تو کہیں بھاگ گیا مگر مریسیع کی آبادی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئی وہ لوگ دیر تک جم کر تیر برساتے رہے ۔ جب مسلمانوں نے ایک دم حملہ کر دیا تو اُن کے پیر اُکھڑ گئے ۔ دس (۱۰) آدمی مارے گئے باقی تقریباً چھ سو گرفتار ہوئے غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں ۔ لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے اُن میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہؓ بھی تھیں ۔ یہ زرِ فدیہ ادا کر کے آزاد ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا ۔ انہوں نے منظور کر لیا اور آپؐ کی زوجیت کا شرف حاصل کیا ۔ اس نکاح کا یہ اثر ہوا کہ تمام اسیرانِ جنگ جو مجاہدین کے حصے میں آئے تھے وہ رہا کر دیئے گئے ۔ مجاہدین نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی ہو وہ غلام نہیں بنایا جا سکتا ۔
یہ تمام لڑائیاں اس عام جنگ کا پیش خیمہ تھیں جو تمام کفار عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے

تھے ۔ اور جس کو جنگ احزاب (خندق) کہتے ہیں۔

جنگِ احزاب یا غزوۂ خندق

بالآخر تمام یہود اور قریش نے ایک متحدہ محاذ قائم کیا ۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ نے ابھی تک معاہدۂ امن کی خلاف ورزی نہیں کی تھی مگر بنو نضیر کی ترغیب سے وہ بھی مخالف ہوگئے ۔ غرض یہود اور عرب کے تمام قبائل نے متحد ہو کر ایک لشکر گراں تیار کیا اور مدینہ کی طرف بڑھے مورخین کا بیان ہے ان کی تعداد (۱۲) ہزار سے بھی زیادہ تھی ابو سفیان اس فوج کا سپہ سالار تھا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے انہوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا ٹھیک نہیں ہے ۔ایک محفوظ مقام پر فوج جمع کر کے اطراف خندق کھود کر مقابلہ کرنا چاہیئے تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے لئے آلات مہیا کئے گئے ۔

مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا صرف ایک رخ کھلا ہوا تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے نکل کر اسی مقام پر خندق کھودنی شروع کی ۔ دس دس گز زمین کی کھدائی دس دس حضرات پر تقسیم کی ۔ جس کی گہرائی پانچ گز تھی ۔ بیس دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں سے یہ کام پورا ہوا ۔ زمین کھودنے میں پتھر کی ایک سخت چٹان آگئی کسی کی ضرب کارگر نہیں ہو رہی تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقے سے تھے مگر آپؐ کی تین ضربوں سے چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی ۔ صحابۂ کرام نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور آپؐ نے فرمایا ۔" انی عبد اللہ و رسولہٗ " میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ۔

(نوٹ :۔ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کمال کا ظہور ہوتا آپؐ فوراً فرما دیتے " انی عبد اللہ و رسولہٗ " جس کا مقصد یہ تھا کہ سابقہ امتیں ، جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو دیکھ کر ان میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت ثابت کی اور ان کو شریک خدائی قرار دیا اور شرک میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئیں ۔ ان کی طرح میری امت گمراہ نہ ہو ۔ اور شرک سے محفوظ رہے ۔ افسوس کہ الٰہی و نبوی تعلیم سے عام ناواقفیت اور رہنمایانِ قوم کی غلط رہنمائی کی وجہ سے سابقہ امتوں کی طرح امتِ محمدیہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشرکانہ عقاید میں مبتلا ہوگئی ۔ کوئی تعلیم دیتا ہے کہ محمدؐ عینِ خدا ہیں

" ظاہر میں محمدؐ ہیں تو باطن میں خدا ہیں "

کوئی تعلیم دیتا ہے کہ آپؐ محض نوری ہیں۔ کوئی کہتا ہے نوری بشری ہیں ماورائے انسانیت ہیں۔ جہاں آپ پہ سلام پڑھا جاتا ہے آپ بہ نفس نفیس وہاں تشریف لاتے ہیں (اس لئے سلام کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے) حیاۃ النبی اور علم غیب وغیرہ کے تصورات مذکورہ غلط عقاید کی شاخیں ہیں۔ حضرات صحابۂ کرام کے پاس ایسے عقاید کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ اور گمراہوں کو راہِ راست پر لائیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپؐ کی محبّت اور عقیدت ایمان کا ایک ایسا اہم اور بنیادی جزو ہے کہ اس میں اگر کوئی خامی یا نقص ہو تو ایمان ہی معتبر نہیں۔ مگر محبّت اور عقیدت بھی آپ کی تعلیم کے مطابق ہونی چاہیئے حبّ نبوی کے نام سے مذکورہ اعتقادات کے علاوہ، مسلمان جو کام کر رہے ہیں۔ مثلاً معراج و میلاد و آثارِ مبارک کے جلسے وغیرہ ان میں سے کوئی بات بھی نبوی تعلیم کے مطابق حبّ نبوی نہیں ہے۔)

سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی۔ مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں۔ اور سلمہ بن اسلمؓ صحابی دو سو حضرات کے ساتھ ان کی حفاظت کے لئے متعین کر دیئے گئے۔ غرض قریش و یہود و دیگر قبائل عرب نے اپنی بارہ (۱۲) ہزار فوج تین حصوں میں تقسیم کر کے اس زور و شور سے حملہ کیا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اس وقت کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

اذ جآءوکم من فوقکم ومن اسفل ٭	اور جب کہ دشمن تمہارے اوپر سے اور نیچے سے آ پہنچے اور
منکم واذ زاغت الابصار وبلغت ٭	جب آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم
القلوب الحناجر وتظنون باللہِ ٭	اللہ کی نسبت کیا کیا گمان کرنے لگے اس موقع پر واقعی
الظنونا ہ ھنالک ابتلی المؤمنون ٭	اہلِ ایمان سخت زلزلے میں ڈالے گئے تھے۔
وزلزلوا زلزالاً شدیداًہ (ع ۲) ٭	

اسلامی فوج میں منافقین بھی شامل تھے جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے مگر موسم کی سختی، رسد کی قلت، دشمنوں کی کثیر فوج یہ ایسے حالات تھے کہ ان کا پردہ فاش ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گھر جانے کی اجازت مانگنے لگے۔

یقولون ان بیوتنا عورۃ ؕ وما ھی ٭	کہتے ہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ غیر محفوظ نہیں۔
بعورۃٍ ؕ ان یریدون الّا فرارًا ہ ٭	بلکہ وہ حیلہ کر کے بھاگ جانا چاہتے ہیں۔

لیکن حق کے جاں نثار بفضلہٖ اس امتحان میں ثابت قدم نکلے۔

دشمن نے ایک ماہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ

پر تین تین فاقے گزر گئے۔ محاصرین نے خندق کو عبور کرنے کی کئی مرتبہ کوشش کی مگر ہر مرتبہ ناکام رہے دور ہی سے تیر و پتھر برساتے رہے۔ عرب کے مشہور بہادروں ضرار و جبیرہ و نوفل و عمرو بن عبدود نے بڑی جرأت کر کے خندق کو عبور کیا۔ مگر سیدنا علیؓ اور سیدنا عمرؓ نے اُن کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ عمرو بن عبدود اور نوفل کو سیدنا علیؓ نے قتل کیا اور جبیرہ اور ضرار بے نیل و مرام پلٹ گئے۔

محاصرہ جس قدر طویل ہوتا جا رہا تھا۔ محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے۔ بارہ (۱۲) ہزار کی رسد کا انتظام کوئی آسان کام نہ تھا۔ اِدھر یہود اور قریش میں کشیدگی کی کچھ صورتیں پیدا ہوتی جا رہی تھیں۔ ایک رات یہ قرار پایا کہ صبح ایک فیصلہ کن حملہ کر دینا چاہیئے۔ مگر کارکنان قضاء و قدر کو بارگاہِ رب العزت سے کچھ اور ہی حکم مل چکا تھا۔ رات کو ایسی شدت کی طوفانی ہوائیں چلیں کہ دشمنوں کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں کھانے کے برتن چولھوں پر الٹ گئے۔ آنکھیں خاک آلود ہوگئیں۔ دشمنوں کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہوگئی۔ ابوسفیان گھبرا کر اپنی جمعیت کے ساتھ واپس ہوگیا۔ دیگر قبائل بھی اس کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ بنو قریظہ محاصرہ اٹھا کر اپنے قلعہ میں چلے آئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بیس ۲۰ یا بائیس ۲۲ دن غبار آلود رہ کر مدینہ کا افق صاف ہوگیا۔ اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے ایک نمایاں کام کیا خواتینِ اسلام جس قلعہ میں تھیں وہ بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا۔ یہودیوں نے اس قلعہ پر یلغار کر دیا۔ اور ایک یہودی قلعہ کی پھاٹک تک پہنچ گیا۔ حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا۔ اور خیمہ کی ایک بھاری لکڑی نکال کر اس زور سے یہودی کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہؓ نے اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے باہر پھینک دیا۔ یہودیوں نے خیال کیا کہ قلعہ میں یقیناً کچھ فوج متعین ہے پھر انہوں نے حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔

اس جنگ میں حضرت سعد بن معاذؓ انصاری جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے۔ اور بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد وفات پائی۔

بنو قریظہ نے معاہدہ شکنی کی تھی۔ جنگِ احزاب میں علانیہ شرکت کی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا بھی آخری فیصلہ کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی مجاہدین ہتھیار نہ کھولیں۔ اور بنو قریظہ کی طرف بڑھیں چنانچہ ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ایک ماہ تک محصور رہ کر بنو قریظہ نے درخواست کی کہ سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کا قبیلہ اوس بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ اس لئے بنو قریظہ کی درخواست منظور کر لی گئی۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے توریت کے مطابق فیصلہ کیا کہ جنگجو مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قیدی ہوں اور مال و اسباب

غنیمت قرار دیا جائے۔

حیی بن اخطب جوان تمام شورشوں کا بانی تھا قتل کر دیا گیا۔ دیگر مقتولین کی تعداد (۴۰۰ یا ۶۰۰) بتلائی جاتی ہے۔

واقعۂ اِفک

اسی سال غزوۂ بنی مصطلق سے واپس ہوتے ہوئے واقعۂ افک یعنی سیّدہ عائشہ صدیقہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترم ام المؤمنین پر بہتان کا واقعہ پیش آیا۔ سیّدہ صدیقہؓ کے اس واقعہ کے متعلق حضرتؓ ہی سے جو روایت ہے اس کو بیان کر دینا مناسب ہوگا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو قرعہ ڈالتے جن بیوی کے نام قرعہ نکلتا ان کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے چنانچہ ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ بنی مصطلق کو جاتے وقت میرے نام قرعہ نکلا۔ میں آپؐ کے ساتھ گئی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ واپسی کے وقت جب مدینہ تھوڑی دور رہ گیا تو ایک جگہ مقام ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات ہی کو کوچ کا حکم دے دیا۔ میں قضائے حاجت کے لئے چلی گئی۔ واپس ہو کر اپنی سواری کے پاس پہنچی جوں ہی گلے کو ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا کہ گلے میں ہار نہیں ہے ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ میں اس کی تلاش کے لئے پھر واپس گئی۔ اور ڈھونڈھنے میں ذرا دیر لگی۔ لوٹ کر آئی تو لشکر کوچ کر گیا تھا۔ (لشکریوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ میں ہودے میں سوار ہو گئی ہوں) میں تنہا جنگل میں رہ گئی۔ بالکل بیابان، نہ آدم نہ آدم زاد، بہت حیران و پریشان ہوئی۔ بالآخر اس امید میں کہ کوئی نہ کوئی مجھ کو ڈھونڈھنے کے لئے آئے گا۔ چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ ایک قاعدہ یہ تھا کہ لشکر کی گری پڑی چیزیں اٹھانے کے لئے لشکر کے پیچھے ایک آدمی رکھا جاتا تھا۔ اس سفر میں وہ شخص صفوان بن معطل تھے۔ جنہوں نے کمسنی میں مجھے دیکھا تھا۔ جب وہ قریب پہنچے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ اور "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" پڑھا۔ میں نے فوراً اپنے آپ کو چادر سے چھپا لیا۔ انہوں نے اپنے اونٹ پر مجھے سوار کیا اور مہار ہاتھ میں لے کر آگے آگے چلے واقعہ صرف اتنا تھا۔ اس پر منافقین نے تہمتیں باندھنی اور عیب لگانا شروع کیا۔ مہینہ بھر تک برابر اس کا چرچا رہا۔ اس میں سب سے زیادہ حصّہ لینے والا منافقین کا سردار عبداللہ ابن ابیٔ تھا۔ جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو میری صحت بہت متاثر ہوئی۔ میں اپنے والدین کے گھر چلی آئی۔

تیس دن متواتر میری آنکھوں سے آنسو جاری رہے راتوں کی نیند اڑ گئی۔ تمام رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی فکر اور خلش میں مبتلا رہے۔ میرے بارے میں جس قدر تحقیق اور تفتیش فرمائی میری عفت ہی ثابت ہوئی۔ علی اور میری باندی بریرہ اور اپنی دوسری بیویوں سے میری حالت اور عادت دریافت فرمائی۔ میری پاکدامنی کے سوائے شبہ تک کی بھی کوئی بات معلوم نہ ہوئی۔ آخرکار آپ میرے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا اے عائشہؓ تمہارے متعلق ایسی ایسی خبریں مشہور ہوئی ہیں۔ اگر واقعہ میں یہ اتہام ہی اتہام ہے تو ضرور حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری برأت کے متعلق وحی نازل ہوگی۔ ورنہ انسان خطا کا پتلا ہے تمہیں توبہ کرلینی چاہیئے۔ میں نے والدین سے کہا کہ آپ اس کا جواب دیں مگر وہ خاموش رہے۔ پھر میں نے صرف اتنا کہا کہ "میں یوسف علیہ السلام کے والد کی طرح" فصبرٌ جمیلٌ" کہکر چپ ہو رہوں اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون سچا ہے۔" اتنا کہہ کر رنج کے مارے روتی ہوئی جا کر پلنگ پر لیٹ گئی اسی وقت اللہ نے وحی بھیجی اور میری برأت میں پورے دو رکوع نازل فرمائے۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کلمہ نکلا یہ تھا کہ اے عائشہؓ خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ عائشہؓ کھڑی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو میں نے کہا بخدا نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں گی اور نہ کسی کی تعریف کروں گی۔ بلکہ اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کرونگی جس نے میری پاک دامنی ظاہر فرمائی۔"

قرآن شریف میں سورۂ نور کے دوسرے رکوع سے واقعۂ افک کا بیان ہے۔ اوّلاً یہ ارشاد ہے کہ:

لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُمْ ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ	تم اس فتنہ پردازی کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو، بلکہ
لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ	تمہارے حق میں بہتر ہوا۔ ہر شخص نے کچھ
مِنَ الْإِثْمِ ۚ	نہ کچھ گناہ کما لیا۔

یعنی تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ فائدہ یہ ہوا کہ منافقین کی عداوت کا ثبوت مل گیا۔ اور جو لوگ کمزور ایمان کے تھے ان کی اصلاح ہو گئی اور جس نے اس فتنہ میں جتنا حصّہ لیا وہ اتنا ہی گنہگار ہوا۔ چنانچہ بہتان لگانے والوں کو اسّی اسّی درے سزا دی گئی اور صحابہ کو ناصحانہ ملامت فرمائی گئی

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَ	جب تم نے یہ بات سنی تھی تو مؤمنین اور مؤمنات نے آپس والوں
الْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا	کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ
هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ○	یہ صریح جھوٹ ہے۔

پھر اپنی ناراضی اس طرح ظاہر فرمائی ۔

ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہٗ فی الدنیا والاٰخرۃ لمسکم فی ما افضتم فیہ عذاب عظیم ٭ اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو تم نے جو بدگمانی کی تھی اس کی پاداش میں تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا ۔

اس کے بعد ہدایت فرمائی کہ :-

وتحسبونہ ھینًا وھو عند اللہ العظیم ٭ تم ایسی بدگمانیوں کو معمولی بات سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک یہ بڑا گناہ ہے

آخر میں یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر تم مومن ہو تو آئندہ ہرگز ہرگز ایسی حرکت نہ کرنا یعنی پاکدامن خواتین سے بدگمان نہ ہونا ۔ یعظکم اللہ ان تعودو المثلہ ان کنتم مؤمنین ٭

ثمامہ بن اثال سردار یمامہ کا واقعہ

اسی سال کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی جانب روانہ فرمائے وہ واپس ہوتے ہوئے ثمامہ بن اُثال، یمامہ کے ایک سردار کو گرفتار کر لائے اور مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا ۔ ثمامہ کہو تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے ؟ ثمامہ نے کہا اگر آپؐ میرے قتل کا حکم دیں گے تو یہ بھی حق ہوگا اور اگر آپ معاف کر دیں گے تو میرے لئے موجبِ شکر گزاری ہوگا ۔ اور اگر فدیہ لینا چاہیں تو فرمائیے کس قدر فدیہ دیا جائے ۔

دو دن تک آپ ثمامہ سے یہی سوال کرتے رہے اور ثمامہ نے وہی جواب دیا تیسرے روز آپؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کر دیا جائے ۔ رہائی پاتے ہی ثمامہ نے اسلام قبول کر لیا ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اب تک مجھے آپؐ سے زیادہ کسی سے عداوت نہ تھی ۔ لیکن اب مجھے دنیا میں آپؐ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ۔ اور آپؐ کے شہر مدینہ سے بھی مجھے نہایت نفرت تھی ۔ مگر اب وہ تمام شہروں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

مکہ میں غلہ کی پیداوار نہ تھی ۔ ثمامہ کے ملک یمامہ سے مکہ میں غلہ کی درآمد تھی ۔ ثمامہ نے اس واقعہ کے بعد غلہ بھیجنا بند کر دیا ۔ مشرکینِ مکہ بلبلا اُٹھے اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے انہیں التجا کرنی پڑی ۔ اگرچہ ان دنوں اہلِ مکہ رات دن اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی دُھن میں رہتے تھے ۔ مگر رحمۃ للعٰلمین نے دشمنوں کو بھی فاقوں میں مبتلا کرنا گوارا نہ کیا ۔ اور ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ حسبِ دستور غلہ بھیجا کرو ۔ گویا آپ نے یہ سبق دیا کہ کوئی شخص خواہ وہ دشمنِ حق ہی کیوں نہ ہو اگر فقر و فاقہ میں مبتلا ہو تو اس کی بھی امداد کرنی چاہیئے ۔ یہی اہلِ حق کا شعار ہے۔

۵ھ کے متفرق واقعات

اس سال کے دیگر اہم واقعات یہ ہیں کہ مستورات کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے جن کا تعلق اصلاحِ معاشرت سے تھا اُس وقت تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھیں۔ اور اس قسم کے زیور اور لباس پہنتی تھیں۔ جس سے حُسن وجمال کی نمائش ہوتی تھی۔ اس لئے حکم ہوا کہ شریف عورتیں کسی ضرورت سے اگر گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر چہروں پر گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اور آنچل سے اپنا سینہ چھپائے رکھیں۔ تیز خوشبو لگا کر نہ نکلیں۔ پاؤں میں زیور ہو تو قدم اس طرح اٹھائیں کہ زیور کی جھنکار کی آواز نہ نکلے اگر غیر مردوں سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پردہ کی اوٹ سے بات کریں۔

منہ بولے بیٹے کی بیوی سے جاہلیت میں نکاح ناجائز تھا۔ اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی، زنا کی سزا، سو دُرّے اسی سال مقرر ہوئے۔ پارسا بیویوں پر اتہام لگانا دورِ جاہلیت کی ایک معمولی بات تھی اس کو بڑا گناہ قرار دیا گیا اور اگر شہادت مہیّا نہ کر سکے اور تہمت پر اصرار ہو تو "لعان" کا طریقہ مقرر کیا گیا۔ یعنی زن وشو اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغ گوئی کا بحلف اظہار کریں اور دونوں اپنے حلف پر قائم رہیں تو اس کے بعد ان میں تفریق کرا دی جائے۔

عرب میں ایک قسم کی طلاق کا رواج تھا جسے "ظہار" کہتے ہیں۔ یعنی اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ تو میری ماں ہے یا بیٹی یا اور کسی محرم کا رشتہ لگا دے تو طلاق ہو جاتی تھی۔ اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفارہ مقرر کر دیا گیا۔

تیمم اور نمازِ خوف کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

صُلح حدیبیہ ۶ھ

ایک روز صحابۂ کرام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان کیا کہ "میں اور مسلمان مکہ پہنچ گئے ہیں۔ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں"۔ یہ خواب سنتے ہی زیارتِ بیت اللہ کی آتشِ شوق بھڑک اٹھی اور صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیارتِ بیت اللہ کے لئے آمادہ کر لیا۔ اور چودہ سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ آپ ماہِ ذیقعدہ میں مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قربانی کے اونٹوں کے سوا کوئی سامانِ جنگ ساتھ نہیں رکھا۔ لیکن تھوڑی دُور جانے کے بعد سیدنا عمرؓ کی رائے سے حفاظتی تدابیر کے طور پر گھروں سے ہتھیار منگوا لئے۔

ماہِ ذیقعدہ میں اس لئے سفر کیا گیا کہ قدیم رسم ورواج کی بناء پر اس مہینہ میں اہلِ عرب جنگ کو حرام

سمجھتے تھے ۔ اور دشمنوں کو بھی بلا روک ٹوک مکہ میں آنے کی اجازت دیتے تھے ۔ جب مکہ چند میل رہ گیا تو مقام حدیبیہ میں آپؐ نے قیام کیا ۔ آپ کو معلوم ہوا کہ مشرکینِ مکہ نے مزاحمت اور لڑائی کی تیاری کر رکھی ہے ۔ تو آپؐ نے اُن کے پاس یہ اطلاع بھیجی کہ ہم صرف زیارتِ بیت اللہ کے لئے آ رہے ہیں ۔

سیّدنا عثمان بن عفانؓ جن کا لقب غنی اور ذوالنورین ہے سفیر بنا کر بھیجے گئے ۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی اور اس کی شہرت بھی ہو گئی ۔ کہ کفارِ قریش نے سیّدنا عثمانؓ کو قتل یا قید کر دیا ہے ۔ اس بناء پہ آپؐ نے تمام صحابہ سے ایک درخت کے نیچے جاں نثاری کی بیعت لی کہ اگر قریش سے لڑنا پڑا تو ثابت قدمی سے مقابلہ کریں گے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو سیّدنا عثمانؓ کا داہنا ہاتھ قرار دے کر اُن کی جانب سے اپنے داہنے ہاتھ پر بیعت کی غرض ۔ اللہ جل شانہٗ کو یہ بیعت اس قدر پسند آئی کہ اسی وقت وحی الٰہی نازل ہوئی ۔ جس میں اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی ۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (الآیہ) ❊ یقیناً اللہ ان مؤمنین سے خوش ہوا جو درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے ۔ ❊ (فتح)

اس بیعت کا حال قریش کو معلوم ہوا ۔ تو اہلِ ایمان کے مقابلے میں اپنی پیہم ناکامیاں ان کے سامنے آگئیں اور وہ سہم گئے اور صلح کر لینی چاہی ۔ قریش کے چند سردار یکے بعد دیگرے حدیبیہ آئے ۔ اور یہاں حالت کا جائزہ لے کر واپس گئے ۔ ان ہی میں سے ایک سردار، عروہ بن مسعودؓ نے قریش سے کہا کہ اے قومِ قریش میں بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں جا چکا ہوں مگر میری نظر سے کوئی ایسا بادشاہ نہیں گذرا جس کے مصاحبوں کے دلوں میں اس کی اتنی عظمت و محبّت ہو ۔ وہ لوگ اپنے نبی کے حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے پر ایسی مسابقت کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں لڑ پڑیں گے ۔ ان کا اتنا ادب کرتے ہیں کہ ان کے روبرو نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھتے ۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ تم ان سے جس طرح بھی ممکن ہو صلح کر لو ۔ چنانچہ حسبِ ذیل شرائط پر صلح ہوئی ۔

۱ ۔ دس سال تک باہم صلح و آشتی سے رہیں گے اور مدینہ و مکہ میں جانبین کی آمد و رفت بلا روک ٹوک رہے گی ۔

۲ ۔ جو قبائل چاہیں قریش سے مل جائیں اور جو قبائل چاہیں مسلمانوں سے ملے رہیں ۔ ایسے تمام حلیف قبائل کے بھی یہی حقوق ہونگے ۔

۳ ۔ اس سال مسلمان، طوافِ کعبہ نہ کریں ۔ بلکہ آئندہ سال کریں ۔ اور بوقتِ طواف ہتھیار مسلمانوں کے جسم پر نہ ہوں ۔

۴۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے تو قریش کے مطالبہ پر وہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر قریش کے پاس چلا جائے تو قریش اُس کو واپس نہ کریں گے۔

اس آخری شرط کو صحابۂ کرامؓ نے پسند نہیں کیا بجز سیدنا صدیقؓ کے سب ہی نے کسی نہ کسی طرح ناراضی کا اظہار کیا۔ سیدنا عمرؓ تو جوش میں آ کر پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ مگر آپؐ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور یہ شرط بھی منظور کر لی۔

صلح نامہ سیدنا علیؓ نے لکھا تھا۔ انہوں نے شروع میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھی تو سہیل (جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور اس وقت کافر ہی تھے اور قریش کی طرف سے صلح کے مختار تھے) انہوں نے کہا بخدا ہم نہیں جانتے کہ "رحمٰن" کسے کہتے ہیں۔ لہٰذا بجائے اس کے "باسمک اللّٰھم" لکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح لکھنے کا حکم دیا۔ سیدنا علیؓ نے جب یہ لکھا کہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور قریش کے مابین ہے۔ تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ اگر ہم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ کا رسول مان لیں تو پھر جھگڑا ہی باقی نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا بجائے رسول اللہ کے محمدؐ بن عبداللہ لکھو۔

معاہدہ پر ابھی فریقین کی دستخط نہ ہونے پائی تھی کہ ابوجندلؓ صحابی جو مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اور قریش نے ان کو قید کر رکھا تھا وہ موقع پا کر پابزنجیر بھاگ کر لشکرِ اسلامی میں آ پہنچے۔ سہیل نے کہا کہ حسبِ معاہدہ ان کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ردّو قدح کے بعد از روئے معاہدہ ابوجندلؓ کو قریش کے حوالہ کر دیا۔ اور ابوجندل سے فرمایا کہ صبر کرو اللہ تعالیٰ کشائش کی راہ پیدا فرمادیں گے

معاہدۂ صلح کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ واپس ہوئے۔ اثنائے راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آپؐ نے سیدنا عمرؓ کو بلا کر مژدۂ فتح سنایا۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا کیا یہ فتح ہے! آپؐ نے فرمایا ہاں فتح ہے۔ نبوت کی باریک بین نگاہوں نے پہچان لیا تھا کہ معاہدہ کی آخری شرط جس کو قریش نے اپنے لئے مفید سمجھا تھا، اسی شرط میں اسلام کی اشاعت کا سامان ہے۔ چنانچہ ابوجندل صحابی نے زندانِ مکہ میں پہنچ کر دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ جو کوئی ان کی نگرانی پر مامور ہوتا۔ اس کو دینِ حق کی خوبیاں سناتے۔ اور اسلام لانے کی دعوت دیتے۔ خدا کے فضل سے وہ شخص مسلمان ہو جاتا۔ الغرض اسی طرح ایک سال کے اندر تین سو اشخاص مشرف باسلام ہوئے۔ قریش یہ حال دیکھ کر پچھتائے کہ ہم نے کیوں معاہدہ میں یہ شرط رکھی اور مسلمانوں نے بھی سمجھا کہ یہ شرط کس قدر مفید ثابت ہوئی۔ اور واقعی یہ صلح، اسلام کی فتح تھی۔ علاوہ ازیں جانبین کے لئے مدینہ مکہ آنے جانے کی قید اُٹھ جانے سے بھی فائدہ ہوا کہ مکہ سے جو لوگ مدینہ آتے اور مسلمانوں سے ملتے وہ مسلمانوں کی پارسائی، نیکی، تقویٰ، طہارت، راست گوئی، حسنِ معاملہ سے بہت متاثر ہوتے۔ اور دینِ حق کی صداقت

کا اعتراف کرکے مسلمان ہوجاتے ۔ اور جو مسلمان مکہ جاتے اور وہاں قریش کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے قریش محسوس کرتے کہ یہ وہ انسان ہی نہیں ہیں ۔ جو اسلام سے پہلے تھے ۔ خوف الٰہی، حُبِ الٰہی اور اتباعِ دینِ حق کی نورانیت ان کے چہروں پر جلوہ گر دیکھتے ۔ اور ان سے اسلام کے متعلق اپنے شکوک و شبہات بیان کرتے ۔ صحابہؓ ان کو سمجھاتے اور دینِ حق کی صداقت میں قرآنی دلائل ان سے بیان کرتے ۔ اور اس طرح کسی کش مکش اور حرب و ضرب کے بغیر بتائیدِ الٰہی دینِ حق کی اشاعت ہونے لگی ۔ اور اس سال اتنے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ اس سے پہلے کسی سال بھی اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن عاصؓ (فاتح مصر) اسی سال بندگیٔ رب کی ابدی سعادت سے بہرہ ور ہوئے ۔ جن کی جنگی قابلیتیں اب تک اسلام کے خلاف کام کر رہی تھیں ۔ اب وہ صدق و اخلاص کے ساتھ اسلام کی نصرت میں صرف ہونے لگیں ۔

معاہدہ کی شرطِ دوم کی رو سے ایک سال کے بعد مسلمان مکہ جا کر بیت اللہ کی زیارت کرنے کا حق رکھتے تھے ۔ چنانچہ ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ پہنچے ۔ اطراف کی پہاڑیوں پر تماش بینوں کی حیثیت سے قریش کے اکثر لوگ جمع ہو گئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک عمرہ کے لئے مکہ میں رہے اور بعد فراغت واپس ہوئے ۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کا سادہ اور مؤثر طریقۂ عبادت ان کی دیانت و امانت سے (کہ مکہ کے کسی بچے کو بھی انہوں نے نہیں چھیڑا) قریش بہت متاثر ہوئے ۔ اور سینکڑوں کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے ۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی بنا پر صحابۂ کرام کو اطمینان دلایا کہ آئندہ مخالفینِ اسلام میں سے کوئی مدینہ پر حملہ آور نہ ہوگا ۔

ان ہی دنوں حضرت میمونہؓ سے آپؐ نے عقد فرمایا ۔

اقطارِ عالم میں دعوتِ اسلام ۶ھ

صلح حدیبیہ کے بعد مخالفین کی فتنہ پردازیوں کی طرف سے کسی قدر اطمینان ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ دعوتِ حق کا پیغام اطرافِ مکہ کے بادشاہوں تک پہنچایا جائے ایک روز آپؐ نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا ۔ اور اللہ جل شانہٗ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ دیکھو حوارینِ عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا بلکہ مدینہ سے باہر نکل کر تمام دنیا کو پیامِ حق پہنچاؤ ۔ اس کے بعد آپؐ نے قیصرِ روم، شاہِ عجم، عزیزِ مصر، شاہِ حبش اور دیگر رؤسائے عرب کے نام دعوتِ حق کے خطوط ارسال فرمائے جو حضرات خطوط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے اس کی تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ وحیہ کلبی .... قیصرِ روم

۲ - عبداللہ بن حذافہ سہمی . . . . خسرو شاہِ ایران -
۳ - حاطب بن بلتعہ . . . . عزیزِ مصر
۴ - عمرو بن امیہ . . . . نجاشی شاہِ حبش
۵ - سلیط بن عمر بن عبد شمس . . . . روسائے یمامہ
۶ - شجاع بن وہب الاسدی . . . . رئیس حدودِ شام حارث غسانی -

ایرانیوں نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کر کے رومی عیسائیوں کو شکست دی تھی - جس کا ذکر سورۂ روم میں ہے - ہرقل نے اس کے انتقام کے لئے بڑے ساز و سامان سے فوجیں تیار کیں اور ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کو سخت شکست دی - اس فتح کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ بیت المقدس آیا ہوا تھا - شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت تھا وہ غسانی خاندان تھا - اس کا پائے تخت بصریٰ تھا - اور حارث غسانی تخت نشین تھا وحیۃ کلبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک بصریٰ میں لا کر حارث غسانی کو دیا - جسے حارث نے قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا - قیصر نے خط پڑھ کر حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ - اس زمانے میں ابوسفیان جو اس وقت تک اسلام کے بڑے مخالف تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے قریب ہی ایک مقام پر قافلۂ تجارت کے ساتھ آئے ہوئے تھے - قیصر کے آدمی ان کو لے آئے -

قیصر نے بڑے اہتمام سے دربار منعقد کیا - تاجِ شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا - تخت کے چاروں طرف بطاریہ - قسیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں اور اہلِ عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا - تم میں سے اس مدعیٔ نبوت کا رشتہ دار کون ہے - ابوسفیان نے کہا میں ہوں - پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی -

قیصر - مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے ؟
ابوسفیان - شریف ہے -
قیصر - اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا ؟
ابوسفیان - نہیں -
قیصر - اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے ؟
ابوسفیان - نہیں -
قیصر - جن لوگوں نے یہ دین قبول کیا ہے ان میں اکثر غریب ہیں یا صاحب اثر ؟
ابوسفیان - غریب لوگ ہیں -
قیصر - اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں ؟

ابوسفیان ۔ بڑھتے جاتے ہیں ۔

قیصر ۔ کبھی تم لوگوں کو اس نبی کی نسبت جھوٹ بولنے کا بھی تجربہ ہے ؟

ابوسفیان ۔ نہیں ۔

قیصر ۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے ؟

ابوسفیان ۔ اب تک تو نہیں کی مگر اب جو معاہدۂ صلح ہوا ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں ۔

قیصر ۔ تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ بھی کی ؟

ابوسفیان ۔ ہاں !

قیصر ۔ نتیجۂ جنگ کیا رہا ؟

ابوسفیان ۔ کبھی وہ غالب رہا اور کبھی ہم !

قیصر ۔ اس کی تعلیم کیا ہے ؟

ابوسفیان ۔ کہتا ہے کہ قابلِ عبادت صرف خدا ہے واحد ہے دنیا و آخرت کی مشکلات میں اسی سے مدد مانگو ، مدد کے لئے اسی کو پکارو ، اسی کی بندگی کرو اور اس کی خدائی میں کسی فردِ خلق کو شریک نہ بناؤ ۔ نماز پڑھو ۔ اس کی ہدایتوں پر عمل کرو ۔ سچ بولو ۔ صلۂ رحم کرو ۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ کہا تم نے اس کو شریف الخاندان بتایا ۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں ۔ تم نے کہا کہ اس خاندان میں کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ۔ اگر ایسا ہوتا تو میں خیال کرتا کہ یہ خاندان کا اثر ہے ۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں تھا ۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے ۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا ۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا ہے ۔ تم کہتے ہو کہ غریب اس کے پیرو ہیں پیغمبروں کی پیروی ابتداءً غریبوں ہی نے کی ۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس کا دین ترقی کرتا جاتا ہے ۔ سچا مذہب بڑھتا ہی جاتا ہے ۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی دھوکا نہیں دیا ۔ پیغمبر کسی کو دھوکا نہیں دیتے ۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقویٰ اور عفو کی ہدایت کرتا ہے ۔ اگر یہ سچ ہے تو یقیناً میرے ملک تک اس کا قبضہ ہو جائے گا ۔ مجھ کو ضرور یہ خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا ۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو خود اس نبی کے پاؤں دھوتا ۔ اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ نامۂ مبارک پڑھا جائے ۔

نامہ رسالت	ترجمہ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد عبد اللہ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بند
ورسولہ الیٰ ھرقل عظیم الروم ۔ سلام علیٰ	اور رسول ہے ہرقل کے نام جو روم کا رئیس اعظم ۔
من اتبع الھدیٰ ۔	سلام ہو اس پر جو ہدایتِ حق کا پیرو ہے ۔
اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام	بعد ازیں میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام ا
اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین	تو سلامتی پاؤ گے ۔ اللہ تعالیٰ تم کو دگنا اجر دے گا ۔ اگر ا
فان تولیت فعلیک اثم الاریسین	کرو گے تو رعایا کا گناہ تم پر ہوگا ۔
و یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ	اے اہلِ کتاب آؤ اس کلمۂ حق کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشتر
بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا	ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کریں کسی کو اس کا شر
نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً	نہ ٹھیرائیں اور خدا کے سوا انسانوں کو اپنا رب نہ بنائیں
ارباباً من دون اللہ فان تولوا فاشھدوا	اگر نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں ۔
بانا مسلمون ۝	

قیصر اور ابوسفیان کی گفتگو سے اہلِ دربار چیں بہ جبیں ہو ہی رہے تھے ۔ نامۂ مبارک سنتے ہی ا برہم ہو گئے ۔ قیصر نے اہلِ دربار کی یہ حالت دیکھی تو دربار برخاست کر دیا ۔ وہ رسالتِ محمدیہؐ کی صداقت کا معترف ہو چکا تھا ۔ مگر تخت و تاج کی ہوس نے اس کو حق کی طرف آنے نہ دیا ۔

خسرو پرویز شاہِ ایران کے نام جو نامۂ مبارک عبداللہ بن حذافہ لے کر گئے وہ یہ تھا ۔

نامہ رسالت	ترجمہ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد رسول	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : محمد رسول اللہ کی طرف سے کسر
اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام علیٰ من	شاہ فارس کے نام ۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت حق
اتبع الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ و	اتباع کرے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے
اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ	یہ گواہی دے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی قابل عبادت (معبود
الی الناس کافۃ لینذر من کان حیاً	ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام دنیا کی طرف پیغمبر بنا
اسلم تسلم فان ابیت فعلیک	بھیجا ہے تاکہ وہ ہر شخص جو زندہ ہے اس کو خدا کا خوف د
اثم المجوس ۝	اسلام قبول کرو تو سلامتی پاؤ ۔ ورنہ تمام مجوسیوں کا وبال تمہا
	گردن پر ہوگا ۔

خسرو پرویز بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا ۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط ا

جاتے تھے ان میں پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔ نامۂ مبارک میں پہلے اللہ تعالیٰ کے نام تھے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام تھا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور غصہ میں آکر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ چند ہی سال میں مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں اس کی عظیم سلطنت کے پرزے پرزے ہو گئے۔

عزیزِ مصر مقوقس نے آپؐ کے قاصد کی بڑی عزت کی۔ اور دو لڑکیاں جو شرفاءِ مصر سے تھیں آپؐ کی خدمت میں بطورِ تحفہ روانہ کیں۔ اور کچھ نفیس کپڑے اور سواری کے لئے خچر بھیجا۔ مگر اسلام قبول نہ کیا۔ لڑکیوں میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرمِ نبوی میں داخل ہوئیں۔ یہ دونوں خدمتِ نبویؐ میں آنے سے پہلے ہی آپؐ کے قاصد حاطب بن بلتعہ کی تلقین سے نورِ اسلام سے منوّر ہو چکی تھیں۔

دیگر رؤسائے عرب کو جو خطوط لکھے گئے تھے۔ ان کے بھی مختلف جواب آئے۔ ایک رئیس یمامہ نے لکھا کہ تم جو باتیں کہتے ہو وہ سچ ضرور ہیں۔ اگر حکومت میں مجھے بھی کچھ حصہ ملے تو میں ضرور تمہاری اتباع کروں، آپؐ نے فرمایا کہ اسلام میں ملک وجاہ کی ترغیب نہیں ہے۔

حارث غسانی جو حدودِ شام کا رئیس تھا اور رومیوں کے ماتحت اطراف کے عربوں پر حکومت کرتا تھا بہت برہم ہوا، آپؐ کے قاصد کو قتل کر دیا۔ اور لڑنے کا ارادہ کر لیا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئیگی۔

غزوہ خیبر ۷ھ ہجری

مدینہ سے شام کی جانب، تین منزل یعنی تقریبا (۶۰ یا ۷۰) میل دور خیبر ایک آبادی کا نام ہے۔ یہ خالص یہودیوں کا شہر تھا۔ آبادی کے اطراف نہایت مستحکم قلعے بنا کر یہود اس میں آباد تھے۔ مدینہ سے جو یہود نکال دیئے گئے تھے۔ وہ بھی یہیں آکر بس گئے تھے خصوصاً بنو نضیر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو صلح حدیبیہ سے واپس ہو کر ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ خبریں آنے لگیں کہ خیبر کے یہود مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور جنگِ احزاب کی ناکامی کا بدلہ لینے اور اپنی کھوئی ہوئی عزت وقوّت کو پھر بحال کرنے کے لئے ایک خونریز جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔ یہودیوں نے عربوں کے ایک قبیلہ بنو غطفان کو جو بڑے جنگجو تھے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشورۂ صحابہ کرامؓ یہ طے کیا کہ آگے بڑھ کر یہودیوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ مجاہدین جن کی تعداد دو ہزار تھی۔ جن میں دو سو اسپ سوار تھے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مقدمۂ لشکر کے سردار عکاشہ بن محصن اسدیؓ اور میمنہ کے سردار سیدنا عمرؓ اور میسرہ کے سردار کوئی اور صحابی رضی اللہ عنہم مقرر ہوئے۔ بیش

خواتینِ اسلام بھی شریکِ لشکر تھیں جو خیموں اور بیماروں کی خبرگیری کے لئے ساتھ لے لی گئیں۔ مجاہدین کی یہ فوج خیبر کی جانب روانہ ہوئی۔ اور منزلیں طے کرتے ہوئے رات کے وقت خیبر کے متصل پہنچی۔ میدان میں ڈیرے ڈال دیئے گئے۔ میدان کا انتخاب ایک بڑے جنگ آزما صحابی حضرت خباب بن منذر نے کیا۔ یہ میدان اہلِ خیبر اور بنو غطفان کی آبادی کے درمیان تھا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ جب بنو غطفان اہلِ خیبر کی مدد کو نکلے تو لشکرِ اسلام کو سدِ راہ پایا اور چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

خیبر میں متعدد قلعے تھے جن میں قلعۂ ناعم اور قموص بڑے اور مضبوط تھے سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر مجاہدین نے حملہ کیا۔ دو تین روز سخت لڑائی کے بعد یہ قلعہ بفضلِ الٰہی فتح ہو گیا۔ ناعم کے بعد اور قلعے بآسانی فتح ہوتے گئے۔ لیکن قلعہ قموص مرحب کا پایۂ تخت تھا۔ مرحب بڑا جنگجو اور بڑا پہلوان تھا۔ اور اپنے کو ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعہ کی مہم پر اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور پھر سیدنا عمرؓ کو بھیجا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ ایک دن شام کو آپ نے فرمایا کہ کل میں اس شخص کو فوج کا علم دے کر بھیجوں گا۔ جس کے ہاتھ اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول کو چاہتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔ یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی۔ ہر صحابی کی تمنا تھی کہ ان کو یہ فخر حاصل ہو۔ صبح کو یہ آواز سنی گئی کہ علیؓ کہاں ہیں۔ یہ آواز ذرا غیر متوقع تھی۔ کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ سیدنا علیؓ کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ اور جنگ پر جانے سے معذور ہیں۔ غرض حسبِ طلب سیدنا علیؓ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور فوج کا علم ان کو عنایت فرمایا۔

مرحب بڑے طمطراق سے قلعہ سے باہر نکلا اور رجز پڑھتا ہوا سیدنا علیؓ کے مقابل ہوا۔ سرتا پا آہن میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر سیدنا علیؓ نے اس زور سے اس کے سر پر تلوار ماری کہ تلوار خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔

مرحب کے قتل ہوتے ہی یہود نے عام حملہ کر دیا۔ مگر ان کو شکست ہوئی۔ غرض (۲۰) دن کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ فتح کے بعد زمینِ مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ نصف زمین بیت المال کے لئے رکھ کر باقی زمین تمام مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔ اور یہود کو کامل امن و امان دیا گیا۔ (مگر یہ شرپسند قوم فتنہ برپا کرتی رہی تا آنکہ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں اپنی شرارتوں کی وجہ سے تمام یہود ملکِ شام جلاوطن کر دیے گئے۔)

اس جنگ میں حضرت صفیہؓ جو ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں اور سردار ہی کی بیوی بھی تھیں اور ان کے باپ اور شوہر دونوں جنگ میں قتل ہو گئے تھے گرفتار ہو کر آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حصے میں ان کو لے لیا۔ اور ان کی خاندانی عزت کے لحاظ سے ان کو آزاد کر دیا اور ان کے پاسِ خاطر، حفظِ مراتب اور رفعِ غم کے لئے ان سے عقد کر لیا۔

خیبر یہودیوں کا بڑا مرکز تھا۔ اس فتح سے یہودیوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی۔ اسلام کے دو بڑے دشمن مشرکین مکہ اور یہود تھے۔ اور دونوں نے اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا لیا تھا۔ یہود کی شکست سے مشرکین کا ایک قوی بازو ٹوٹ گیا۔ اور مسلمانوں کو بھی ذرا امن نصیب ہوا۔ اور اسلام کی اشاعت میں جو رکاوٹیں تھیں وہ بڑی حد تک دور ہو گئیں۔ اور مسلمانوں کی معاشی حالت بھی ٹھیک ہو گئی۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ جنگ خیبر کے بعد حسب ذیل احکام نازل ہوئے۔

۱۔ پنجہ دار پرند اور درندہ جانور حرام کر دیئے گئے۔
۲۔ گدھا اور خچر حرام کیا گیا۔
۳۔ چاندی سونے کا لین دین اضافہ کے ساتھ حرام کیا گیا۔
۴۔ کنیزوں سے فوری تمتع جائز تھا۔ اب استبراء کی قید ہو گئی یعنی اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل تک ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہیں۔
۵۔ متعہ (عارضی نکاح) بھی اسی سال حرام ہوا۔ اور اسی سال آپؐ کے داماد ابوالعاص، حضرت زینب کے شوہر مسلمان ہوئے۔

ان ہی دنوں حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ جو سیدنا علیؓ کے حقیقی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے اور ہجرت کر کے ملک حبش چلے گئے تھے۔ مع اپنی بیوی کے مدینہ تشریف لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی واپسی سے بہت خوش ہوئے اور اٹھ کر ان کو گلے سے لگا لیا۔

وادی القریٰ

خیبر سے قریب وادی القریٰ ایک بستی یہود کا مخصوص مرکز تھی۔ خیبر میں چند روز قیام فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رخ کیا۔ ابتداءً یہود لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مگر تھوڑے سے مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور صلح کر لی۔

غزوۂ موتہ جمادی الاوّل ۸ھ ہجری

قبل ازیں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائی رؤساء و سلاطین کے پاس دعوت نامے بھیجے تھے ان کے منجملہ سرحد شام مقام بصریٰ کے رئیس نے اسلامی سفیر کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے قصاص کے لئے تین ہزار مجاہدین کی فوج شام کی طرف روانہ فرمائی اور زید بن حارثؓ جو آپؐ کے پروردہ اور نہایت عزیز تھے انکو اس

فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ مشرف بہ شہادت ہوں تو جعفر ابن ابو طالبؓ سپہ سالار ہوں اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہؓ جو ایک معزز انصاری تھے وہ فوج کے سردار ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دور تک فوج کی مشایعت فرمائی اور تمام دیگر صحابہؓ نے فتح کی دعا کی۔

گو یہ مہم قصاص کی غرض سے تھی لیکن ہر کام اور مہم کا اصلی مقصد اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ پہلے دعوتِ اسلام دی جائے۔

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے والیٔ بصریٰ کو اطلاع دی اس نے مقابلہ کے لئے عیسائی قبائل کو جمع کر لیا۔ اور قیصر روم کے پاس سے کچھ شاہی فوج بھی طلب کر کے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ غرض تین ہزار مجاہدین اور ایک لاکھ کا مقابلہ شروع ہوا۔ حضرت زیدؓ سپہ سالار فوج شہید ہوئے ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور بڑی بے جگری سے لڑے اور زخموں سے چور چور ہو کر شہید ہوئے ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور شجاعت سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اب حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا۔ اور نہایت بہادری اور ہوشیاری سے لڑے۔ روایت ہے کہ آٹھ تلواریں آپ کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گریں بالآخر اپنی جنگی مہارت سے مجاہدین کو ایک لاکھ کے نرغے سے نکال لائے کہ اس وقت یہی بڑی کامیابی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا کافی صدمہ ہوا۔ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ سے آپ کو خاص محبت تھی اسی جنگ کے بعد حضرت خالدؓ سیف اللہ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

فتح مکہ رمضان ۸ھ

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب میں سے "خزاعہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہو گئے تھے اور خزاعہ کے حریف بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا تھا۔ خزاعہ اور بنو بکر میں مدت سے حریفانہ کش مکش تھی اور لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن جب قریش اور دیگر قبائل عرب کا تمام زور اسلام کی مخالفت میں صرف ہونے لگا تو یہ لڑائیاں رک گئی تھیں صلح حدیبیہ کے بعد پرانی دشمنی تازہ ہو گئی اور بنو بکر نے اچانک خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ رؤسائے قریش نے علانیہ بنو بکر کی مدد کی اور خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم کعبہ میں پناہ لی لیکن حدودِ حرم میں بھی ان کا خون بہایا گیا۔

خزاعہ جو مسلمانوں کے حلیف تھے ان کے چالیس شتر سوار فریادی ہو کر مدینہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے آپؐ نے واقعات سنے تو آپؐ کو سخت رنج ہوا۔ قریش نے اگرچہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی تاہم آپؐ نے ان کے پاس قاصد بھیجے اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے

کوئی ایک قبول کی جائے۔

۱۔ مقتولین کا خون بہا، دیا جائے۔ یا
۲۔ بنو بکر کی حمایت سے قریش الگ ہو جائیں۔ یا
۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے جواب دیا صرف تیسری شرط منظور ہے۔ لیکن قاصد جواب لے کر چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور انہوں نے ابو سفیان کو روانہ کیا کہ وہ مدینہ جا کر معاہدہ کی تجدید کرا لائیں۔ ابو سفیان نے مدینہ آکر تجدید معاہدہ کی کوشش کی مگر وقت آچکا تھا کہ حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جس خانہ خدا کی تعمیر کی تھی اُن کے آخری جانشین کے ہاتھوں وہ بیت اللہ، بتوں کی آلائش سے پاک ہو جائے۔ ابو سفیان کو ناکام لوٹنا پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حلیف قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ اور احتیاط کی گئی کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک بدری صحابی تھے۔ انہوں نے قریش کو ایک مخفی خط لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپؐ کو اس کی اطلاع ہو گئی اور آپؐ نے سیّدنا علیؓ، سیّدنا زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو روانہ فرمایا کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ سیّدنا علیؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں نے قاصد کو راستہ میں جا لیا۔ اور خط چھین کر خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ حضرت حاطبؓ سے باز پرس کی گئی۔ انہوں نے یہ عذر کیا کہ میرے عزیز و اقارب مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کا کوئی رشتہ دار اور حامی نہیں ہے۔ میں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا تاکہ اس کے صلے میں وہ میرے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں۔ صحابۂ کرام مخصوصاً سیّدنا عمرؓ چاہتے تھے کہ سخت سزا دی جائے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطبؓ کا عذر قبول کر لیا۔ مگر تنبیہاً وحی الٰہی نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ؕ	اے ایمان والو! تم اپنے اور میرے دشمنوں کو (دنیاوی اغراض کے لئے) دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔

اس کے بعد عتاب آمیز لہجہ میں ارشاد ہے۔

وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝ (سورۃ الممتحنہ)	اور اب (آئندہ) تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔

غرض ۱۰ رمضان ۸ھ کو آفتاب رسالت نے مکہ کی طرف رُخ کیا۔ دس ہزار جاں نثار ساتھ تھے حلیف قبائل راہ میں آکر ملتے گئے۔ ابھی مکہ ایک منزل باقی تھا کہ لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈالا۔ اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں۔ آپ کے حکم سے فوج کے تمام دستوں نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا بقعۂ نور بن گیا۔ قریش کے کانوں میں لشکرِ اسلام کی آمد کی بھنک پڑ چکی تھی۔ انہوں نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) اور ابوسفیان کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ خیمۂ نبوی پر جو دستہ متعین تھا اُس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا اور خدمت نبوی میں پکڑ لائے۔ سیّدنا عمرؓ نے جوش میں آکر عرض کیا اُسے قتل کر دیا جائے۔ مگر ابوسفیان نے اسلام لانے کا اظہار کر دیا۔

یہاں سے لشکرِ اسلام مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ فوج مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو اور ان احکام کی پابندی کرے۔

۱۔ جو کوئی ہتھیار پھینک دے اس کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ جو کوئی خانۂ کعبہ کے اندر ہو اس کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے یا ابوسفیان یا حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے وہ بھی قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۴۔ زخمی اور اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۰ رمضان کو آپ دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ جو دستہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں تھا اس پر بعض اشرار نے حملہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے بھی مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں دو صحابی شہید ہوئے اور کفار (۱۲) لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔ اونٹ پر آپؐ کے ساتھ اسامہ بن زیدؓ تھے۔ آپ سر جھکائے سورۂ فتح تلاوت فرماتے ہوئے بیت اللہ کی طرف تشریف لے گئے۔ بیت اللہ میں اس وقت (۳۶۰) بت تھے۔ آپؐ ہر ایک بُت کو چھڑی سے مارتے جاتے اور فرماتے۔

جَآءَ الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۝ ؁ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر آپؐ نے بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی اور کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے ان کو باہر پھینکوا دیا۔ اور اللہ اکبر کی تکبیریں پڑھیں اور پھر نماز پڑھتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں نہایت عجز و نیاز سے پیشانی خاک پر رکھی، سجدہ کیا۔ اس عرصہ میں بہت سارے لوگ جمع ہو گئے تھے آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وحدہٗ لَا شریک لہٗ	اللہ تعالیٰ الہ واحد (قابل عبادت و اطاعت) ہے (اس کی ملک
وصدق وعدہٗ و نصر عبدہٗ و	وحکومت میں) کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر
ھزم الاحزاب وحدہٗ	دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تمام مخالف گروہوں کو تنہا
	شکست دے دی۔
الاکل ماثرۃ او دم او مال یدعی فھو تحت	تمام مفاخر اور تمام خون اور تمام خونبہا سب میرے قدموں کے
قدمی ھاتین الا سدانۃ البیت و	نیچے ہیں (یعنی مٹا دیئے گئے) صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج
سقایۃ الحاج:	کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں (کہ یہ نیک کام ہیں)
یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب	اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار
عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا	خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ نسلِ آدم سے ہیں
بالاباء الناس من آدم وآدم من تراب	اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اس کے بعد یہ آیت کریمہ پڑھی۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ	اے لوگو! میں نے تم کو مرد و عورت (کے میل) سے پیدا کیا اور
اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا	تمہارے خاندان و قبیلے بنائے کہ ایک دوسرے کو پہچانو اور
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ	خدا کے نزدیک مکرم، باعزت وہ ہے جو متقی ہے۔ اللہ بڑا
عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (الحجرات)	علم والا اور واقف کار ہے۔

اس مختصر خطاب میں الٰہی و نبوی تعلیم یعنی دینِ حق کے افکار و اعمال کا اصل الاصول بیان کر دیا گیا۔ سب سے پہلے آپ نے وہ حقیقت بیان کی جس کو ماننے کے بعد تمام انسان ایک ہی رشتۂ اخوت و یگانگت میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے الٰہِ واحد ہیں یعنی تمام انسانوں کی آرزوؤں و تمناؤں کا ملجا و ماوی ہیں۔ اظہارِ فقر و ذلت کے ساتھ عبادت، خوف و محبت، دعا و سوال۔ اعتماد و اطاعت و انقیاد، صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ تمام انسان جس طرح اپنی نشو و نما اور پرورش میں اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظامِ حیات کے پابند ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی تعلیم و تربیت میں بھی اللہ جل شانہٗ کے علم و ہدایت کے محتاج ہیں۔ ان کی نازل کی ہوئی علم و ہدایت کی روشنی سے اپنے دل و دماغ و کردار کو منور کئے بغیر کوئی انسان فلاح، ایک بامراد ابدی زندگی "الجنۃ" نہیں پا سکتا۔ اسی نے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ جنہوں نے درِ حق سے برگشتہ تمام گمراہ انسانوں کو رحمتِ حق سے وابستہ اور جہل کو دور کر کے علمِ حق سے آراستہ ہونے کی باذنِ الٰہی دعوت دی تھی۔ وہ تمام جاہل

انسان جو اس دعوتِ حق کو سمجھنے کی کوشش کرنے اور اس کو قبول کرنے کی بجائے اُس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اور اس صدائے حق کو دبانے کی انتھک اور متحدہ جد و جہد کر رہے تھے ان سب کو شکست دے دی اور حق کا بول بالا کیا اور جہل و ظلمت کی بیشتر دنیا پندرہ بیس سال کے اندر ہی اندر علم و نور کی دنیا بن گئی اس کے بعد جاہلیت کے وہ تمام تصورات جو ہر جاہل قوم میں پائے جاتے ہیں عام ازیں کہ عصر قدیم کے انسان ہوں یا عصرِ جدید کے انسان، یعنی قومی و ملکی و نسلی تفاخر، خاندانی حسب و نسب اور دولت و ثروت پر غرور، امارت و غربت کا امتیاز اور اعلیٰ و ادنیٰ کا جاہلانہ معیار، تصوّرات کے یہ تمام بت کدے مسمار کر دیئے گئے اور یہ حقیقت واضح کر دی کہ تمام انسان خواہ وہ کسی نسل و قوم و ملک سے ہوں۔ اور امارت کے لحاظ سے کتنے ہی بڑے اور چھوٹے ہوں آپس میں سب برابر ہیں۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ خاندان و قبیلے صرف باہمی تعارف کے لئے ہیں۔ فخر و عزت کے لئے نہیں۔ خود کو معزز اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کے لئے نہیں۔ اب اگر باہم فرقِ مراتب ہے تو صرف تقویٰ، پرہیزگاری کی بناء پر ہے۔ جو متقی ہے، اور دینِ حق سے آراستہ ہے، جو الٰہی و نبوی تعلیم کی روشنی میں منازلِ حیات طے کر رہا ہے جس کی کشتِ زندگی اسی آبِ حیات سے سرسبز و شاداب ہے بندگی و اطاعتِ حق کا شرف ہی جس کے لئے موجبِ عز و ناز ہے وہی اللہ کے پاس معزز ہے۔ مکرم ہے۔ اعلیٰ و اشرف ہے۔ باقی وہ تمام انسان جو اس سعادت سے گریزاں ہیں۔ اور اس روح پرور حقیقت کے منکر۔ عام ازیں کہ وہ کسی ملک و قوم سے ہوں کتنے ہی صاحبِ جاہ و ثروت ہوں، برق و بھاپ پر قابو رکھتے ہوں۔ ایجاد و اختراع کے مالک ہوں۔ تزئینِ صورت و آسائش و آرائشِ جسم کا نفیس و قیمتی سامان رکھتے ہوں۔ جاہل ہیں، جانور ہیں، روئے زمین کے بدترین انسان ہیں۔ اب جاہلانہ تفاخر کی بناء پر زر و زمین کے لئے نہ دشمنی ہو نہ خون خرابہ، نہ جدال و قتال بلکہ اب عداوت و نفرت، جدال و قتال، محبّت و دوستی جو بھی ہو صرف حق و باطل کی بناء پر ہو۔ اللہ علیم و خبیر کا یہی اعلانِ حق ہے۔

اس کے بعد آپ نے حرمتِ شراب کا اعلان فرمایا۔

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا۔ تو جبّارانِ قریش سامنے تھے۔ وہ بھی تھے جو دینِ حق کو مٹانے میں پیش پیش تھے۔ وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کی بوچھاڑ کیا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے جنہوں نے پتھر برسا کر آپ کو لہو لہان کر دیا تھا۔ وہ بھی تھے جن کی تشنگی صرف خونِ نبوت چاہتی تھی۔ اور وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر اُن کی پشت اور سینوں پر آتشین مہر لگایا کرتے تھے۔ رحمۃ للعالمین نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تم کو معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔ یہ لوگ ہر چند ظالم تھے، شقی تھے مگر رحمۃ للعالمین کا رحم و کرم دیکھتے رہتے تھے۔ کہنے لگے۔

اَخ کریم و ابن اخ کریم ؛ تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے۔

ارشاد ہوا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء ؛ آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

نماز کا وقت آیا تو آپؐ نے سیدنا بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ سیدنا بلالؓ کی اذان سے کعبہ کا ماحول گونج رہا تھا اور شیطان اور اس کے کارندے ایک گوشے میں کھڑے اپنی ناکامی و رسوائی پر آنسو بہا رہے تھے۔

پھر مقام صفا کے ایک بلند مقام پر آپؐ بیٹھ گئے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے جاتے تھے الفاظ بیعت یہ تھے۔

۱۔ میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا۔

۲۔ چوری، زنا، خونِ ناحق نہ کروں گا۔ لڑکیوں کو قتل نہ کروں گا کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

۳۔ میں امورِ حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہٗ اطاعت کروں گا۔

جب مردوں کی باری ختم ہو چکی تو عورتوں نے بیعت کی اس موقعہ پر ہندہ، ابوسفیان کی بیوی جس نے جنگ احد کے دن سیدنا حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبالیا تھا وہ بھی اسلام لے آئیں۔ عکرمہ بن ابوجہل یمن چلے گئے تھے۔ ان کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر یمن جا کر اپنے شوہر کو لے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر اُن سے بیعت لی۔

(**نوٹ**:- اس سے بیعت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعدد مواقع پر بیعت لیا کرتے تھے۔ کبھی تو لوگ ہجرت و جہاد پر بیعت کرتے تھے۔ کبھی ارکانِ اسلام کے قائم کرنے پر۔ کبھی لڑائیوں میں ثبات و قرار پر۔ کبھی فواحش و منکرات کے چھوڑنے پر۔ کبھی تمسک بالسنت اور بدعت سے احتراز اور طاعات پر حریص ہونے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور بلا لحاظِ ضرر جان و مال اعلائے کلمۃ الحق پر آپ بیعت لیا کرتے تھے۔ افسوس کہ جہاں دین کی بیشتر تعلیم بگڑ گئی۔ اسی طرح سنت بیعت بھی بگڑ گئی۔ اب مرشد و مرید دونوں کے پیش نظر فکر و عمل کی اصلاح نہیں۔ بلکہ بیعت کا مقصد صرف نجات و مغفرت ہے۔ یعنی کسی سلسلۂ رشد و ہدایت میں بیعت کرنا گویا نجات و مغفرت کا پروانہ حاصل کر لینا ہے۔ فکر و عمل کی اصلاح، نفس کا تزکیہ و قلب کی تطہیر نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ ضرورت ہے کہ اس بگاڑ کی اصلاح کی جائے۔ اور سنت بیعت کو صحیح معنوں میں رائج کیا جائے۔ بیعت لینے والا صحیح معنوں میں علماً و عملاً متبع رسالت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہو۔ اور اس کی تعلیم و تربیت کا طریقہ بالکلیہ مطابق سنت ہو۔ یعنی مروجہ عرفان و اشغال و اذکار جو قطعاً غیر نبوی تعلیم ہے۔ نیز مروجہ بدعات کا کوئی جزو اس کی تعلیم میں نہ ہو۔ وہ صحابۂ کرام کی طرح

طالبانِ حق کو اولاً " ازہد فی الدنیا وارغب فی الآخرۃ" بنانے کی اور طالبانِ حق میں باطل شکن کردار اور اعلائے کلمۃ الحق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل کے والہانہ جذبات وعزائم پیدا کرنے کی کوشش کرنے والا ہو۔ بیعت کرنے والوں کی نیت بھی یہی ہونا چاہیئے۔ کہ وہ قرآنی و نبوی تعلیم پا کر حق تعالیٰ کے جاں نثار بندے، مردانِ مجاہد، اور مغفرت وجنت و درجاتِ جنت کے طالب و حریص اور نفع آخرت کے لئے دنیا کا ہر نقصان بطیبِ خاطر برداشت کرنے کے قابل بنیں۔ اور ان میں وہ بصیرتِ دینی پیدا ہو کہ جہالت کتنی ہی ترقی یافتہ شکل میں اور حق پرستی کے عنوان سے اُن کے سامنے آئے۔ وہ اس کو پہچان لیں۔ اور قولاً و فعلاً اس پر کاری ضرب لگاتے رہیں۔

مروجہ بیعت تو گمراہی کا سودا ہے۔ مرشدوں کی تجارت ہے جو موجب بہبودی نہیں موجب بربادی ہے۔

اس فتح مبین کے موقعہ پر بھی اسلام قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا گیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو جنگِ حنین ہوئی تھی۔ اس وقت تک بھی بہت سے لوگ مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔

حرم کعبہ میں نذر و منت و ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا۔ اس کو محفوظ کر کے باقی تمام مجسمے اور تصویریں برباد کر دی گئیں۔ جن میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی۔

فتح مکہ کے بعد کفار کے مال و جنس پر بطور غنیمت قبضہ کرنے کا تو کیا ذکر ہے مہاجرین نے جب آپ سے درخواست کی کہ ہمارے گھر اور ہماری جائداد جو مشرکین کے قبضہ میں ہے وہ واپس دلائی جائے تو آپؐ نے ان کی درخواست منظور نہیں فرمائی۔ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نفع آخرت کے لئے تم نے جو جائداد چھوڑ دی تھی۔ اب اس کو واپس لینے کی خواہش کیوں کرتے ہو۔ آخرت میں اس کا اجر عظیم ملنے والا ہے اسی کو پیش نظر رکھو۔

فتح مکہ کے بعد لوگ بکثرت اسلام قبول کرتے گئے۔ جن میں اکثر وہ لوگ تھے جو قریش کے دباؤ سے رکے ہوئے تھے۔ اور اکثر یہ انتظار کر رہے تھے کہ اگر مکہ پر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) قابض ہو جائیں تو یقیناً وہ نبی صادق ہیں اور ہم ضرور اسلام قبول کر لیں گے۔ نیز یہودیوں کی قوت ٹوٹ جانے اور مکہ فتح ہو جانے سے دین حق کی اشاعت میں کوئی روک ٹوک اور دقت باقی نہیں رہی۔ نہایت اطمینان اور آزادی سے دینِ حق کی اشاعت ہونے لگی۔

جنگِ حنین ۸ھ

عرب کے دو زبردست قبیلے ہوازن و ثقیف تھے۔ یہ بڑے بہادر اور جنگجو تھے۔ ان کا زعم تھا کہ اگر ہم مسلمانوں پر حملہ کریں گے تو مسلمان ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان کو شکست دے کر ہم اہل مکہ کی تمام

جائداد پر قابض ہو جائیں گے۔ اور اس طرح مسلمانوں سے اپنے آبائی دین کی بے حرمتی کا انتقام بھی لے لیں گے۔ دیگر قبائل تو اسلام کی طرف مائل ہوئے مگر ہوازن و ثقیف پر الٹا اثر ہوا۔ انہوں نے دیگر قبائل کو بھی ہموار کر لیا اور چار ہزار منتخب بہادروں کو لے کر مکہ کی طرف بڑھے اور وادیٔ حنین جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے اس میں پڑاؤ کیا۔ اپنے سردار مالک بن عوف کے مشورہ سے اپنے بیوی بچے مال اور مویشی کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ تاکہ کوئی اپنے مال اور بیوی بچوں کے تعلق سے میدان چھوڑ کر فرار نہ ہونے پائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپؐ نے تصدیق کے لئے جاسوس بھیجے۔ جاسوسوں نے حنین میں آکر حالات کی تحقیق کی اور واپس جا کر آپ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے بھی مقابلہ کی تیاری کی۔ رسد اور سامانِ جنگ کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی۔ ابوجہل کے ایک بھائی نے تیس ہزار درہم قرض دیئے۔ اور صفوان بن امیہ نے سامانِ جنگ مستعار دیا۔ غرض پوری تیاری کے بعد شوال ۸ھ ہجری کو اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ حنین کی طرف بڑھیں۔ دشمن نے اپنے منتخب تیراندازوں کو ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی میں بٹھا دیا تھا۔ جب اسلامی لشکر کا اگلا حصّہ زد میں آیا تو تیراندازوں نے فوراً تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اس اچانک حملہ سے اسلامی فوج پیچھے ہٹی اور فوج میں انتشار پیدا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ مجاہدین اِدھر اُدھر منتشر ہوتے جا رہے ہیں۔ تو آپ نے للکارا "یا معشر الانصار" اطراف سے آوازیں آئیں ہم حاضر ہیں۔ آپ نے پرجلال لہجہ میں فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں۔ پھر آپؐ نے حضرت عباسؓ کو جو بلند آواز تھے۔ حکم دیا کہ انصار اور مہاجرین کو آواز دو۔ حضرت عباس کی آواز سننا تھا کہ تمام فوج دفعتاً پلٹ پڑی اور مجتمع ہو کر دشمن پر حملہ کر دیا بہ تائیدِ الٰہی دفعتاً لڑائی کا رُخ بدل گیا۔ دشمن حملہ کی تاب نہ لا سکے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور دو حصّوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک حصّہ نے ایک قریبی مقام اوطاس میں جا کر دم لیا۔ اور دوسرا حصہ طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔

اسلامی فوج کی تعداد بارہ ہزار ہونے کے باوجود پہلے ہی حملہ میں فوج جو پسپا ہوئی اور ادھر اُدھر منتشر ہو گئی۔ اور پھر بفضلِ الٰہی مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ اور دشمن کو شکست ہوئی اس کی وجہ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃٍ و	یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی (خصوصاً)
یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم	حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت
تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم	تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگی کرنے لگی۔
الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ۵	اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

ثم انزل اللہ سکینتہٗ علی رسولہٖ ✦ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکون وطمانیت نازل فرمائی
وعلی المؤمنین وانزل جنوداً لم تروھا ✦ اور ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں
وعذب الذین کفروا ط ✦ کو عذاب دیا۔

(**نوٹ** ۔ مطلب یہ کہ اپنی کثرت پر اعتماد پیدا ہوجانا توکل علی اللہ کے منافی تھا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور تنبیہاً تم کو ذرا سا پسپا کر دیا۔ تاکہ تم کو یقین آجائے کہ اصلی چیز تائید و نصرتِ الٰہی ہے نہ کہ اسبابِ ظاہری۔ اسبابِ ظاہری کتنے ہی فراہم ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ و اعتماد کرنا چاہیئے۔ اس میں اگر کوئی نقص و خامی ہوگی تو کاروبار و معاملات میں تائید الٰہی حاصل نہ ہوگی۔ اہلِ ایمان کے متعلق یہی سنتِ الٰہی ہے۔)

دشمنوں کی فوج کا جو حصّہ اوطاس کی جانب فرار ہوگیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استیصال کے لئے ایک مختصر فوج روانہ فرمائی۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد دشمن کو پوری طرح شکست ہوگئی۔

اس جنگ میں بے شمار مالِ غنیمت، چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار چاندی کا سکہ ہاتھ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت کو ایک جگہ محفوظ کر کے طائف کی جانب روانہ ہوئے۔ جہاں دشمنوں کی فوج کا دوسرا حصّہ بھاگ کر پناہ گزین تھا۔

حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیئے گئے۔ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے۔ طائف کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور چوبیس دن تک محاصرہ رہا۔ مگر اہلِ شہر نے ہتیار نہیں ڈالے۔ چونکہ محصورین میں اب کوئی جارحانہ قوت باقی نہیں رہی تھی۔ اور ان کی طرف سے اب حملہ کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ اس لئے آپؐ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ آپؐ نے واپس ہوتے وقت دعا دی کہ الٰہی ثقیف کو ہدایت دیجئے۔ اور ان کو میرے پاس بھیج دیجئے۔

محاصرہ اٹھا کر آپ اس مقام پر تشریف لائے۔ جہاں اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت محفوظ کر دیا گیا تھا۔ مالِ غنیمت کے پانچ حصّے کر کے چار حصّے حسب قاعدہ فوج میں تقسیم کئے گئے۔ اور خمس بیت المال اور غربا کے لئے رکھا گیا۔ مکہ کے کئی رؤساء جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ ان لوگوں کو آپؐ نے نہایت فیاضانہ انعامات دیئے۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام، صفوان بن امیہ وغیرہ کو سو سو اونٹ اور بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عنایت فرمائے۔ اس پر انصار کے بعض نوجوانوں کو شکایت پیدا ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو انصار کو طلب فرمایا۔ اور خیمہ میں ان سب کو جمع کر کے پوچھا کہ کیا تم کو میرا یہ عمل ناگوار ہوا۔ انصار نے کہا کہ آپ نے جو سنا وہ صحیح ہے۔ پھر آپ نے سب کو خطاب فرما کر کہا۔

"کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت دی، تم باہم ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم میں اتفاق پیدا کیا۔"
آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرے پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "اللہ اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے" آپؐ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) جب لوگوں نے تم کو جھٹلایا تو ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے تم کو نکال دیا تو ہم نے تم کو پناہ دی۔ تم مفلس تھے ہم نے تمہاری مدد کی۔
یہ کہہ کر آپؐ نے فرمایا تم یہ جواب دیتے جاؤ۔ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار سنو! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں۔ اور تم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔
آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سنتے ہی انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) درکار ہیں۔ اکثر کا یہ حال تھا کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں۔ سچ کہا کسی نے سے

محمدؐ ہیں متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارے ٭ پدر، مادر، برادر، جان و مال اولاد سے پیارے

آپؐ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے ان کو جو کچھ دیا حق کی بناء پر نہیں تالیف قلوب کے لئے دیا۔
حُنین کے اسیرانِ جنگ کے متعلق ایک معزز سفارت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے جائیں۔ آپؐ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ سے تھیں۔ سردار قبیلہ نے تقریر کی کہ جو عورتیں محبوس ہیں ان میں تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں (رضاعی) ہیں۔ خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب میں سے کوئی ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو یقیناً ہم کو اِن سے بڑی امیدیں ہوتیں۔ اور تم سے تو ہم کو اور بھی زیادہ توقعات ہیں آپؐ نے فرمایا خاندان عبدالمطلب کی حد تک جو کچھ تم نے کہا منظور ہے۔ اور عام رہائی کے لئے بہتر ہے کہ نماز کے بعد سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد سب کے سامنے درخواست رہائی پیش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے خاندان والوں کے حصّہ کی حد تک میں اسیروں کو آزاد کر دیتا ہوں اور دوسروں کے متعلق تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں۔ مہاجرین اور انصار فوراً بول اٹھے ہمارا حصّہ بھی حاضر ہے اس طرح چھ ہزار اسیرانِ جنگ دفعتاً آزاد تھے۔

واقعاتِ متفرقہ

اس سال بعض تعزیری قوانین نافذ ہوئے۔ چور کے لئے قطعِ ید کی سزا مقرر ہوئی۔ اور اس مساوات کے

ساتھ کہ آپ نے فرمایا کہ فاطمہؓ بنتِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرے تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں۔

شراب اور جوا اہلِ عرب کے عام مشاغل تھے۔ (اور موجودہ نام نہاد مہذب دنیا کے بھی یہی مشاغل تفریح ہیں) اس سال دونوں کی قطعی حرمت کے احکام نازل ہوئے۔ اور اس فعل کو شیطانی فعل قرار دیا گیا۔

(**نوٹ**:۔ ترقی یافتہ دنیا سے جو لوگ مرعوب ہیں وہ سمجھ لیں کہ وہ شیطان کے کارندوں سے مرعوب ہیں)

اس سال آپؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؓ بعمر ڈیڑھ سال نے انتقال کیا۔ وفات کے دن سورج گہن ہوا۔ جاہل انسان سمجھتے آئے ہیں کہ کسی بڑے آدمی کی موت پر گہن ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی عام لوگوں نے یہی سمجھا۔ آپؐ نے سنا تو سب کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ گہن خدائے تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ کسی کے مرنے اور جینے سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز با جماعت ادا فرمائی۔

آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

غزوۂ تبوک ۹ھ

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل دور واقع ہے۔ جنگِ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مدینہ میں اس کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ بالآخر یہ خبر پھیل گئی کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے رومیوں نے ایک لشکرِ جرار تیار کر لیا ہے۔ قرائن اس قدر قوی تھے کہ اس خبر کے غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ اور تمام قبائل سے فوجیں اور مالی اعانت طلب کی۔ اکثر حضرات نے بڑی بڑی رقمیں اور دو دو تین تین سو اونٹ پیش کئے۔ سیدنا عمرؓ نے نصف جائداد اور سیدنا صدیقؓ نے پوری املاک پیش فرما دی۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ ابوبکرؓ بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑا ہے۔ تو سیدنا صدیقؓ نے فرمایا" اللہ اور اللہ کا رسول ہمارے لئے کافی ہیں۔" غرض ہر صحابی نے اس موقعہ پر بڑی فراخ دلی سے کام لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب خیال کیا کہ سرزمینِ عرب میں داخل ہونے سے پہلے رومیوں کی مدافعت کر لینی چاہیئے۔ تاکہ اندرونِ ملک کے امن میں خلل واقع نہ ہو غرض تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ آپؐ جانب تبوک روانہ ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول تھا کہ جب آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے۔ چونکہ اس جنگ میں بخلاف اور معرکوں کے ازواجِ مطہرات ساتھ نہیں گئی تھیں اور اہلِ حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیزِ خاص کا رہنا ضروری تھا۔ اس لئے اس مرتبہ یہ منصب سیدنا علیؓ کو عطا کیا گیا۔ سیدنا علیؓ نے شکایت کی کہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ جاتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا۔

الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ۔ کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت
ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی ۔ ہے جیسے ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ
بعدی: ۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(نوٹ:۔ ایک موقع پر آپؐ نے سیدنا عمرؓ کے متعلق بھی فرمایا تھا۔ کہ اگر میرے بعد نبی ہوتے تو عمرؓ ہوتے۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اس ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کے خاتم النبییّن ہونے کا بالکل واضح مطلب یہی ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ اس کے بعد بھی قادیان سے ایک نبی کاذب کے متعلق نبیؐ ظلی وبروزی کے نام سے نبیِ برحق ہونے کا جو پروپیگنڈا کیا جارہا ہے۔ وہ کتنا بڑا فریب ہے۔ اگر امتِ محمدیہ میں نبیؐ ظلی وبروزی[1] کا کوئی امکان ہوتا تو سب سے پہلے امت سیدنا علیؓ اور سیدنا عمرؓ کو نبی تسلیم کرتی۔ مگر جماعتِ صحابہ کرامؓ نے کبھی ایسا تصور بھی نہیں کیا۔
اللہ تعالیٰ کی پناہ! کیسے کیسے تعلیم یافتہ اور قانون دان لوگ مکر وفریب کے اس جال میں پھنسے ہوئے ہیں)
تبوک پہنچ کر آپؐ نے تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا۔ اہلِ شام (رومی) مجاہدینِ اسلام کے عزائم و بہادری کو دیکھکر مرعوب ہوگئے اور لڑنے کا ارادہ ترک کردیا۔ زمانہ قیام میں اطراف کے اکثر عیسائیوں نے جزیہ پر صلح کرلی اور آپ بخیر وسلامتی مدینہ واپس آگئے۔

مسجدِ ضرار

منافقین ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں میں کسی طرح پھوٹ ڈالیں۔ ایک مدت سے وہ اس خیال میں تھے کہ مسجد قبا کے قریب ایک مسجد اس حیلے سے بنائیں کہ جو لوگ ضعیف و بیمار ہیں یا کسی عذر سے مسجد نبوی نہیں جاسکتے وہ یہاں نماز ادا کریں۔ چنانچہ ایک مسجد تیار کی گئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے جانے لگے۔ تو منافقین نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا۔ ہم نے ضعیفوں اور بیماروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے آپ وہاں چل کر ایک دفعہ نماز پڑھادیں۔ تو موجبِ خیر و برکت ہو۔ آپؐ نے فرمایا میں اس وقت تبوک کی مہم پر جارہا ہوں۔ واپس آکر نماز پڑھاؤں گا۔ جب آپ تبوک سے واپس آرہے تھے تو وحی کے ذریعہ منافقین کی شرارت کا حال معلوم ہوگیا۔ چنانچہ حسبِ ذیل آیتیں نازل ہوئیں۔

---

[1] ظلی وبروزی کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور مہرِ تصدیق سے نبی ہونا (جو محض دھوکہ اور جال ہے)

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا	جن لوگوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ اسلام کو ضرر
وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ	پہنچائیں اور کفر کریں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں۔ اور
وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ	جو لوگ پہلے سے خدا اور رسول کے مخالف ہیں ان کے لئے ایک
مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا	مرکز بنائیں اور قسم کھائیں کہ بھلائی کے سوا ہمارا کچھ اور
الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ	مقصد نہیں ہے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔
لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا۔ (توبہ)	آپ ہرگز اس میں نماز نہ پڑھائیں۔

مدینہ پہنچ کر آپؐ نے حکم دیا کہ مسجد مسمار کر دی جائے۔

۹ھ ہجری کے متفرق واقعات

اسی سال سود اور سود در سود حرام کیا گیا۔ اور حج فرض ہوا۔ ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۹ھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ قافلہ اور حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو معلّم اور سیدنا علیؓ کو نقیبِ اسلام مقرر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس حج کو حجِ اکبر فرمایا۔ کئی ہزار سال کے بعد فریضۂ حج، ملتِ ابراہیمی کے موافق ادا ہوا۔ اور جاہلیت کے تمام رسوم کا خاتمہ کیا گیا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے مناسکِ حج کی تعلیم دی۔ اور حج کے مسائل بیان فرمائے۔ سیدنا علیؓ نے اعلان فرمایا۔ کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ حسبِ منشاء آیۂ کریمہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ	اے ایمان والو مشرکین ناپاک ہیں اب وہ اس سال
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئیں۔
بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا۔ (توبہ)	

اور سورۂ توبہ کی ابتدائی آیتیں سنا کر یہ بھی اعلان فرما دیا کہ مشرکین سے اب تک جو معاہدے کئے گئے تھے ان ہی کے نقضِ عہد کی وجہ سے وہ تمام معاہدے ٹوٹ گئے۔

اب تک مسلمانوں کی مالی حالت خاطر خواہ ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ اب تمام معاشی ذرائع ان کے قبضے میں آ گئے۔ اس لئے زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا اور تحصیلِ زکوٰۃ کے لئے مختلف قبائل میں عمال مقرر کئے گئے۔

اطرافِ عرب میں اسلام کی اشاعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اصلی کام یہی تھا کہ من گھڑت دین کے پیروؤں کو دینِ حق سے وابستہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو نفس و شیطان کی بندگی کی ذلت سے نکال کر بندگیٔ حق کا شرف عطا کریں۔ تاکہ انسان کی اخروی زندگی بہتر سے بہتر ہو اور دنیا سے فتنہ و فساد دُور ہو۔ حق و صداقت کی اشاعت کے لئے تیغ و خنجر، شمشیر و سنان اور فوج کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی آواز اطرافِ عالم میں پہنچ جائے۔ مخالفینِ اسلام نہ صرف سدِّ راہ بنے ہوئے تھے۔ بلکہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کا استیصال کرنے کے لئے جدال و قتال کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ اگرچہ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ اور اسلامی فضا پر ظلمت و جہل کے تاریک بادل اُمنڈ اُمنڈ کر آتے رہے۔ تاہم آفتابِ حق کی شعاعیں ان گھنے بادلوں سے چھن چھن کر طالبانِ حق کے قلوب کو منوّر کرتی رہیں۔ اور اکناف و جوانب کو روشن کرتی جاتی تھیں۔ اور داعیانِ اسلام کی مساعی کامیاب ہوتی رہیں۔

جو ممالک اور قبائل زیرِ اثر آتے تھے۔ وہاں زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے جو عمال بھیجے جاتے تھے۔ ان کا تقدس و پاکیزگی اور دینداری مسلّم ہوتی تھی۔ اور ان کے ساتھ عالم اور واعظ بھی بھیجے جاتے تھے اور بعض حضرات خاص طور پر اشاعتِ اسلام کے لئے روانہ کئے جاتے تھے بفضلِ الٰہی اِن حضرات کی مساعی اور کردار یعنی اسلام کی ان چلتی پھرتی تصویروں کے اثر سے اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ اور صرف دو تین ہی سال (۸ھ، ۹ھ، ۱۰ھ) میں ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک بغیر کسی جنگ و جدل کے نورِ اسلام کی شعاعیں پہنچ گئیں۔

ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن نہایت زرخیز صوبہ ہے۔ یہاں ہمدان سب سے زیادہ کثیر التعداد اور صاحبِ اثر خاندان تھا۔ ۸ھ ہجری کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے سیّدنا علیؓ کو روانہ فرمایا۔ بفضلِ الٰہی سیدنا علیؓ کی مساعی سے پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ یمن کے دو قبیلے دوس اور اشعر اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ یمن میں عام طور سے دینِ حق کی تبلیغ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو نامزد فرمایا دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع پر بھیجے گئے۔ ان کو تاکید کی جاتی تھی کہ پہلے توحید و رسالت پیش کرنا۔ (اس کو نہ مانوگے تو "اَلنَّار" تمہارا ابدی ٹھکانا ہوگا) جب اس کو مان لیں تو پھر نماز و زکوٰۃ کی تعلیم دینا۔ سختی نہ کرنا۔ نفرت نہ دلانا۔ خوشخبری سنانا۔ (ابدی نفع "اَلْجَنَّۃ" کی خوش خبری) جب وہ زکوٰۃ

دبں تو چن چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا۔ کسی پر ظلم نہ کرنا۔ کیونکہ مظلوم کی دعا اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

بحرین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء حضرمی کو تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ علاقہ حکومت ایران کے حدود میں داخل تھا۔ منذر بن ساویٰ یہاں کے گورنر تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اور ان کے ساتھ یہاں کے عرب اور کچھ ایرانی جو یہاں مقیم تھے وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ اسی طرح شہر عمان میں حضرت ابوزید انصاریؓ اور عمرو بن عاصؓ کو روانہ کیا۔ اتفاقاً یہاں کے رئیسوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر ان کی ترغیب سے تمام عرب مسلمان ہوگئے۔

طفیل بن عمروؓ سردار قبیلۂ دوس کے اسلام لانے کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کی والہانہ مساعی سے قبیلہ دوس کے ستر۷۰، اسّی۸۰ خاندان مسلمان ہوگئے۔

۹ھ میں یمن کے ایک قبیلہ "طے" نے بغاوت کی اس وقت یہاں کے حاکم اعلیٰ سیدنا علیؓ تھے۔ انہوں نے فسادیوں کو گرفتار کرکے مدینہ بھجوا دیا۔ ان فسادیوں میں اس قبیلہ کے مشہور سخی حاتم کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی سخاوت کے حالات بیان کرکے رحم کی استدعا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کو بلکہ اس کے متعلقین کو بھی چھوڑ دیا۔ اور زاد راہ بھی عنایت فرمایا۔ اس کے بھائی عدی، حاتم کے بیٹے بھاگ کر ملک شام چلے گئے تھے۔ بہن نے وہاں جا کر بھائی کو اسلام لانے کی ترغیب دی۔ عدی بن حاتم مدینہ آئے اور ایک ہی صحبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور آپؐ کی تعلیم سے متاثر ہوکر حق کے پرستار بن گئے۔

مختلف قبائل کے وفود کی آمد اور اشاعت اسلام

باطل کی تمام قوتیں جب حق سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں اور لوگوں کو مدینہ، دار الاسلام آنے جانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تو دور دور کے قبائل نے اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اپنے وفد بھجوائے۔ کم و بیش تینتس۳۳، پینتیس۳۵ ملکوں اور قبیلوں کے وفود خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرتے، ان کی مہمانداری اور خاطر و تواضع فرماتے۔ اور دین حق کے بنیادی اصول ان کو سمجھاتے، دین حق کی جاذبیت ان کو اپنی طرف کھینچتی جاتی۔ دین حق کے نمونے، مسلمانوں کی خدا ترسی و پارسائی۔ دنیا سے بے رغبتی مزید تقویت کا باعث ہوتی۔ وفود برغبت قلبی اسلام قبول کرتے۔ اور واپس جاکر اپنے اہل ملک اور قبیلوں کو حقیقت حال سے واقف کراتے۔ اس طرح ملک ملک، قبیلہ قبیلہ دولت اسلام سے مالا مال ہوتا گیا۔ دو۲، تین۳ سال کے

اندر ہی اندر تمام ملک عرب کا چپہ چپہ نورِ حق سے منور تھا۔ جس سرزمین پر اہلِ حق کو جینا دشوار تھا۔ اب وہ زندہ دلوں کی لہلہاتی کھیتی تھی۔

عیسائیوں کے بعض وفود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بحث و مباحثہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے مطابق ان کو حقیقتِ حال سے واقف کراتے۔ سورۂ آل عمران کا تقریباً نصف سے زیادہ حصّہ اور سورۂ مائدہ کی چند آیتوں کا یہی موضوع ہے۔ جس میں ان کے تمام باطل عقاید مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عین اللہ ہونا۔ ابن اللہ ہونا یا عقیدۂ تثلیث۔ اور بغیر اصلاحِ فکر و عمل نجات پا جانا وغیرہم کی تردید ہے۔ اور عادتِ انسانی کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا بیان ہے۔ کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بغیر باپ' اللہ کے حکم کن سے پیدا ہوئے۔ اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ تمام رسولوں کی طرح رسول اللہ اور عبد اللہ ہیں اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہودیوں کے باطل عقاید کی بھی تردید کر دی گئی۔ اور یہ حقیقت بھی واضح فرما دی گئی۔ کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کے بغیر نجات کا تصور محض" امانی" ہے شیطانی فریب ہے۔

بعض عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور بعض نے جزیہ پر رضا مند ہو کر نظامِ اسلامی کی اطاعت قبول کر لی اور بعض حجت و ہٹ دھرمی کرنے والوں کو دعوتِ مباہلہ دی گئی آیۂ کریمہ:۔

فمن حآجك فيه من بعد ما جآءك	❊	پس جو شخص آپ کے پاس علم حق آجانے کے بعد بھی آپ سے (حضرت
من العلم فقل تعالوا ندع ابنآءنا	❊	عیسیٰؑ کے متعلق) حجت کرے تو آپ کہیئے کہ آؤ ہم اور تم اور
وابنآءكم ونسآءنا ونسآءكم و	❊	ہماری اولاد اور تمہاری اولاد' ہماری عورتیں اور تمہاری عورتیں
انفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل	❊	سب مل کر اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کریں کہ اس بحث میں جو
لعنت الله على الكذبين ٥ (آل عمران)	❊	جھوٹا ہے اللہ اس پر لعنت کرے۔

اہلِ باطل اتنی بڑی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مباہلہ پر آمادہ نہ ہوئے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ غرض اینٹ پتھر کے بت خانوں کے ساتھ ساتھ اہلِ کتاب کے تصورات کے صنم کدے بھی مسمار کر دیئے گئے۔

(**نوٹ**:۔ آج کل عیسائی اپنے باطل عقاید کا جو پرچار کر رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ قرآنی علم کی روشنی میں اس کا مسکت جواب دیا جا سکتا ہے مگر افسوس! مسلمان ہی (خواص ہوں کہ عوام) قرآنی علم سے بے بہرہ ہیں۔)

ملکی نظم ونسق اور امن وسلامتی یعنی حکومت اسلامی کا قیام

ظلمت وجہل اور ظلم وستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی دنیا پر علم وحکمت اور عدل وانصاف کا آفتاب ، پرتوفگن ہوگیا۔ ربِ اعلیٰ وعظیم کے احکام وہدایت کے مطابق حکومت کی تشکیل عمل میں آئی ۔

جاہلانہ تصور یہ ہے کہ امن وسلامتی قائم ہونے کے لئے اولاً فوج وپولیس کے عہدہ داران کا تقرر، محکمہ جات کا قیام ضروری ہے ۔ آج کی ترقی یافتہ ، نام نہاد مہذّب دنیا بھی اسی جاہلانہ تصور میں مبتلا ہے۔ اسکے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ ملک کے افراد خواص وعوام جب تک صالح وپارسا نہ ہوں حقیقی معنوں میں امن وانصاف قائم نہیں ہوسکتا ۔ اور الٰہی ونبوی تعلیم سے کما حقہٗ آراستہ ہوئے بغیر صالحیت وپارسائی پیدا نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اس حقیقت سے واقف ہوسکتا تھا۔ اس لئے قیامِ امن کے لئے ملک کے مختلف مقامات پر والی ، گورنر مقرر فرمائے ۔ تو ان کے ساتھ دینی تعلیم کے لئے معلّموں اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عاملوں کا تقرر بھی فرمایا ۔ مدینہ کے محلوں اور دیگر مقامات پر مسجدیں تعمیر کرائیں ۔ وہاں قرآنی درس اور اقامتِ صلوٰۃ کا فوری فوری انتظام فرمایا ۔ تاکہ نووارداِن اسلام جلد از جلد ہدایتِ حق سے کما حقہٗ بہرہ ور ہوکر ایک صحیح اسلامی حکومت کا صالح جز بنے رہیں ۔

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اب شاہِ عرب کی شان سے جلوہ گر ہیں۔ مگر یہ شاہِ عرب تاج وتخت وقصر وایوان ، حاجب ودربان ، خدام وحشم سے مستغنی وبے پروا ، مال وزر سے خالی ، سامانِ عیش وعشرت سے بے نیاز ، پھٹے پرانے کپڑوں میں مدینہ کی گلیوں میں یتیموں ، بیواؤں ، مسکینوں کی خدمت کرتا نظر آتا ہے ۔ حقیقت بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اس بادشاہ کے آگے سر نہیں جھک رہے تھے ۔ بلکہ دل جھک رہے تھے وہ عام مسلمانوں سے اپنے آپ کو بال برابر بھی زیادہ کسی بات کا مستحق نہیں سمجھتا تھا ۔ بلکہ اپنا حق بھی اُن ہی کو دے دیا کرتا تھا ۔ اس کے عدل وانصاف کے آگے نہ صرف تمام انسان بلکہ خود اس کی ذاتِ گرامی اور فاطمہؓ جگر گوشۂ نبوت ، سب کے سب ، برابر تھے ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

والی ۔ معلّم ۔ عامل ایسے ہی حضرات مقرر کئے جاتے تھے ۔ جو کما حقہٗ تمام باتوں میں متبع رسالت تھے ۔ جنھوں نے الٰہی ونبوی تعلیم ہی سے عقل ودانائی وفراست حاصل کی تھی اور اپنا کردار آراستہ کیا تھا ۔

آپؐ نے جن صحابۂ کرام کو جن جن مقامات کا والی وحاکم مقرر فرمایا ان کے ناموں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱ ۔ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والیٔ نجران

۲۔ حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ تیماء

۳۔ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ مکہ

۴۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ اخماس یمن

۵۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ عمان

۶۔ حضرت علا ابن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ بحرین۔

یمن بہت بڑا اور زرخیز صوبہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لئے حسبِ ذیل علیحدہ علیحدہ والی مقرّر فرمائے۔

۷۔ حضرت بازانؓ بن ساسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ .... والیٔ صنعاء

(ان کے انتقال کے بعد شہر بن بازانؓ کو مقرر کیا جب ان کا بھی انتقال ہوگیا تو خالد بن سعید بن عاصؓ مقرر کئے گئے)

۸۔ حضرت مہاجرؓ بن امیۃ المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ کندہ

۹۔ حضرت زیادؓ بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ حضرموت

۱۰۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ زبید۔ عدن و زمع وغیرہ۔

۱۱۔ حضرت معاذؓ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ .... والیٔ جند۔

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا والی مقرّر فرماتے تو اس کے ساتھ کسی انصاری کا تقرر بھی فرماتے۔ ملکی انتظام، فصلِ مقدمات اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ ان حکام کا سب سے مقدم فرض، اشاعتِ اسلام تھا۔ اور قرآن و سنت کی تعلیم۔ اس لحاظ سے یہ لوگ صرف حاکم و والی ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ مبلغ دین اور معلم کتاب و سنت بھی ہوتے تھے۔ اور نماز کی امامت بھی ان ہی کے فرایض میں داخل تھی۔ جہاں مسجدیں ایک سے زیادہ تھیں وہاں علیحدہ ائمۂ نماز کا تقرر فرماتے۔

ان والیانِ ملک کے علاوہ زکوٰۃ و جزیہ و خراج کے محصلین بھی مقرّر کئے گئے۔ اور ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ محصلین مقرّر فرمائے۔ ہر قسم کے مال پر زکوٰۃ کی مقدار مقرر کرکے ہدایت دی جاتی کہ چھانٹ چھانٹ کر اچھا مال یا مقررہ مقدار سے زیادہ نہ لیا جائے۔ محصلینِ زکوٰۃ نہایت شدت کے ساتھ اس پر عمل کرتے اور سرِمو تجاوز نہ کرتے۔ اگر کوئی اپنی خوشی سے بھی زیادہ یا اچھا مال دینا چاہتا تو قبول نہ کرتے۔

فصلِ مقدمات

عدلیہ حکومت کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ابتداءً یہ خدمت ہر ملک کے والی، گورنر کے تفویض کی گئی

تھی۔اس فرض کو ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ کتاب وسنت پر عبور اور اجتہادی قابلیت کی ضرورت تھی اس بنا پر جن حضرات کے تفویض یہ کام کیا جاتا تھا آپ اُن کا امتحان لیتے اور ان کی قابلیت کے متعلق اطمینان فرما لیتے۔چنانچہ ترمذی میں ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمعاذ بن جبل حین وجھہ الی الیمن بم تقضی قال بما فی کتاب اللہ قال فان لم تجد قال بما فی سنت رسول اللہ قال فان لم تجد قال اجتھد رأی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یحب رسول اللہ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی مقرر کیا تو ان سے پوچھا مقدمات کا تصفیہ کس طرح کرو گے معاذؓ نے جواب دیا قرآن مجید سے۔آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں کوئی ہدایت نہ ملے تو! انہوں نے کہا سنتِ رسول اللہ سے۔آپ نے فرمایا اگر سنتِ رسول اللہ میں کوئی حکم نہ ملے تو! انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس پر آپ نے فرمایا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔

(**نوٹ**:۔صرف مقدمات کے تصفیہ ہی میں یہ ایک اصول نہیں ہے۔بلکہ دین کے ہر مسئلہ میں اور خصوصاً اختلافات کے دور میں ہر نزاعی مسئلہ کے تصفیہ کے لئے یہی ایک زرین اصول ہے وہ تمام مسائل جن کا تعلق عقاید سے ہو یا ان اعمال سے ہو جو خیر و برکت اور ثواب کے لئے کئے جاتے ہیں ان کے صحیح و جائز ہونے کا معیار یہی ہے کہ وہ الٰہی تعلیم اور نبوی تعلیم اور صحابہ کرامؓ کی روش کے مطابق ہوں)

عدلیہ کے زریں قواعد بھی آپؐ نے مرتب فرمائے۔حکم دیا کہ کوئی قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے اور یہ کہ محض ایک ہی فریق کے بیان پر رائے قائم نہ کی جائے۔فریقین کا بیان سن کر تصفیہ کرنا چاہیئے۔اور قاضیوں کو متنبہ فرماتے کہ اگر ناحق فیصلہ کرو گے، انصاف نہ کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔اور انصاف کرنے کی یہ بشارت سناتے کہ انصاف کرنے والے قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ میں ہونگے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی تائید و نصرت فرماتے ہیں۔اور یہ بھی تاکید فرماتے کہ انصاف کے مقابلہ میں دوست و دشمن اور یگانہ و بیگانہ کا لحاظ نہ کرو۔

ایک قاعدہ یہ مقرر فرمایا کہ دعویٰ کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور اگر مدعی کے پاس گواہ و ثبوت نہ ہو تو مدعیٰ علیہ کو قسم کھانی ہوگی۔اور یہ بھی فرمایا کہ جھوٹا دعویٰ کرنے والا نار میں داخل ہوگا۔

گواہوں کے متعلق یہ قاعدہ مقرر فرمایا کہ وہ نیک اور پارسا ہوں۔اور فرمایا خائن، بددیانت، سزایافتہ، بدکار کی گواہی ناقابلِ قبول ہے۔جھوٹا حلف اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ قیامت کے دن نار میں جائینگے

مطلب یہ کہ نظامِ عدلیہ سے اس وقت تک حقیقی معنوں میں امن و سلامتی قائم نہیں ہوسکتی جب تک حاکم، عمال،

فریقین اور گواہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر، نقصان آخرت کا خوف نہ ہو۔ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی الٰہی و نبوی تعلیم کے بغیر یہ وصف پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلامی حکومت قائم کرنے سے پہلے ضروری اور نہایت ضروری ہے کہ افرادِ رعیت کو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی الٰہی و نبوی تعلیم سے کما حقہٗ آراستہ کیا جائے اس کے بغیر اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد محض ایک سعیٔ لاحاصل ہے جو صحیح طریقہ کار نہیں ہے۔

مالیہ

حکومت کا اہم شعبہ مالیہ ہے۔ اسلام میں آمدنی کے صرف ۵ ذرائع ہیں۔ (۱) مال غنیمت (۲) فیٔ (۳) زکوٰۃ (۴) جزیہ (۵) خراج۔ اوّل و دوم موقتی ہیں۔ اور باقی ذرائع سالانہ ہیں۔

مالِ غنیمت صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔ جس کا پانچواں حصّہ بحکمِ الٰہی خدا و رسول، اہلِ قرابت مسکینوں اور یتیموں کے لئے مقرر تھا۔ بقیہ چار حصّے علیٰ قدر مراتب فوجیوں پر تقسیم فرماتے۔

فیٔ اس مال کو کہتے ہیں۔ جو دشمن بلا مقابلہ چھوڑ جائے۔ یہ آمدنی حکومت کے اغراض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسکینوں و یتیموں پر خرچ کی جاتی تھی۔

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی۔ اور چار قسم کے اموال سے وصول کی جاتی تھی۔ (۱) نقد روپیہ یا سونا چاندی یا دیگر سامانِ تجارت۔ (۲) پھل (۳) پیداوار زراعت (۴) مویشی از قسم گائے، بیل، بکری اونٹ، آپؐ نے بحکمِ الٰہی زکوٰۃ کے آٹھ مصارف مقرر فرمائے۔ (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) نومسلم (۴) غلام کو خرید کر آزاد کرنے کے لئے۔ (۵) مقروض کے لئے (۶) مسافر کے لئے (۷) محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ۔ (۸) دینی اغراض و ضرورت کے لئے۔

جزیہ غیر مسلم رعایا پر ان کی جان و مال کی حفاظت کے معاوضہ میں عاید فرمایا۔ ہر بالغ مستطیع مرد پر سالانہ ایک دینار (ساڑھے تین ماشہ سونے کا سکہ) مقرر کیا۔ عورتیں اور بچے مستثنیٰ تھے۔

خراج غیر مسلم کاشتکاروں سے حقِ مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا ایک معین حصّہ حسبِ قرارداد باہمی لیا جاتا تھا۔

عہدہ دار و عمّال اور فوجیوں کی تنخواہ۔ مساکین و فقراء کی امداد۔ آلاتِ حرب کی تیاری۔ مسافروں کی امداد۔ سفیروں کی مہمان داری۔ غرض حکومت کے جملہ مصارف اس آمدنی سے ادا فرماتے۔

افتادہ زمینوں کے لئے یہ قاعدہ مقرر فرمایا کہ جو مسلمان ان کو آباد کرے یا اُن کی نگرانی کرے وہی اس کا مالک قرار دیا جاتا۔ اور نسلاً بعدِ نسلٍ اس کی اولاد وارث ہوتی۔ موجودہ اصطلاح میں اس کو جاگیر کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں

جہاد یا اشاعتِ دین کی کارگزاری کے صلہ میں زمین عطا فرمائی اور اس کو بھی موروثی قرار دیا۔
تنخواہوں کا یہ معیار مقرر فرمایا کہ حسبِ حیثیت مکان، خادم، سواری اور اہل و عیال کے مصارف ادا ہو سکیں رشوت لینے کی سخت ممانعت فرمائی۔ اور فرمایا راشی و مرتشی دونوں لعنتی یعنی رحمت الٰہی سے دور ہیں۔
دار السلطنتِ اسلام، مدینہ طیبہ کے تمام انتظامی امور بہ نفسِ نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجام دیتے۔ البتہ لبا اوقات عدلیہ کا کام اکابر صحابہ سیدنا صدیق، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کے سپرد فرما دیتے۔ کہیں کوئی نزاع پیدا ہو جاتی تو فوراً وہاں تشریف لے جاتے اور حُسن و خوبی سے اس کو رفع فرما دیتے۔

اشاعتِ علم اور تعلیم و تربیت کا انتظام

تعلیم و تربیت کی طرف آپ نے بطور خاص توجہ فرمائی۔ مقصد یہ تھا کہ جلد از جلد مسلمان زیورِ علم سے آراستہ ہو جائیں اور ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے۔ جو "صبغۃ اللہ" اللہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی "نحن لہ عٰبدون" کی مصداق ہو جس کی گفتار و کردار، بات چیت، نشست برخاست، قول و فعل، کھانا پینا، چال ڈھال، وضع قطع، سونا جاگنا، ایک ایک چیز تعلیم نبوی کے پرتو سے منور ہو تاکہ وہ تمام موجودہ دنیا کے لئے، آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمونۂ عمل ہو۔
عرب لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ جو لوگ مسلمان ہو رہے تھے وہ اَن پڑھ تھے۔ پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ جنگِ بدر میں جو لوگ گرفتار ہوئے تھے۔ ان میں جو زرِ فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ ان کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ بچوں کو تاکید فرماتے کہ علم سیکھو جس محلہ میں مسجد تعمیر ہوتی وہاں درس و تدریس یعنی قرآنی تعلیم کا انتظام فرماتے۔ علاوہ ازیں ہر ہر قبیلہ سے ایک ایک جماعت آتی اور آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیم دینی سے بہرہ اندوز ہوتی اور بصیرت دینی حاصل کرتی۔ اطراف مدینہ سے اکثر خاندان اسی غرض سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آتے تھے۔
تعلیم و تربیت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مہینہ دو مہینہ آپؐ کی خدمت میں رہ کر قرآن و سنت کی ضروری تعلیم حاصل کرتے۔ اور پھر اپنے اپنے مقام پر واپس جاتے۔ اور وہاں لوگوں کو تعلیم دیتے۔
دوسرا طریقہ مستقل درس کا تھا۔ آپؐ لوگوں کو قرآن مجید کی پوری پوری سورتوں کی تعلیم دیتے۔ کلام الٰہی سے جو مرادِ الٰہی ہوتی اس کو واضح فرماتے اور اپنے عمل سے احکام و ہدایاتِ الٰہی پر عمل کرنے کا طریقہ بتلاتے۔ اور اس کے منشا و مطلب کو واضح فرماتے۔ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالرسالت کا مطلب و مفہوم

خاص طور سے واضح فرماتے تاکہ خوف وخشیتِ الٰہی اور خدا ورسول سے محبت اور دنیا کی آرائش وسامانِ زینت وعشرت سے ایک گونہ بے رغبتی اور اخروی زندگی کی طلب وحرص اور عذابِ نار کا ڈر پیدا ہو اور جہاد فی سبیل اللہ وامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تعلیم دیتے کہ مردِ حق پرست، مردِ مجاہد کے یہی نمایاں اوصاف ہوتے ہیں۔ نیز راحت میں شکر، مصیبت میں صبر ورضا، معاملات وکاروبار میں توکل، حیرانی وپریشانی میں دعا وانابت الی اللہ کی تعلیم کے علاوہ بندگی کے تمام طور وطریق اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم سے بندگانِ حق کو آراستہ فرماتے۔ مثلاً ملنے جلنے میں سلام ومصافحہ کا طریقہ اور اس وقت کی دعائیں۔ سونے، جاگنے، کھانے پینے، حوائجِ بشری سے فارغ ہونے کا طریقہ اور اس وقت کی دعائیں۔ چھینکنے اور جمائی لینے کا طریقہ اور اس وقت کی دعائیں۔ آپس کی تعظیم وتکریم کے حدود۔ ماں باپ اہلِ قرابت سے حسنِ سلوک۔ نرمی وحیا وحسنِ خلق۔ شفقت ورحمت علی الخلق۔ ہمسایہ کے حقوق۔ جانوروں پر شفقت۔ غلاموں پر عفو وکرم اور بیویوں سے حسنِ معاشرت اور ان کی لغزشوں پر چشم پوشی۔ ہر ایک کے ساتھ نیکی وصلہ رحمی کی تعلیم دیتے۔ اور اخلاقِ ذمیمہ، ملکی وقومی ونسلی تفاخر وعصبیت، غصہ وکبر، سخت کلامی۔ غیبت۔ بدزبانی۔ قطعِ رحم۔ ترکِ ملاقات۔ عیب جوئی۔ جھوٹ۔ بخل۔ ظلم وزیادتی دنیا کی حرص واہل وریا وغیرہ سے بطورِ خاص منع فرماتے۔ اور اس تمام تعلیم میں حرفِ آخر یہ ہوتا کہ نیکی کروگے تو مغفرت وجنت پاؤگے۔ اور برائی کروگے تو جہنم میں جاؤگے۔ گویا آخرت کے اصلی نفعِ عظیم اور نقصانِ شدید کو سامنے رکھتے چنانچہ حضرت حنظلہؓ تعلیم وتربیتِ نبوی کی مجالس کا اثر یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم وہاں سے باہر آتے تو آنکھوں کے سامنے ایک طرف جنت رہتی اور ایک طرف دوزخ۔ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ یہ تمام تعلیم جہاد بالنفس کی تعلیم ہے۔ نیز جو آپؐ کی تعلیم ہوتی وہی آپؐ کا عمل ہوتا۔ لکھنے پڑھنے کا بھی آپؐ نے ہر ہر مقام اور قبیلہ میں خاص طور سے انتظام فرمایا۔ اور غیر ملکی اور غیر قوموں کی زبان بھی سیکھنے کی ہدایت فرمائی۔

اہلِ صُفّہ

جو حضرات تعلقاتِ دنیاوی سے کنارہ کش رہ کر اولاً دینی تعلیم سے آراستہ ہونا چاہتے۔ ان کے لئے صُفّہ کی خاص درس گاہ تھی۔ یہاں ان حضرات کی تعلیم کے لئے معلم مقرر فرمائے جو اہلِ صُفّہ کو لکھنا پڑھنا سکھاتے اور قرآن پڑھاتے۔ اس درس وتدریس کے علاوہ یہ حضرات طور وطریقِ نبوی، اخلاقِ نبوی، دوست دشمن سے آپؐ کے برتاؤ کا راست مشاہدہ کرتے۔ اور اپنے کو اسی سانچے میں ڈھالتے۔ آپؐ کے تمام حرکات وسکنات۔ طرزِ کلام۔ تبسم کا انداز۔ عبادتِ الٰہی وذکرِ الٰہی۔ وعظ ونصیحت کے طریقے وغیرہ سب بغور مطالعہ کرتے۔ اور اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگ لیتے۔ اس طرح آپؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ صحابۂ کرام کے علم وعمل کا لاینفک جزء تھا

دو چار سال کی قلیل مدت میں اُمّی قوم، تعلیم و تہذیب و شائستگی۔ حکمت و دانائی سے اتنی آراستہ ہوگئی کہ اُسے دنیا کی امامت و پیشوائی کا شرف عطا کیا گیا۔ اور وہ آسنے والی نسلوں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ بنی۔ ایسا قابلِ تقلید نمونہ کہ جو بات ان حضرات سے منقول نہ ہو اور جو عملِ دینی ان حضرات کے عمل سے ثابت نہ ہو وہ بدعت و گمراہی قرار پایا۔ (اگر امت اس نکتہ کو سمجھتی تو نہ اختلافات کے بھنور میں پھنستی اور نہ بدعات میں مبتلا ہوتی۔)

جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ عمال دائمہ کے انتخاب کا آپ نے یہی معیار مقرر کیا تھا کہ جو قرآن و سنت کی تعلیم سے زیادہ تر آراستہ ہوتا اُسی کو مامور کیا جاتا اور پھر اس اندیشہ کی بنا پر کہ لوگ عہدے حاصل کرنے کے لئے قرآن و سنت کی تعلیم حاصل نہ کریں۔ آپؐ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ طالبِ عہدہ کو عہدہ نہ دیا جائے۔ تاکہ دینی تعلیم پانے والوں میں دنیا طلبی کا شائبہ بھی نہ پیدا ہو۔ اور اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی بیان فرماتے کہ عہدہ کی طلب کے بعد عہدہ ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت متعلق نہ ہوگی۔ غرض بندگانِ خدا کو علمِ الٰہی کے نور سے منوّر کر کے ان میں تدبر و دانائی پیدا کر کے، بندگی اور اللہ تعالیٰ کی نیابت، عبداللہ و خلیفۃ اللہ یعنی انسانیت کا ایک مکمل نمونہ دنیا کے سامنے رکھ دیا۔

(مذکورہ تعلیم اور تزکیۂ نفس کی دیگر تعلیم بزبانِ رسالت آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہو)

سنہ ہجری حجۃ الوداع

انتقال سے کم و بیش چھ ماہ قبل سورۂ نصر نازل ہوئی۔

اذا جاءَ نصر الله والفتح ٥ ورايت النّاس	جب خدا کی مدد آجائے اور فتح حاصل ہو جائے اور تو دیکھے
يدخلون في دين الله افواجًا ٥ فسبّح	کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اپنے
بحمد ربك واستغفرهُ ط انهٗ كان	رب کی حمد کی تسبیح پڑھ اور اس سے گناہوں کی معافی مانگ
توّابا ٥	بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورہ میں ایک لطیف اشارہ یہ تھا کہ اب آپ اپنی فوج در فوج اور انبوہ در انبوہ امت، پرستارانِ حق، مردانِ مجاہد کے ساتھ ایک آخری اور جامع رکن اسلام، حج ادا فرمائیے کہ مناسک حج کی ادائی کے سلسلہ میں حمد و تسبیح بھی زیادہ ہے اور استغفار بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ ذیقعدہ سنہ میں اعلان ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر دفعتًا پھیل گئی۔ اور شرفِ ہم رکابی حاصل کرنے کے لئے پوری امت اُمنڈ آئی۔ ۲۶ ذیقعدہ سنہ کو آپؐ نے غسل فرمایا۔ چادر اوڑھی۔ تہمد باندھا۔ اور بعد نماز ظہر ازواجِ مطہرات اور تقریبًا پوری امت کے ساتھ (جو تعداد میں لاکھ، سوا لاکھ تھی) مدینہ سے نکلے۔

چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے۔ یہاں شب باش ہوئے۔ (یہ مقام مدینہ والوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہے) صبح اٹھ کر غسل فرمایا۔ احرام باندھا۔ اور بآواز بلند بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔

لبّیك لبّیك اللّٰھمّ لبّیك لاشریك ؛ الٰہی ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہم
لك لبّیك ان الحمد والنعمۃ لك و ؛ تیرے حضور حاضر ہیں بسب تعریف ونعمت اور بادشاہی
الملك لاشریك لك۔ ؛ تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

جب آپ لبّیک فرماتے تھے تو تمام صحابۂ کرام کی طرف سے یہی صدا، صدائے بازگشت بن جاتی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح پڑھتے ہوئے ۴ ذیحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کا طواف کیا۔ مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی و دعا و تہلیل کی۔ آٹھویں تاریخ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ مقامِ منیٰ تشریف لائے۔ یہاں ایک روز قیام فرما کر دوسرے روز بعد نمازِ فجر یہاں سے روانہ ہوئے اور میدان عرفات میں قیام فرمایا۔ یہی شعارِ ابراہیمی تھا۔ جب دوپہر ڈھل گئی تو اپنی قیام گاہ سے باہر آئے اور "قصوا" اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ اس خطبہ کے اہم اجزاء کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ لوگو میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم آئندہ اس مجلس میں جمع نہ ہونگے۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن اس شہر مکہ کی حرمت ہے۔ لوگو! تمہیں بہت جلد خدائے تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کی پرسش کرے گا اس لئے پرسشِ اعمال کے دن سے ڈرتے رہو۔

۲۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

۳۔ جاہلیت کے تمام طور و طریق، رسوم و رواج کو میں اپنے قدموں سے پامال کرتا ہوں۔

۴۔ تمام بقایا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ (چند روز پہلے بقایا سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا۔)

۵۔ لوگو! اپنی بیویوں کے معاملے میں خدائے تعالیٰ سے ڈرو۔ خدائے تعالیٰ کے تعلق سے تم نے ان کو بیوی بنایا ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہدایت سے تم ان سے متمتع ہوتے ہو۔ تمہاری بیویوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں اگر وہ خلاف ورزی کریں اور کوئی فہمائش کارگر نہ ہو تو ان کو ایسی مار مارو جو نمایاں نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور پہناؤ۔

۶۔ لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ کتاب اللہ، قرآن مجید ہے۔

(نوٹ:۔ کتاب اللہ، قرآن مجید ہی میں اتباعِ رسالت اور روشِ صحابہ پر چلنے کی تاکید ہے۔)

۷۔ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی ہے اور نہ کوئی جدید امت۔ اللہ کے بندو! اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرو (یعنی ہر مشکل و پریشانی میں اللہ تعالیٰ ہی کو مدد کے لئے پکارو۔ اسی کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اس کی عبادت کرو اور زندگی کے تمام کاروبار و معاملات میں اپنے رب ہی کی ہدایتوں پر عمل کرو۔ اور اس کی پروا نہ کرو کہ حق کی اتباع پر دنیا کا کتنا نقصان ہوتا ہے۔ ماحول کتنا ہی بدل جائے۔ اہل باطل کو کتنا ہی غلبہ و اقتدار حاصل ہو جائے مگر تم حق پر جمے رہو) اور پنجگانہ نماز کے پابند رہو۔ سال بھر میں ایک دفعہ رمضان کے روزے رکھو۔ اور نہایت خوشدلی سے زکوٰۃ ادا کرو۔ اور بیت اللہ کا حج کرو اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔ تاکہ جنتِ الٰہی میں داخل ہو جاؤ

(نوٹ: افسوس کہ آج امت کا کوئی اولی الامر ہے ہی نہیں۔)

یہ خطبہ ساری الٰہی تعلیم کا لبِ لباب ہے۔ آخر میں یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں یہ تعلیم پہنچا دیں۔ کیونکہ ممکن ہے پہنچانے والے سے وہ زیادہ اس نصیحت کا اہل ہو جس کو یہ نصیحت پہنچے۔ گویا ہر مسلمان کو تبلیغ و اشاعتِ دین کا ذمہ دار قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوتے ہی اتمام دین، تکمیلِ نعمت کی آیت نازل ہوئی۔

اکملت لکم دینکم واتممت ٭ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور
علیکم نعمتی ورضیت لکم ٭ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام
الاسلام دیناہ ٭ کو پسند کیا۔

اس کے بعد آپ نے ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ یعنی ظہر کی نماز پڑھتے ہی عصر کی نماز پڑھی اور اپنے مقام پر تشریف لے گئے۔ اور بڑی دیر تک مصروف دعا رہے۔ قبلِ غروبِ آفتاب عرفات سے واپس ہو کر بعد مغرب مزدلفہ (مشعر الحرام) پہنچے۔ یہاں اولاً مغرب کی نماز پڑھی اور ساتھ ہی عشاء کی نماز پڑھی۔

(نوٹ:۔ حجۃ الوداع کے پورے سفر میں آپ نے صرف عرفات میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء، ایک ساتھ پڑھی۔ اور پورے سفر (آمدورفت) میں کہیں بھی دو نمازیں ایک ساتھ آپ نے نہیں پڑھیں) نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لیٹ گئے۔ اور صبح تک آرام فرمایا۔ صبح، نمازِ فجر اوّلِ وقت پڑھتے ہی مزدلفہ سے کوچ کیا۔ کفار، آفتاب نکلنے کے بعد یہاں سے کوچ کرتے تھے۔ اس لئے آپؐ نے اُن کی مخالفت میں طلوعِ آفتاب سے قبل کوچ کیا اور منیٰ میں پہنچ کر قربانی کے جانور ذبح کئے۔ اور سر منڈوایا۔ اور رمیِ جمار کیا۔ اس کے بعد آپؐ خانۂ کعبہ تشریف لائے۔ اور طواف کیا۔ پھر چاہِ زمزم پر تشریف لے گئے۔ اور قبلہ رو ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ اور پھر منیٰ واپس ہو گئے۔ ۱۲ ذیحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز رمیِ جمار فرماتے۔ ۱۲ ذیحجہ کو آپؐ مکہ معظمہ تشریف لائے۔ اور بیت اللہ کا آخری طواف کر کے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور دیگر قافلے اپنے

اپنے مقام کو روانہ ہو گئے۔

اثناء راہ میں، ایک مقام ہے جس کا نام خم ہے یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اس لئے روایتوں میں اس مقام کا نام غدیر خم ہے۔ یہاں آپ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا۔ مختلف روایتوں میں اس کے مختلف فقرے ہیں۔ مگر ایک فقرہ مشترک ہے۔

من کنت مولاہٗ فعلی مولاہٗ ؂ جو مجھ کو دوست رکھتا ہے وہ علی کو دوست رکھتا ہے۔

سیدنا علیؓ کی منقبت میں یہ ارشاد ہے۔ روایت ہے کہ یمن کے بعض لوگوں کو سیدنا علیؓ سے کچھ شکایت پیدا ہو گئی تھی جو غلط تھی۔ اس کو دور کرنے اور قلوب کو صاف کرنے کے لئے آپؐ نے فرمایا کہ جو میرا دوست وہ علیؓ کا دوست۔

وفات ۱۱ھ

سورۂ نصر کا نزول خاص صحابۂ کرام کو قرب وفات کی اطلاع دے چکا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پہ اثناء خطبہ میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال میں اور تم ایک مجلس میں جمع ہو سکیں" مرض الموت سے قبل آپ شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ اور بڑی رقت قلبی سے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ نیز اسامہ بن زیدؓ کی سرداری میں ایک مہم کے لئے آپ نے ایک فوج تیار کی تھی (آپ کی علالت کی وجہ سے یہ فوج نہ جا سکی) ماہِ صفر کے آخری عشرہ کے آغاز میں مزاجِ مبارک ناساز ہوا یہ دن آپؐ کی زوجۂ محترمہ میمونہؓ کی باری کا دن تھا۔ دورانِ علالت میں بھی پانچ دن تک آپؐ حسبِ معمول باری باری ہر ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے پچھلے روز مرض میں شدت ہوئی۔ تو دیگر ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں قیام فرمایا۔ آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپؐ نماز پڑھانے کیلئے مسجد میں تشریف لاتے رہے۔ جب ضعف بہت ہو گیا۔ تو آپؐ نے حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔

یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم السلام کے مزاروں اور یادگاروں کی زیارت میں جو غلو کر گئے تھے اور جن مشرکانہ عقاید و اعمال میں مبتلا ہو گئے تھے وہ زمانۂ علالت میں بھی آپؐ کے پیشِ نظر تھا۔ مرض و تکلیف کی شدت میں حضرت عائشہؓ نے آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے :۔

لعنۃ اللہ علی الیھود والنّصاریٰ[1] ؂ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں
اتخذوا قبور انبیائھم مساجد ؂ کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

اس کرب و بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں فرمایا کہ عائشہؓ وہ اشرفیاں

خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔
مرض میں کمی زیادتی ہوتی رہتی تھی جس روز وفات ہوئی یعنی ماہ ربیع الاوّل دو شنبہ کے دن بظاہر طبیعت کو کچھ سکون تھا۔ حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپؐ نے پردہ اٹھا کر دیکھا۔ اور امت کو خشوع و خضوع کے ساتھ فجر کی نماز میں مشغول پاکر فرطِ مسرت سے آپؐ مسکرا دیئے۔ دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی جاتی تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ سانس میں تیزی پیدا ہوگئی۔ بعض روایات میں ہے کہ لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے۔

الصّلوٰۃ وما ملکت ایمانکم ؁ نماز اور غلام

(مطلب یہ کہ نماز اور غلام اِن دونوں کا خاص خیال رکھنا) کرب اور بے چینی بڑھتی گئی۔ آخر میں تین دفعہ فرمایا۔

بل الرفیق الاعلیٰ ؁ بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔

یہی کہتے کہتے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ اور روحِ اطہر جسمِ مبارک سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ٥

تجہیز و تدفین

تجہیز و تدفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ کو شروع ہوا اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے۔
(۱) عقیدت مندوں کو یقین نہ آتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر اُڑا دوں گا۔ لیکن جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور انہوں نے تمام صحابۂ کرامؓ کے سامنے خطبہ دیا اور آیۂ کریمہ

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ

اے محمدؐ تم کو مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے

سے استدلال کرکے فرمایا کہ "جو لوگ محمدؐ کو پوجتے تھے تو ان کو معلوم ہو کہ وہ مر گئے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ مطمئن رہیں کہ خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مریگا۔" اس خطبہ نے سب کو بیدار کر دیا۔ اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروبِ آفتاب سے قبل دفن سے فراغت ہو سکے۔
(۲) قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا اس لئے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔
(۳) جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی وہیں لوگ تھوڑے تھوڑے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لئے بھی دیر ہوئی۔ اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ہوئی۔

قریب ترین اعزہ نے تجہیز و تکفین کا فرض انجام دیا۔ حضرت عباسؓ کے صاحبزادے جسدِ مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے۔ اسامہ بن زیدؓ نے پانی ڈالا اور سیدنا علیؓ نے غسل دیا۔

غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو دفن کہاں کیا جائے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا نبیؐ جس مقام پر وفات پاتے ہیں وہیں دفن کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی مقام پر دفن کرنا قرار پایا۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ابوطلحہ انصاریؓ۔ حضرت ابوعبیدہؓ اہلِ مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودتے تھے اور حضرت ابوطلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔ اختلاف پیدا ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ اختلاف مناسب نہیں دونوں آدمیوں کو بلوایا جائے۔ جو پہلے آجائے وہ قبر کھودے۔ چنانچہ دونوں کے پاس آدمی بھیجے گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ آئے اور انہوں نے مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی قبر کھودی۔ جب جنازہ تیار ہوگیا تو لوگ نماز کے لئے آئے۔ باری باری سے تھوڑے تھوڑے حضرات نماز ادا کرتے جاتے تھے۔

جسدِ مبارک کو سیدنا علیؓ، فضل بن عباسؓ، اُسامہ بن زیدؓ، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا۔

آپ کا متروکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متروکہ میں نہ درہم چھوڑے نہ دینار نہ لونڈی نہ غلام جیسا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی روایت ہے۔

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھماً ولا دیناراً ولا عبداً ولا امۃً ولا شیئاً الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضاً جعلھا صدقۃ:	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا نہ درہم نہ دینار نہ غلام نہ لونڈی نہ کچھ اور؛ صرف ایک سفید خچر کچھ ہتھیار اور کچھ زمین جو صدقہ کر گئے۔

زمین اس روایت میں جس زمین متروکہ کا ذکر ہے وہ مدینہ، خیبر اور فدک کے باغ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان تینوں کی آمدنی مختلف مدات میں متعین کردی تھی۔

مدینہ کے باغ کی آمدنی ناگہانی ضرورتوں کے لئے مخصوص تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لئے وقف تھی۔ خیبر کی آمدنی کے تین حصے کئے تھے۔ دو حصے تمام نادار مسلمانوں میں تقسیم کردیئے تھے۔ اور ایک حصہ ازواجِ مطہرات

کے سالانہ مصارف کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ اور اس سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مسلمانوں کی اعانت میں کام آتا

جانور ایک گھوڑا، ایک گدھا، ایک خچر جس کا نام اکثر روایتوں میں دُلدُل ہے یہ خچر مقوقس مصری نے آپؐ کو تحفہ دیا تھا۔ ایک اونٹنی (قصواء) جس کو آپؐ نے ہجرت کے وقت سیدنا ابوبکرؓ سے خریدا تھا۔ حجۃ الوداع کا خطبہ آپؐ نے اسی اونٹنی پر دیا تھا۔ بہت تیز رفتار تھی۔ ہر مقابلہ میں بازی لیجاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک بدو باہر سے آیا۔ اس کی سواری میں ایک نو عمر اونٹ تھا۔ جب قصواء کا اس سے مقابلہ ہوا۔ تو وہ اونٹ اس سے آگے نکل گیا۔ صحابۂ کرام کو ملال ہوا۔ آپؐ نے فرمایا یہ خدائے تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب کوئی سر اٹھاتا ہے تو اس کو پست کر دیتے ہیں۔

اسلحہ جہاد کی ضرورت سے حسب ذیل ہتھیار آپؐ کے پاس تھے۔ نو عدد تلواریں تھیں۔ ایک تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔ اور ایک تلوار کا قبضہ زرین تھا۔ ستار زرہیں تھیں جو سب لوہے کی تھیں (عرب میں چمڑے کی زرہیں بھی بنتی تھیں) چھ کمانیں تھیں اور پانچ برچھیاں

آثار متبرکہ ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں۔ جن کو بعض صحابہ نے تبرکاً اپنے پاس رکھا تھا۔ چند موئے مبارک۔ نعلین مبارک۔ اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالا جو چاندی کے تار سے جوڑ دیا گیا تھا۔

استحقاق خلافت کے طور پر مُہر اور عصائے مبارک جس کا احادیث میں ذکر ہے۔ پہلے سیدنا ابوبکر صدیقؓ، پھر سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے قبضہ میں آئے۔ سیدنا عثمانؓ ہی کے دور میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہوگئیں۔ انگوٹھی (مُہر) کنوئیں میں گر گئی۔ اور عصائے مبارک ٹوٹ گیا۔

مسکنِ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنے دادا اور چچا کے گھر میں پرورش پائی۔ اور یہیں سنِ رُشد کو پہنچے۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کی اور انہیں کے گھر میں رہے۔ کسی مستند روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپؐ نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی۔ آپؐ کا ایک پدری مکان مکہ میں موجود تھا جو آپؐ کے چچا زاد اور سیدنا علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت عقیلؓ کے قبضہ میں تھا۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد چھ ماہ تک آپؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر مقیم رہے ... نبوی کے اطراف اہل وعیال کے حجرے تعمیر کروا کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوا لیا۔ اور ان ہی حجروں میں انکو ... آخری ایام میں آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔ اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں۔ جن میں نہ صحن تھا دالان نہ کوئی کمرہ۔ ہر حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں جن میں جابجا

ہونے کا یقین وشعور وادراک جتنا زیادہ ہوگا نماز میں اتنا ہی خشوع بھی ہوگا۔ اور رقت بھی۔ ظاہر ہے ذاتِ نبوت سے زیادہ یہ مقام کس کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی لئے تو فرمایا۔

اَلصَّلٰوۃُ قُرَّۃُ عَیْنِیْ ÷ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

(نماز کے متعلق یہ جو مشہور کیا گیا ہے کہ نماز میں اتنی محویت و استغراق ہو کہ نمازی کو آس پاس کی کسی بات کی خبر نہ ہو۔ اور اس سلسلہ میں بعض بزرگوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں کہ نماز میں ان پر سے سانپ گزر گیا یا اُن کے قریب بچہ چیختا چلاتا رہا۔ یا پاؤں میں کانٹا چبھا ہوا تھا وہ نکال لیا گیا مگر ان کو خبر نہ ہوئی ایسی تمام باتیں غلو فی الدین ہیں۔ اور دین کو مشکل بنا دینا ہے۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ نماز میں آپؐ کو بچوں کے رونے کی آواز آتی تھی۔ تو آپ نماز مختصر کر دیتے تھے۔ یا یہ کہ نماز میں کسی صحابی کی کوئی بات آپؐ نے سن لی اور بعد نماز دریافت فرمایا یہ کس نے کہا تھا یا یہ کہ نماز میں آپؐ کو کسی بات کا خیال آگیا اور نماز کے بعد آپؐ نے فوراً وہ کام کر لیا۔ آپؐ کے اس عمل سے ظاہر ہے کہ خضوع و خشوع و حضورِ قلب کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ حواس معطل ہو جائیں۔)

نماز کے بعد معمول تھا کہ تین دفعہ استغفار پڑھتے اور

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَیَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

÷ نہیں ہے کوئی معبود و مستعان سوائے اللہ کے وہ تنہا (فرماں روا)
÷ ہے اس کی فرماں روائی میں کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہت
÷ ہے۔ اور تمام تعریف اسی کے لئے ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ الٰہی آپ
÷ جو عطا کرنا چاہیں۔ کوئی اس کو روکنے والا نہیں اور آپ نہ دیں تو کوئی عطا
÷ کرنے والا نہیں۔ اور نہیں فائدہ دیتی کسی دولت مند کو آپ کے عذاب
÷ سے اس کی دولت۔

پڑھتے۔

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں یہ دعا مانگتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَفِتْنَۃِ الْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ من الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔

÷ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں
÷ مسیح الدجال کے فتنہ سے اور پناہ مانگتا ہوں زندگی
÷ کے فتنہ سے اور پناہ مانگتا ہوں موت کے فتنہ سے
÷ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہوں سے اور قرض
÷ سے۔

نماز کے بعد کبھی صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ ﴿ الٰہی تو ہی سلامت رہتا ہے اور تجھ ہی سے سب کی سلامتی ہے

وَتَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴿ تو ہی بابرکت ہے تو صاحبِ جلال و اکرام ہے۔

اور کبھی یہ دعا :-

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ ﴿ الٰہی ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمائیے اور آخرت میں بھی بھلائی

حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿ اور عذابِ نار سے ہم کو بچائیے۔

اللہ تعالیٰ اور بندے کا جو فطری تعلق ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ کی صحیح تعلیم سے جو گرویدگی و وابستگی اللہ تعالیٰ سے پیدا ہو جاتی ہے نماز سے اس تعلق اور گرویدگی میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ عبد و ربّ کا تعلق قوی تر ہوتا ہے۔ خوف و خشیّتِ الٰہی۔ حُبِّ الٰہی۔ ذکرِ الٰہی۔ توکل علی اللہ۔ صبر و شکر، اس تعلق کے لاینفک اجزاء ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا قلب ان فطری جذبات سے ہمیشہ معمور رہتا تھا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

خوف وخشیتِ الٰہی!

اللہ تعالیٰ کے عظمت وجلال و کبریائی کے ادراک سے بندے کے قلب میں خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے .... اور خصوصیت سے یہ نماز کے لوازم ہیں۔ اور نماز ہی کے اثر سے عام حالات میں بھی یہ کیفیت موجود رہتی ہے۔ خشیتِ الٰہی کا آپ پر یہ اثر تھا کہ اکثر فرمایا کرتے کہ مجھ کو بھی نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔ ایک صحابی کا انتقال ہوا تو ایک عورت نے ان کی لاش کی طرف دیکھ کر کہا کہ "خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم کو کیوں کر معلوم ہوا" وہ بولیں کہ "خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا"۔ آپؐ نے فرمایا۔ توقع تو ایسی ہی ہے۔ مگر میں پیغمبر ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

جب کبھی زور سے ہوا چلتی یا گہرے بادل چھا جاتے۔ بجلیاں چمکتیں تو آپؐ سہم جاتے ٹہلنے لگتے۔ آپؐ پر خوف طاری ہو جاتا۔ کسی کام میں مشغول ہوتے تو اُس کو چھوڑ دیتے۔ اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتے "الٰہی اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب بادل گرجتے، بجلی چمکتی۔ تو آپؐ دعا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا ﴿ الٰہی ہم کو اپنے غضب سے نہ مار اور اپنے عذاب سے ہلاک

بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔ ﴿ نہ کر اور عافیت دے ہم کو اس سے پہلے۔

ایک دفعہ سیدہ عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ آپؐ ایسے موقع پر اتنے خائف کیوں ہو جاتے ہیں تو فرمایا کہ اے عائشہؓ گذشتہ امتیں اسی طرح ہلاک کی گئیں۔

ایک دفعہ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ آپؐ کے بال سفید ہونے لگے۔ فرمایا مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، والمرسلات وعمّ یتساءلون نے بوڑھا کر دیا۔ (ان سورتوں میں غضب الٰہی و قیامت اور عذاب کے واقعات مذکور ہیں) روایت ہے کہ جب دو ثلث رات گزر جاتی تو آپ بآواز بلند فرماتے، لوگو! خدا کو یاد کرو، خدا کو یاد کرو، قیامت آگئی، موت آپہنچی، موت آپہنچی۔

خشیت الٰہی کے اثر سے اکثر رقت طاری ہو جاتی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے جب آپؐ کے سامنے یہ آیت پڑھی۔

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید ۞ وجئنا بك علیٰ ھؤلاء شہیدا ۞ (النساء) ۞ پس اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور ان پر گواہی دینے کے لئے آپؐ کو حاضر کریں گے۔

تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ایک دفعہ سورج گرہن ہوا تو نماز کے بعد دعا کی کہ الٰہی تو نے وعدہ کیا ہے کہ میرے ہوتے لوگوں پر عذاب نازل نہیں کرے گا۔

ایک بار آپؐ ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے۔ رقت طاری ہو گئی۔ آنسو نکل آئے۔ اور فرمایا صحابیو! "اس دن کے لئے سامان کر رکھو"

حبِّ الٰہی

حبِّ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کی پوری پوری اتباع کی جائے اس میں دنیا کا کوئی تعلق مانع و مزاحم نہ ہو اور اس سلسلہ میں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ بطیب خاطر گوارا کی جائے۔ اور دینِ الٰہی کی بقا و اشاعت کے لئے مال و جان کی تمام توانائیوں کو صرف کیا جائے۔ اور یہی زندگی کا محبوب ترین مشغلہ ہو۔ اور دل میں لقاءِ الٰہی کی لگن رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی محبت الٰہی کا نمونہ تھی۔ چہیتی بیٹی اور چہیتی بیوی سے بھی کوئی بات مرضئ رب کے خلاف سرزد ہو جاتی تو آپ فوراً برہم اور ناراض ہو جاتے۔ راہِ حق میں مال و جان کی ہر تکلیف و نقصان بخوشی برداشت فرماتے۔ اور محض اسی لئے دنیا کے تنعمات، تکلفات و تعیشات سے کنارہ کش رہتے۔ دین الٰہی کی بقاء و اشاعت کی جد و جہد تو آپ کا فریضہ ہی تھا۔ اس میں آپؐ کو جو انہماک، جو ذوق و شوق

تھا وہ حُبِّ الٰہی ہی کا اثر تھا۔ عبادات میں تطوع یعنی نفلی عبادتوں کی کثرت اور ان میں لطف و سرور اللہ کی محبت ہی کے لوازم تھے۔ کثرت سے نفل روزے آپؐ رکھتے۔ رات کی نمازوں میں قیام اتنا طویل فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا۔ صحابۂ کرام عرض کرتے کہ آپؐ کے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ آپؐ عبادات میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں تو فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپؐ بے حساب زر و مال خیرات کیا کرتے۔ جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور مالِ غنیمت کی کثرت ہوئی تو ہزارہا روپیہ آپؐ کے ہاتھوں میں آیا۔ مگر تمام روپیہ آپؐ اسی روز خیرات کردیا کرتے۔ دوسرے روز کے لئے کچھ بھی اٹھا کر نہ رکھتے۔

اللہ تعالیٰ سے آپ کو جو محبت تھی وہ زبانِ مبارک ہی سے سُنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) "میں خدا کے سامنے اس بات سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں کہ انسانوں میں سے کسی سے مجھ کو محبت ہوا گر۔ میں کسی سے محبت کرتا تو ابوبکرؓ سے کرتا۔"

زندگی کے آخری لمحات میں زبانِ مبارک پر جو الفاظ تھے ان سے جس جذبۂ باطنی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ دید و لقاءِ رب ہی کی تڑپ تھی۔

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی

ذِکرِ الٰہی

محبت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر وقت محبوب کی یاد رہے۔ اور بندے کے لئے اللہ کی یاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جن نعمتوں میں بندہ پرورش پا رہا ہے۔ زندگی کی منزلیں طے کر رہا ہے وہ ہر وقت بندے کے شعور و ادراک میں رہیں تاکہ بندہ ہر وقت شکر و حمدِ الٰہی میں مصروف رہے۔ علاوہ ازیں زندگی کے حوادث و انقلابات و معاملات میں ربِ اعلیٰ و عظیم کی جو ہدایتیں ہیں بطیبِ خاطر ان پر عمل کرنا مثلاً معاملات میں توکل، نعمتوں میں شکر، مصیبتوں میں صبر وغیرہ۔ نیز ہر تکلیف۔ مشکل اور حیرانی و حاجت میں ربِ اعلیٰ و عظیم ہی سے دعا و سوال کرنا، شرور و آفات میں ربِ اعلیٰ و عظیم ہی سے پناہ مانگنا۔ آخرت کی فکر و یاد یہ سب ذکرِ الٰہی کی مختلف شکلیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں سراپا ذکر تھے۔ اٹھتے بیٹھتے ہر کام میں دعا و سوال آپ کا معمول تھا۔

امہات المؤمنین کا بیان ہے کہ ہر وقت ہر حالت میں تسبیح و تہلیل و تحمید زبانِ مبارک پر جاری رہتی۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ بِحَمْدِہٖ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔ یہ کلمات ہر وقت وردِ زبان رہتے۔ کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر کرتے، واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے۔ مسجد میں قدم رکھتے، دکھ میں

درد میں، حیرانی و پریشانی میں، غرض ہر حالت میں دل و زبان سے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ کتب احادیث میں مختلف حالات و اوقات کے لحاظ سے بہ کثرت ادعیۂ ماثورہ منقول ہیں۔ نمونۃً چند ملاحظہ ہوں۔

رفع حاجت کے لئے آپ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو دعا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ٭ الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں ناپاک جن اور ناپاک جنّیوں سے۔

اور بیت الخلاء سے نکلتے وقت دعا کرتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِیْ۔ ٭ سب تعریف اللہ کی ہے جس نے دور کیا مجھ سے تکلیف اور مجھے عافیت دی۔

شام ہوتی تو دعا فرماتے۔

اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ هٰذِهِ اللَّیْلِ وَ خَیْرِ مَا فِیْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا۔

٭ شام کی ہم نے۔ تمام بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ معبود نہیں کوئی سوائے اللہ کے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اسی کے لئے فرماں روائی ہے اور اور اسی کے لئے تعریف ہے۔ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اس رات کی بھلائی کو اور بھلائی ہر اس بات کی جو اس میں ہے۔ اور پناہ مانگتا ہوں تیری اس کے شر سے۔ اور ہر اس شر سے جو اس میں ہے۔

صبح ہوتی تو یہی دعا فرماتے۔ اور بجائے اَمْسَیْنَا کے اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ کہتے۔

سونے سے پہلے دعا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَیْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔

٭ الٰہی میں نے اپنے نفس کو تیرا مطیع کیا اور رخ کیا اپنا تیری طرف اور اپنا کام تیرے تفویض کیا اور بنایا تجھ کو اپنا پشت پناہ رغبت قلبی سے اور ڈر سے تجھ سے بچاؤ اور پناہ کی جگہ نہیں مگر تیرے ہی طرف۔ ایمان لاتا ہوں میں اس کتاب پر جو تو نے نازل کی اور اس نبی پر جس کو تو نے بھیجا۔

روزانہ صبح و شام یہ دعا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا ٭ اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت مانگتا ہوں

وَالْاٰخِرَةِ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَ ÷ اے اللہ میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور عافیت چاہتا ہوں
الْعَافِيَةَ فِیْ دِيْنِیْ وَدُنْيَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ ÷ اپنے دین میں دنیا میں اور اہل و مال میں۔

جب کوئی دکھ درد ہوتا تو فرماتے ۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ÷ اللہ عظمت و بردباری والے کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ پروردگار
اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ ÷ عرش عظیم کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ پروردگار آسمانوں و
اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ ÷ زمینوں اور عرش کریم کے سوا کوئی معبود نہیں۔
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۔ ÷

سفر کے لئے جب اونٹ پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ دعا کرتے ۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا ÷ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے مسخر کیا اس کو
لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ، وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ÷ اور ہم اس کو مسخر نہیں کر سکتے تھے ۔ اور ہم اپنے رب ہی
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ ÷ کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ الٰہی ہم تجھ سے مانگتے ہیں اس
وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ ÷ سفر میں نیکی اور تقویٰ اور وہ عمل جس سے تو راضی ہو ۔
هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهٗ ۔ اَللّٰهُمَّ ÷ الٰہی سفر ہم پر آسان کر دے اور اس کی دوری کم کر دے
اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی ÷ الٰہی تو ہی ساتھی ہے سفر میں اور نگہبان ہے گھر والوں
الْاَهْلِ ۔ ÷ کا ۔

اور جب واپس ہوتے تو یہی فرماتے اور مزید یہ کلمات فرماتے ۔

اٰيِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ÷ آگئے توبہ کرنیوالے اپنے رب کی بندگی کرنیوالے رب کی تعریف کرنیوالے

راستہ میں بلندی پر چڑھتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر فرماتے سفر میں رات کہیں قیام فرماتے تو دعا کرتے ۔

يَآ اَرْضُ اللّٰهُ رَبِّیْ وَرَبُّكِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ÷ اے زمین اللہ رب ہیں تیرے اور میرے، میں اللہ کی پناہ چاہتا
شَرِّكِ وَشَرِّ مَا مِنْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ وَ ÷ ہوں تیرے شر سے جو تجھ میں ہے اور اس چیز کے شر سے جو تیرے
شَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ÷ اندر پیدا کی گئی ہے اور ہر اس چیز کے شر سے جو تجھ پر چلتی ہے اور
اَسَدٍ وَّمِنْ اَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ ÷ پناہ مانگتا ہوں اللہ کی، شیر سے، کالے سانپ اور تمام سانپوں
وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ ٥ ÷ سے اور بچھو سے اور آبادی میں رہنے والے کے شر سے۔

لڑائی کے موقعہ پر دعا فرماتے ۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِيْرِیْ وَبِكَ ÷ الٰہی تو ہی میرا بازو ہے تو ہی میرا مددگار ہے ۔ تیری ہی مدد سے حرکت

اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ : ۔ کرتا ہوں۔ تیری ہی مدد سے حملہ کرتا ہوں تیری ہی مدد سے لڑتا ہوں۔

جب کسی قوم کی طرف سے شرارت کا اندیشہ ہوتا تو دعا فرماتے ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ :

الٰہی ہم تجھ کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں ۔

گھر سے باہر نکلتے تو دعا کرتے :

بِسْمِ اللّٰهِ التُّكْلَانُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ :

اللہ کے نام کی مدد سے اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور طاقت وقوت اسی کی مدد سے ہے ۔

نیز یہ دعا بھی :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ

الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی مجھ کو گمراہ کرے یا میں کسی کو گمراہ کروں یا ظالم ہونے سے یا مظلوم ہونے سے یا جہالت کرنے سے یا کوئی مجھ سے جہالت کرے۔

کوئی شادی کرتا تو اس کو دعا دیتے ۔

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ

اللہ برکت دے تجھے اور برکت نازل کرے تم دونوں پر اور اتفاق دے تم میں نیک کاموں میں ۔

جب کوئی فکر یا تردّد دامنگیر ہوتا تو فرماتے ۔

يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

یاحی ویاقیوم تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں

جب بازار تشریف لے جاتے تو دعا کرتے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذَا السُّوْقِ وَخَيْرَ مَافِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ شَرَّهَا وَشَرَّ مَافِيْهَا ہ

الٰہی میں تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں بازار کی اور ان چیزوں کی جو بازار میں ہیں اور پناہ مانگتا ہوں اسکے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے جو اس کے اندر ہیں

روزانہ صبح وشام یہ دعا فرماتے ۔

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ ۔

الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور حزن سے، ناتوانی اور کاہلی سے کمزوری اور بخل سے ، قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے قہر سے۔

اپنے اعمال کی برائی سے محفوظ رہنے کی بھی دعا فرماتے رہتے ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ ۔

الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں برائی سے اس کام کی جو کیا میں نے اور اس کام کی برائی سے جو نہ کیا میں نے ۔

حسبِ ذیل دعائیں بھی آپؐ کا معمول تھا۔

دعا	ترجمہ
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ	الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں چار چیزوں سے اس علم سے جو نفع نہ
وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ	دے، اس دل سے جس میں تیرا خوف نہ ہو، اس نفس سے جو حریص ہو
دُعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ ؂	اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَ	الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں حق کی مخالفت سے اور نفاق سے
سُوْءِ الْاَخْلَاقِ	اور بُرے اخلاق سے۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ	الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں برص سے، جذام سے، جنون سے،
وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ	اور تمام بُری بیماریوں سے۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ	الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر سے اور فقر سے۔
اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ	الٰہی سنوار میرے دین کو کہ وہ بچاؤ ہے میرے سب کاموں کا اور سنوار
وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْيَایَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ	میری دنیا کو کہ جس میں میری معاش ہے اور سنوار میری آخرت کو کہ جہاں
اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّیْ	مجھے لوٹنا ہے اور میری زندگی کو ہر نیکی کا ذریعہ بنا دے اور بنا دے
فِیْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ	میری موت کو سبب ہر راحت کا۔

کثرت سے یہ دعا فرماتے رہتے۔

دعا	ترجمہ
اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی	الٰہی ہم کو دنیا میں نیکی کی توفیق دے اور آخرت میں نیکی کی جزا
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ	دے اور بچا ہم کو نار کی تکلیف سے۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا	الٰہی میں مانگتا ہوں تجھ سے نفع بخش علم، مقبول عمل اور پاک
مُّتَقَبَّلًا وَّرِزْقًا طَيِّبًا۔	روزی۔

جب بارش ہوتی یہ دعا فرماتے۔

دعا	ترجمہ
اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا	الٰہی فائدہ مند پانی برسائیے۔

غرض رات و دن کی ساعتوں میں اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مانگتے رہتے۔ اور ہر مخلوق کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے رہتے۔ نیز وعظ و نصیحت کی مجالس اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر، بیوی بچوں کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ رہتے جو ذکرِ الٰہی کے مسنون طریقے ہیں۔

ذکرِ الٰہی کا ایک خاص طریقہ فکر و تدبّر کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت ہے یہ بھی آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔

میدانِ جنگ میں ذکرِ الٰہی

عین اسوقت جب فوجیں برسرِ پیکار ہوتیں۔ آپؐ نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ دعا و زاری میں مصروف رہتے۔ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، تبوک تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپکا یہی حال رہا۔ بدرؔ کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے۔ اور آپؐ دونوں ہاتھ اٹھا کر اور کبھی سجدے میں گر کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کر رہے ہیں "خدایا اپنا وعدۂ نصرت پورا کر"۔ سیدنا علیؓ تین دفعہ اثنائے جنگ میں حاضرِ خدمت ہوتے ہیں۔ اور ہر دفعہ یہی دیکھتے ہیں۔ کہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔

جنگِ اُحد میں دشمن یلغار کر رہے ہیں اور آپؐ دعا کر رہے ہیں کہ الٰہی میری قوم جاہل ہے اس کو ہدایت دیجئے۔ جنگ کے خاتمے پر ابو سفیان مسرت سے اپنے معبود باطل "ہبل" کی جے پکارتا ہے آپ زخم خوردہ ہیں مگر حضرت عمرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو:-

اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ اَللّٰهُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ ÷ اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں اللہ بڑا اور بلند ہے۔

غزوۂ خندق میں آپکے ہاتھ پاؤں مٹی پتھر اٹھانے کی مشقت میں مصروف ہیں مگر دل و زبان ذکرِ الٰہی سے خالی نہیں۔ زبانِ مبارک پر یہ دعا جاری تھی۔

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَةِ فَبَارِكْ ÷ الٰہی بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے انصار اور مہاجر کو
فِي الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ۔ ÷ برکت عطا کر۔

اِس جنگ میں دشمن حملے پر حملے کر رہے تھے کسی کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا۔ یہ حالت بیس بائیس روز مسلسل رہی لیکن اس مدت میں ایک دو سے زیادہ نمازیں قضا نہ ہوئیں۔

مجاہدینِ اسلام میدانِ جنگ میں مردانگی کے جوہر دکھانے میں مشغول رہتے اور آپؐ صمیمِ قلب کے ساتھ فتح و نصرت کی دعائیں مانگنے میں مصروف رہتے۔

توکّل علی اللہ

توکّل کے یہ معنی ہیں کہ بندۂ حق کو اسبابِ ظاہری پر اعتماد نہ ہو۔ بلکہ اپنے ربِّ اعلیٰ و عظیم پر اعتماد ہو۔ بظاہر اسباب و علل کتنے ہی ناموافق ہوں پھر بھی مایوسی و نا اُمیدی نہ ہو بلکہ یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہماری کارسازی فرمانے والے ہیں۔ اور اسبابِ ظاہری کتنے ہی موافق ہوں یقین یہ ہو کہ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہیں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک ایک گوشہ پر نظر ڈالیئے ۔ شدائد اور مصیبتوں اور مخالفتوں کی کوئی ایسی قسم نہ ہوگی جو آپؐ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو لیکن اعتماد علی اللہ کا یہ اثر تھا کہ کبھی مایوسی و ناامیدی اور خوف و بیم سے آپؐ کا دل آشنا نہ ہوا ۔

مکہ کی تنہائیوں میں، مصائب کے ہجوم میں، دشمنوں کے نرغہ میں، بدر و احد و حنین کے خونریز معرکوں میں توکل علی اللہ کا یکساں جلوہ نظر آتا ہے ۔

آپؐ کے چچا ابوطالب سمجھاتے ہیں کہ جان پدر میں کب تک تمہارا ساتھ دوں گا ۔ اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ آپؐ فرماتے ہیں " عم محترم ! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے اللہ میرا مددگار ہے ۔ "

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ " محمدؐ اب جیسے ہی قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالو ۔ سیدہ فاطمہؓ ان کی یہ باتیں سن رہی تھیں وہ روتی ہوئی آپؐ کے پاس آئیں ۔ اور واقعہ عرض کیا ۔ آپ نے ان کو تسکین دی ۔ وضو کے لئے پانی منگوایا ۔ اور وضو کر کے اللہ کے بھروسے، بے خطر حرم کی طرف روانہ ہوگئے ۔

ہجرت کی رات کفار قریش، خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے لیکن آپؐ نے توکل علی اللہ، اپنے عزیز قریب، حضرت علیؓ مرتضیٰ کو اپنی جگہ بستر پر لٹایا اور فرمایا ۔ انشاء اللہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا ۔

گھر کے چاروں طرف دشمن ننگی تلواریں لئے محاصرہ کئے ہوئے ہیں لیکن آپ صرف اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں پڑھتے ہوئے اطمینان کے ساتھ گھر سے باہر نکل جاتے ہیں ۔

مکہ سے نکل کر سیدنا ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور میں آپؐ نے پناہ لی ۔ قریش جوشِ انتقام میں آپؐ کا تعاقب کرتے ہوئے اس غار کے پاس پہنچ گئے ۔ سیدنا صدیقؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ دشمن سر پر آگئے ۔ اگر نیچے جھک کر دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی ۔ اس وقت بھی آپؐ نے پرسکون انداز میں فرمایا ان دو کو کیا فکر جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے ۔ جیسا کہ کلامِ الٰہی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے ۔

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمدؐ کو زندہ یا اُن کا سر کاٹ کر لائے گا اُس کو سو اونٹ ملیں گے سراقہ بن جعشم نے تعاقب کیا اور آپؐ کے قریب پہنچ گیا ۔ سیدنا ابوبکرؓ بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھ رہے تھے ۔ لیکن آپؐ نے ایک دفعہ بھی مُڑ کر نہیں دیکھا ۔ اور طمانیت قلبی کے ساتھ تلاوت قرآن کرتے ہوئے راستہ طے کرتے رہے ۔

ایک غزوہ سے واپسی میں آپؐ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا ۔ یہاں درختوں کے بہت جھنڈ تھے دوپہر کا وقت

تھا۔ درختوں کے سائے میں صحابۂ کرام اِدھر اُدھر سو رہے تھے ایک درخت کے نیچے تنہا آپؐ بھی آرام فرما رہے
تھے۔ اور اپنی تلوار ایک درخت سے لٹکا دی تھی۔ ایک دیہاتی جو شاید اسی موقع کی تلاش میں تھا چپکے سے
آیا اور آپؐ کی تلوار لے کر اس کو نیام سے باہر کیا اور آپؐ کے سامنے آیا۔ دفعتہً آپؐ بیدار ہوگئے۔ بدوی
نے پوچھا کہ اے محمدؐ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان
سے جواب دیا " اللّٰہ "

یہ جانتے ہوئے کہ یہود آپ کے مخالف ہیں جب کوئی دینی ضرورت پیش آتی تو تنہا اُن کے محلوں میں چلے
جاتے۔ احد و حنین کے معرکوں میں جب میدانِ جنگ اکثر جاں نثاروں سے خالی ہوگیا تھا آپؐ کے پائے استقلال
میں ذرہ بھی لغزش نہ ہوئی۔ اور آپؐ نہایت اطمینان سے منتشر حضرات کو پکار پکار کر اپنی طرف بلاتے رہے۔
توکّل اور اعتماد علی اللہ کا یہ ایک رُخ ہے۔ دوسرا رُخ وہ ہے کہ آپؐ پر فقر و غنا کے مختلف دور گزرے
کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقے
سے شکم مبارک پر دو دو، تین تین پتھر بندھے ہوتے، ہوسکتا تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لئے
اُٹھا رکھا جائے۔ لیکن تمام عمر آپؐ کا طرزِ عمل اس کے خلاف رہا۔ کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لئے
اُٹھا کر نہیں رکھی۔ ضروری اور بقدرِ کفالت اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک مستحقین پر صرف کر دیا
جاتا۔ سہواً کوئی چیز گھر میں رہ جاتی تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی۔

صبر و شکر

جب علی الاعلان فرائضِ نبوت کی انجام دہی کا حکم ہوا تو اُسی وقت آپؐ کو یہ تعلیم بھی دی گئی کہ اس
فرض کی انجام دہی میں رکاوٹیں، مزاحمتیں، اذیتیں اور مشکلات قدم قدم پر پیش آنے والی ہیں۔ اس لئے
اپنے رب کی خوشنودی کے لئے آپؐ ہر موقع پر صبر کریں۔

ولربک فاصبر ۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کر

مستند تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ اس حکمِ خداوندی کی آپؐ نے پوری پوری تعمیل فرمائی۔

ہجرت سے پہلے تیرہ سال، مکہ اور طائف کے اشقیاء نے جس تحقیر و استہزاء، وسب و شتم و ایذا رسانی و بدگوئی
سے دعوتِ حق کا جواب دیا۔ اور دشمنوں نے آپؐ کی جلاوطنی و قتل کے جو جو منصوبے باندھے اور جس جس طرح آپؐ
کو معاشی تکالیف میں مبتلا کیا۔ اس کو دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ ان تمام مشکلات اور مصائب میں آپؐ پیکرِ صبر
بنے رہے۔ راہِ حق میں مصائب و آلام کی ہر تلخی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی کے ساتھ برداشت کی۔

نہ صرف آخرت کے فضائل و درجات کا مستحق بنیں بلکہ امت کے غریب و مسکین افراد کی تسکین
خاطر کے لئے دنیا کی ہر تکلیف بطیبِ خاطر گوارا کی۔ یہی نہیں بلکہ خود اختیاری عسرت میں آپ نے عسرت کو ترجیح
دی۔ فتوحات کے بعد صحنِ مسجد ہر دفعہ زر و مال سے معمور ہو جاتا لیکن دست گیر کی اس وقت آرام ملتا جب سارا
خزانہ مستحقین پر لٹا دیا جاتا۔ اکثر آپؐ کی اور اہلِ بیت کی زندگی فقر و فاقہ میں گذرتی۔ جسم مبارک کے لئے ایک
لباس کے سوا دوسرا لباس نہ ہوتا تھا۔ تاہم یہ تمام شدائد اس لئے گوارا تھے کہ صبر میں جو خوشنودی رب کی لذت
ہے وہ الوان نعمت کی خوشگواری اور لباس ہائے فاخرہ اور تنعم و تعیش کی مسرت سے کہیں زیادہ ہے۔

آپؐ کے چچا ابو طالب جو قریش کے ظلم و ستم کی بلغار میں سپر تھے۔ انہوں نے مفارقت کی۔ خدیجۃ الکبریٰؓ
جو اس ہجومِ مصائب میں تنہا آپ کی مونس و غمخوار تھیں، جدا ہو گئیں۔ حضرت بی بی فاطمہؓ کے سوا تمام اولاد ذکور
و اُناث نے آپؐ کی نگاہوں کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر آنکھوں سے آنسو تو ضرور جاری ہوئے مگر دل و
زبان پر صبر کی مہر لگی رہی اور کبھی زبانِ مبارک سے کوئی ایسا کلمہ نہیں نکلا جس سے قضا و قدر پہ اعتراض یا شکایت
کا پہلو نکلتا ہو۔

حضرت زیدؓ (پروردۂ خاص) اور حضرت جعفرؓ چچیرے بھائی دونوں سے آپ کو محبت تھی۔ غزوۂ موتہ میں ان
کی شہادت کی خبر آئی تو چشمِ مبارک اشک آلود ہو گئی۔ نواسہ نے گود میں جان دے دی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے
مگر زبان سے آہ و غم کا کوئی لفظ، کوئی صدا نہ نکلی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے نفل عبادات اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے بعض صحابہؓ
نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپؐ معصوم ہیں آپؐ کیوں اتنی زحمت اٹھاتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔

افلا اکون عبداً شکوراً ❊ کیا میں خدائے تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

کلماتِ شکر الحمد للہِ ، سُبحان اللہ وبحمدہٖ ، اَللّٰھُمَّ لک الحمد ولک الشکر
ہمیشہ آپ کے وردِ زبان رہتے۔ تکالیف میں بھی آپ شکر کرتے اور فرماتے۔ الحمد للہِ علیٰ کُلِّ حال ٥

ہر کامیابی و مسرت و نعمت کو من اللہ سمجھ کر سجدۂ شکر ادا کرتے جیسا کہ روایت ہے۔

انہٗ کان اذا جاءہٗ امر سرور او بشر بہٖ ❊ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر
خرّ ساجداً شاکراً للہِ تعالیٰ۔ ❊ آتی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے آپ فوراً سجدے میں گر پڑتے۔

قبیلۂ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر پہنچی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ وحی کے ذریعہ جب آپ کو معلوم ہوا
کہ جو مجھ پہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ دس مرتبہ اس پہ رحمت نازل کرے گا۔ تو اس رفیع منزلت پہ فوراً سجدۂ الٰہی
بجا لائے۔

کے انتقال کے بعد یہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ بیوہ تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مونس و رفیقۂ حیات کی سخت ضرورت تھی۔ حضرت سودہؓ کے والد زندہ تھے اُن کے پاس پیام نکاح بھیجا۔ انہوں نے کہا سودہؓ سے بھی دریافت کر لو۔ غرض تمام امور طے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا چار سو درہم مہر قرار پایا۔ قد بلند و بالا۔ فربہ اندام تھیں۔ آپؐ کی بہت مطیع و فرماں بردار بی بی تھیں فیاض بھی تھیں۔ اور اس وصف میں ممتاز تھیں۔ آپؓ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت سے ۵۴ھ اور ایک دوسری روایت سے ۵۵ھ میں وفات پائی۔ امام بخاری کی روایت ہے کہ ۲۳ھ میں وفات ہوئی۔

حضرت عائشہؓ۔ عائشہؓ نام۔ اگرچہ آپ لاولد تھیں مگر اپنے بھانجے عبداللہؓ بن زبیرؓ کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت تھی۔ سیدنا ابو بکرؓ صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ بعثتِ نبوی کے چار سال بعد پیدا ہوئیں۔

۱۰ھ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا۔ اُس وقت اِن کی عمر چھ سال تھی۔ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کا نکاح بہت قریب قریب زمانے میں ہونے کی وجہ سے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کون سا نکاح پہلے ہوا۔ کسی کا بیان ہے کہ پہلے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا۔ آپ کا مہر بھی چار سو درہم قرار پایا۔ مگر مسلم میں سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ ازواجِ مطہرات کا مہر پانچسو درہم ہوتا تھا۔

نکاح کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ میں تین سال رہا۔ ۱۳ھ نبوی میں آپؐ نے ہجرت کی۔ جب مدینہ میں رہائش وغیرہ کا قدرے اطمینان ہو گیا تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنے اہل و عیال کو مدینہ بلوالیا۔ اب سیدہ عائشہؓ کی عمر ۹ برس کی ہو چکی تھی۔ اور آپ بالغ ہو چکی تھیں۔ وداعیٔ عروسی کی تقریب انجام پائی۔ شوال ہی کے مہینے میں نکاح ہوا اور شوال ہی کے مہینے میں رخصتی ہوئی۔ اہلِ عرب ماہ شوال میں شادیاں نہیں کرتے تھے اِس مہینے کی شادی کو منحوس خیال کرتے تھے۔ اس بدشگونی کو مٹانے کے لئے یہ مہینہ غالباً انتخاب کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ عائشہؓ کو بہت چاہتے تھے۔ سیدہ عائشہؓ کے رنگ میں سرخی تھی۔ اس لئے محبت میں آپ کو حمیرا پکارتے تھے۔ مرض الموت میں تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر زندگی کے آخری دن سیدہ عائشہؓ ہی کے حجرے میں بسر کئے۔

پڑھی لکھی تھیں۔ علمِ دین اور بصیرتِ قرآنی میں آپ کی حیثیت بہت ممتاز تھی۔ شریعت کے بہت سے احکام آپ نے امت کو پہنچائے۔ خصوصاً نسوانی مسائل میں صحابہ کرام آپ ہی سے فتویٰ لیا کرتے تھے۔ اپنی بصیرتِ قرآنی کی بناء پر فقہی مسائل میں فقہائے صحابہ سے اختلاف بھی کرتی تھیں۔ حدیثوں کی کافی تعداد آپ سے مروی ہے مخالفِ قرآن کسی حدیث کو قبول نہیں کرتی تھیں۔ ارشاداتِ خدا و رسول کے منشاء و مطلب کو خوب سمجھتی تھیں۔

درسِ قرآن بھی دیتی تھیں۔ اور درس حدیث بھی۔ آپ کے اور شاگردوں کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا۔ خدمت اقدس میں بھی زیادہ جرأت و بیباکی سے رہتی تھیں۔ ذہانت بھی تھی۔ اور شوخیٔ طبع بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۹ سال گزارے ۔ ۹ سال کی عمر میں آپؐ کے پاس آئیں۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ آپؐ کے بعد تقریباً ۴۸ سال زندہ رہیں۔ ۵۷ھ میں وفات پائی۔ عمر ۶۶ سال کی تھی۔

حضرت حفصہؓ۔ آپ سیدنا عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ بعثتِ نبوی سے پانچ برس پہلے پیدا ہوئیں۔ پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی۔ انہوں نے جنگِ بدر کے بعد وفات پائی۔ عدت گزرنے کے بعد ۳ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی خواہش کی۔ سیدنا عمرؓ نے فوراً منظور کرلی۔ مزاج میں ذرا تیزی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم حضرت صفیہؓ کو اکثر طنزاً کہہ دیا کرتی تھیں۔ "تم یہودی کی بیٹی ہو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بے باکانہ گفتگو کرتی تھیں۔ جس پر سیدنا عمرؓ بھی برہم ہوکر منع کرتے تھے۔ احادیثِ نبوی آپ سے بھی مروی ہیں۔

حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں وفات پائی۔ جو امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

حضرت زینب اُمّ المساکینؓ۔ زینبؓ نام تھا۔ چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اس لئے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ پہلے عبداللہ بن جحشؓ صحابی کی بیوی تھیں انہوں نے جنگِ اُحد ۳ھ میں شہادت پائی۔ تو اسی سال عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے بعد دو تین مہینے ہی آپؐ کے پاس رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ وفات کے وقت عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت اُم سلمہؓ۔ ہند نام، ام سلمہ کنیت تھی۔ پہلے ابوسلمہؓ صحابی کے نکاح میں تھیں۔ اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں۔ اور اپنے شوہر ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے پھر مکہ آئیں۔ اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی۔ ہجرت میں اُن کو یہ فضیلت ہے کہ اہلِ سیر کے نزدیک یہ پہلی بی بی ہیں جو ہجرت کرکے مدینہ آئیں۔

ان کے پہلے شوہر ابوسلمہؓ کو جنگِ احد میں چند کاری زخم لگے تھے۔ جن کے صدمہ سے وہ جاں بر نہ ہوسکے اور ۴ھ میں وفات پائی۔ اس وقت یہ حاملہ تھیں وضعِ حمل کے بعد جب عدت گزرگئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنا چاہا۔ انہوں نے چند عذر پیش کئے۔

(۱) میں سخت غیور عورت ہوں۔ (۲) صاحبِ اولاد ہوں۔ (۳) سن رسیدہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا کرلیا۔ اور ان سے نکاح فرمایا۔

ازواجِ مطہرات میں سیدہ عائشہؓ کے بعد فضل و کمال میں ان ہی کا درجہ ہے۔ روایتِ حدیث اور احکام شرعیہ بیان کرتے میں سیدہ عائشہؓ کے سوا تمام بی بیوں پر آپؓ کو فضیلت ہے۔ واقعہ کربلا ۶۱ھ کے بعد وفات پائی۔ ازواجِ مطہرات میں سب کے بعد آپ ہی کا انتقال ہوا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ صاحب جمال بھی تھیں۔ پہلے آپ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کے مطابق آپؐ کے پروردہ حضرت زیدؓ سے بیاہی گئیں مگر نااتفاقی کی وجہ سے حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد ۵ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ تمام ازواجِ مطہرات میں یہ شرف آپؓ ہی کو حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ جل شانہٗ نے ان کا نکاح کردیا۔ ملاحظہ ہو آیت سورۂ احزاب۔

فلما قضیٰ زید منها وطرًا زوجنٰکها۔ (الی آخر) ❊ پھر جب زید کا جی ان سے بھر گیا تو ہم نے آپ سے ان کا نکاح کردیا۔

اس حکم کے نازل ہونے کے بعد پھر نکاح کی تقریب عمل میں نہیں آئی۔ اور حضرت زینبؓ کو آپؐ نے اپنے پاس بلالیا۔ عبادت میں بہت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ بڑی راست گو تھیں۔ واقعۂ افک کے موقعہ پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہؓ کی اخلاقی حالت ان سے دریافت کی تو فوراً کہدیا۔ "ما علمت الا خیرًا" (میں ان میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی) فیاض بھی تھیں اور قانع بھی، اکثر مال و دولت خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ بیت المال سے جو سالانہ نفقہ آتا تو رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردیتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا۔

اسرعکن لحاقًا بی اطولکن یدًا ❊ تم میں سے مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

یہ استعارہ فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن ازواجِ مطہرات نے اس کو حقیقت سمجھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں۔ اور ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ سالِ وفات ۲۰ھ ہے عمر بوقت وفات ۵۳ سال کی تھی۔

حضرت جویریہؓ۔ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں جو قبیلہ مصطلق کا سردار تھا۔ مسافع بن صفوان کی بیوی تھیں جو غزوۂ مریسیع میں قتل ہوا۔ اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی، غلام، مسلمانوں کے ہاتھ آئے ان ہی میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو یہ ثابت بن قیسؓ انصاری کے حصہ میں آئیں۔ اسلام میں لونڈی غلام کے ساتھ جو رعایتیں ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ

رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں ایسے لوگوں کو مکاتب کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رقم ادا کر کے ان کو آزاد کرا دیا اور پھر ۵ھ میں حضرت جویریہؓ کی رضامندی سے ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ جب یہ خبر لوگوں میں پھیلی تو صحابۂ کرامؓ نے بھی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بناء پر آزاد کر دیا۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی لوگ ہیں۔ غلاموں کی تعداد سات سو بتلائی جاتی ہے۔ غرض حضرت جویریہؓ کے طفیل سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے۔

حضرت جویریہؓ نے پچاس ہجری (۵۰ھ) میں وفات پائی۔

حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ۔ اصل نام اور ام حبیبہؓ کنیت تھی۔ اعلان رسالت کے بعد اپنے شوہر عبید اللہ بن جحشؓ کے ساتھ اسلام قبول کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ حبشہ میں ان کے شوہر عیسائی ہو گئے۔ اختلاف مذہب کی بناء پر شوہر سے علیحدہ ہو گئیں۔ وقت آگیا تھا کہ اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو۔ چنانچہ ۶ھ کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیۃ الضمریؓ کے ذریعہ نجاشی شاہ حبش کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ نجاشی نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی کے ذریعہ پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کر لیا۔ اور اپنی طرف سے خالد بن سعید رمزیؓ کو وکیل نکاح مقرر کیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔ اور آپؐ کی طرف سے دعوت ولیمہ بھی کی۔ جب تمام رسوم ادا ہو گئے۔ تو نجاشی نے اُن کو شرحبیل بن حسنہؓ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اُم حبیبہؓ نے ۴۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ۔ اصلی نام زینب تھا۔ صفیہ نام سے مشہور تھیں۔ آپ ننہال و ددھیال دونوں کی طرف سے رئیس زادی تھیں، باپ قبیلۂ بنو نضیر کا سردار اور ماں بنو قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھیں آپ کا پہلا شوہر بھی قبیلہ کا سردار تھا۔ جو جنگ خیبر ۷ھ میں مارا گیا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی اسی جنگ میں مارے گئے اور یہ بھی گرفتار ہو کر آئیں۔ اور دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئیں۔ لیکن صحابۂ کرامؓ نے خدمت اقدس میں آکر عرض کی کہ صفیہ رئیس کی بی بی ہے رئیس زادی ہے وہ صرف آپؐ کے قابل ہے۔ آپؐ نے دحیہ کلبیؓ کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ خیبر میں نکاح ہوا وہاں سے روانہ ہو کر اثنائے راہ مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور صحابہ سے آپ نے فرمایا کہ اپنا اپنا کھانا لے آؤ۔ سب مل کر یہیں کھاؤ یہی آپؐ کی دعوت ولیمہ تھی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے اپنے اونٹ پر حضرت صفیہؓ کو سوار کر لیا اور اپنی عبا ان پر ڈال دی۔ حضرت صفیہؓ کو بھی آپ بہت چاہتے تھے اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ ازواج مطہرات میں

سے سیدہ عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت زینبؓ کبھی کبھی حضرت صفیہؓ کو طنزاً یہودن کہا کرتی تھیں۔ ایک سفر میں ازواجِ مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ کھو گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس کئی اونٹ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہودن کو اپنا اونٹ دوں۔ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز تک حضرت زینبؓ سے ناراض رہے۔

ایک دفعہ آپؐ نے دیکھا کہ حضرت صفیہؓ رو رہی ہیں۔ وجہ دریافت کی انہوں نے کہا عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تم سے افضل ہیں۔ کیونکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیاں ہونے کے علاوہ آپؐ کی چچا زاد بہنیں بھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔ تم لوگ کیوں کر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ تقریباً تمام ازواجِ مطہرات جنت البقیع میں دفن ہیں۔

حضرت میمونہؓ۔ بیوہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی سالی تھیں حضرت عباسؓ ہی نے ان سے نکاح کی تحریک کی اور انھیں نے نکاح پڑھایا۔ ایک روایت یہ ہے کہ خود حضرت میمونہؓ نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے ہبہ کیا۔ ۷ھ میں مدینہ سے قریب ایک مقام سرف میں نکاح ہوا۔ اور مقام سرف ہی میں انتقال ہوا۔ سنِ وفات ۵۱ھ ہے۔

ان گیارہ بیویوں کے علاوہ ایک آپؐ کی حرم کنیز ماریہ قبطیہؓ تھیں جو آپؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؓ کی والدہ تھیں۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حُسنِ معاشرت

ازواجِ مطہرات کی تعداد گیارہ تھی۔ ان میں عام اصول فطرت کے مطابق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی مستورات تھیں۔ باہم رشک و منافست بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی پسند فرمائی۔ ظاہر ہے کہ ازواجِ مطہرات کے کھانے کپڑے کا انتظام بھی ان کے خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان کو شکوہ و شکایت کا موقع بھی ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے باوجود آپؐ کی حُسنِ معاشرت میں کبھی ذرا فرق نہیں آیا۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپؐ کو بے حد محبت تھی۔ جب وہ عقدِ نکاح میں آئیں۔ تو آپؐ کا عنفوانِ شباب تھا اور وہ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکی تھیں۔ تاہم آپؐ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کو یاد کرتے رہے۔ اور کبھی جوشِ محبت سے بے تاب ہو جاتے۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ لیکن محبت کے وہ اسباب نہ تھے۔ جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن و جمال میں اور دیگر امور خانہ داری میں دوسری بی بیاں

سیّدہ عائشہؓ سے کم نہ تھیں۔ لیکن سیدہ عائشہ کی قابلیت، فراست، قوتِ اجتہاد، دقتِ نظر، دینی علم کی حرص، ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔ نیز سیّدہ عائشہؓ کے والد ماجد، سیدنا ابو بکرؓ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو خصوصیت تھی سیّدہ عائشہؓ کے محبوب ترین ہونے میں اس کا بھی بڑا اثر تھا۔

ایک دفعہ چند ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے سب نے وکیل بنا کر بھیجا ہے۔ کہ آپؐ ابوبکرؓ کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے جواب میں اپنی لختِ جگر سے صرف یہی فرمایا کہ بیٹی! کیا تم اُس کو نہیں چاہتیں۔ جس کو میں چاہتا ہوں جنابِ سیدہؓ کے لئے یہ جواب کافی تھا۔ واپس جا کر ازواجِ مطہرات سے کہا کہ آئندہ میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔

اگرچہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مرضی کے خلاف تھی۔ مگر آپؐ نے ازواجِ مطہرات سے کوئی باز پرس نہیں فرمائی۔

دوسری مرتبہ اس خدمت پر حضرت زینبؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ کیونکہ امہات المؤمنین میں حضرت زینبؓ کو سیدہ عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ تھا۔ انہوں نے بڑی دلیری سے یہ خدمت انجام دی۔ اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ سیدہ عائشہؓ ان کی تقریر سن رہی تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جا رہی تھیں جب حضرت زینبؓ تقریر ختم کر چکیں۔ تو مرضیٔ مبارک پا کر کھڑی ہوئیں۔ اور جواباً ایسی مدلل تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کیوں نہ ہو، ابوبکرؓ کی بیٹی ہے۔ اس موقع پر بھی آپؐ نے کسی سے ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ "چار اوصاف کی بناء پر بیوی کا انتخاب ہو سکتا ہے۔ مال، نسب، حسن، دینداری۔ تم دیندار عورت کو تلاش کرو۔" خود آپؐ کو بھی ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیشِ نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا۔ بصیرتِ دینی، قرآن فہمی جس کی سب سے بہتر ہوتی آپؐ اس کو زیادہ پسند فرماتے۔ اِن اوصاف میں سیدہ عائشہؓ تمام ازواجِ مطہرات سے افضل تھیں۔ مذہبی احکام و مسائل کے علم و اطلاع کا موقع تو سب ہی کو حاصل تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری تھا کہ مسائل کی تہ تک پہنچنے اور احکامِ شریعت کے منشا کو پانے کی قابلیت بھی ہو یہ قابلیت جس میں زیادہ ہوتی وہ اسی قدر دینی تعلیم سے بہرہ مند ہوتا۔ سیّدہ عائشہؓ نے مجتہدانہ دل و دماغ پایا تھا۔ اس لئے صحبتِ نبوی سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ بڑے بڑے مسائل میں وہ اکابر صحابہؓ سے اختلاف کرتی تھیں۔ اور اکثر مسائل میں ان کی فہم و فراست کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

امت کے لئے اس میں یہ سبق ہے کہ بیویوں یا اولاد میں جس کو زیادہ دینی بصیرت حاصل ہو اسی سے زیادہ محبّت کرنی چاہیئے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپؐ تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے۔ جب اُن کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے بعض دفعہ ایسا کرتے کہ جن کی باری ہوتی اُن ہی کے گھر میں تمام بی بیاں آجاتی تھیں۔ دیر تک باہم لطفِ صحبت اٹھاتیں اور کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ گو آپس میں گاہے گاہے رشک و منافست کا اظہار ہوتا تھا۔ مگر آپؐ کی حسنِ معاشرت کا یہ اثر تھا کہ دل صاف تھے اور باہم سب ہنستے بولتے ملتے جلتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح امہات المومنین کی خاطر داری فرماتے۔ ان کے جذبات کا لحاظ کرتے، ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے۔ ذیل کے واقعات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ازواجِ مطہرات سفر میں ساتھ تھیں۔ ساربان اونٹوں کو تیز تیز چلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا آہستہ چلو۔ اونٹوں پر آبگینے ہیں۔

حضرت صفیہؓ کھانا اچھا پکاتی تھیں ایک دفعہ انہوں نے کھانا پکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا آپؐ اس وقت سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ خادم نے پیالہ لا کر آپؐ کے ہاتھ میں دیا سیدہ عائشہؓ کھانا پکا رہی تھیں۔ اُٹھ کر آئیں اور ہاتھ مار کر پیالہ زمین پر گرا دیا۔ آپ نے ذرا بھی برہمی ظاہر نہ فرمائی۔ پیالے کے ٹکڑے یکجا کرنے لگے۔ اور فرمایا کہ تم کو پیالے کا ضمان دینا ہوگا۔

ایک دفعہ سیدہ عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ آگئے اور اس گستاخی پر سیدہ عائشہؓ کو مارنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آگئے۔ سیدنا صدیقؓ تو واپس چلے گئے۔ آپ نے سیدہ عائشہؓ سے مزاحاً فرمایا کیوں میں نے تم کو کیسے بچا لیا۔ تند و تیز لہجہ میں گفتگو کرنے کا کوئی اثر قلبِ مبارک پر نہ ہوا۔

کبھی ایسا ہوتا کہ سیدہ عائشہؓ کسی ناراضی کی وجہ سے آپؐ کی طرف کم متوجہ رہتیں۔ مگر آپؐ اس کا کوئی اثر نہ لیتے۔ بلکہ ان سے فرماتے جب تم مجھ سے ناراض رہتی ہو تو سمجھ جاتا ہوں' بولیں کیونکر۔ فرمایا جب خوش رہتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے تو کہتی ہو محمدؐ کے خدا کی قسم۔ اور جب ناراض رہتی ہو تو کہتی ہو ابراہیم کے خدا کی قسم، سیدہ عائشہؓ کے دل سے ملال نکل جاتا مسکرا دیتیں۔ اور فرماتیں کہ یا رسول اللہ صرف زبان سے آپؐ کا نام نہیں لیتی۔ (مطلب یہ کہ دل سے ناراض نہیں رہتی۔)

سیدہ عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سِن تھیں۔ ہجولیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلا کرتی تھیں۔ آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں اِدھر اُدھر چھپ جاتیں۔ آپؐ اُن کو بلا کر سیدہ عائشہؓ کے پاس بھیجدیا کرتے۔

عرب میں حبشی ہتھیاروں کے کھیل کھیلا کرتے ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے۔ سیدہ

عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ سیدہ عائشہؓ دوش مبارک پر منہ رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں۔ اور بڑی دیر تک دیکھتی رہیں۔ آپؐ اسی طرح کھڑے رہے بالآخر خود تھک کر ہٹ گئیں۔

ایک دفعہ سیدہ عائشہؓ سے فرمایا آؤ دوڑنے میں مقابلہ کریں۔ وہ اس وقت تک دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں جب سن زیادہ ہوا اور ذرا فربہ اندام ہوگئیں۔ تو آپ نے فرمایا آؤ اب پھر دوڑیں۔ اب کی دفعہ پیچھے رہ گئیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ اس دن کا جواب ہے۔

ہمیشہ بیویوں کے ساتھ ایک ہی بستر پر ایک ہی چادر میں آرام فرماتے۔ گھر کے کام کاج میں ان کی مدد کرتے۔ کبھی آٹا گوندھ دیتے۔ کبھی جھاڑو دے دیتے۔ کبھی چولھا سلگا دیتے۔ ازواجِ مطہرات اگر کچھ اِدھر اُدھر کے قصّے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپؐ برابر سنتے رہتے۔ اور خود بھی کچھ اپنے گزشتہ واقعات بیان فرماتے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ ہم میں اس طرح ہنستے بولتے بیٹھے رہتے کہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ کوئی اولوالعزم نبی ہیں۔ لیکن جب کوئی دینی بات ہوتی یا نماز کا وقت آجاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپؐ وہ آدمی ہی نہیں ہیں۔

کھانے پہننے میں ازواجِ مطہرات کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ جو چاہتیں کھاتیں، پہنتیں۔ ہر چند عسرت کی وجہ سے اچھا کھانا پہننا میسر نہ آیا۔ البتہ اہلِ بیت کے لئے سونے چاندی کے زیور پسند نہ فرماتے۔ اس لئے کہ عام امت کی معاشی حالت بہت خراب تھی۔ اس زمانہ میں ہاتھی دانت کے زیوروں کا رواج تھا۔ آپؐ اس قسم کا زیور پہننے کا حکم دیتے۔ بیویوں کا پاک صاف رہنا پسند کرتے۔ بیویوں پر نہ لعن طعن کرتے۔ نہ اُن سے سخت و درشت لہجہ میں گفتگو کرتے۔ اگر کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی۔ تو التفات میں کمی کر دیتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپؐ نے اپنی ایک زوجۂ محترمہ سے بطور راز داری کچھ باتیں فرمائیں اور تاکید کر دی تھی کہ کسی اور سے نہ کہنا ان بی بی نے دوسری بی بی سے ان باتوں کے منجملہ ایک دو باتیں کہہ دیں۔ وحی کے ذریعہ آپؐ کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپؐ نے ان بی بی سے دریافت فرمایا انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپؐ کو کیسے خبر ہوگئی کہ میں نے افشائے راز کیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ علیم و خبیر نے مجھ کو اس کی خبر دی اس کے سوا اور کوئی ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ نہ افشائے راز پر اُن کو سخت سُست کہا۔

اولاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ اولادیں تھیں۔ چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔ تمام صاحبزادے صغر سنی میں انتقال کر گئے۔ سب میں بڑے حضرت قاسمؓ تھے۔ ان ہی کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسمؐ تھی۔ رسول اللہ

انسان کی فطرت یہ ہے کہ جس کو اپنا حاجت روا سمجھتا ہے اُسی کی والہانہ اطاعت بھی کرتا ہے جس کے ہاتھ میں اپنا نفع و ضرر دیکھتا ہے اس کے احکام پر بے چون وچرا عمل کرتا ہے۔ اسی لئے اوّلاً" لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ، مانگ، سوال و دعا کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرنے کی دعوت دی گئی مشرکین کو بھی اور اہلِ کتاب کو بھی۔ عبادت کا یہی بنیادی مفہوم ہے۔ مکی سورتیں ملاحظہ فرمائیے تو زیادہ تر ان سورتوں میں "لا تدع من دون اللہ" "فادعوہ مخلصین لہ الدین" اور "لا تدع مع اللہ الٰہاً اخر" کی تعلیم ملے گی۔ انابت الی اللہ کی یہی تعلیم، ہدایت کی پہلی منزل ہے جو آپؐ نے طے کرائی۔ نماز۔ خوفِ الٰہی۔ حُبِّ الٰہی۔ حق و باطل کی کش مکش۔ اس کش مکش میں ضرر دنیا پر صبر۔ دین و ایمان پر استقامت۔ شکر و توکل۔ مغفرت و جنّت کی طلب، ہدایت کی پہلی منزل ہی کے لوازم ہیں۔ جس کے بعد ہر حکمِ الٰہی کی سرفروشانہ و والہانہ تعمیل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے آپؐ کی بنیادی تعلیم کے یہی اہم اجزاء ہیں۔ یہ اُسوۂ حَسَنَہ بھی مصلحین اور پیشوایان مذہب و اکابرِ ملّت فراموش کر چکے اِلّا ماشاءاللہ۔ لا الٰہ الا اللہ کی مذکورہ نبوی تعلیم کے بجائے رشد و ہدایت کے مراکز میں لا الٰہ الا اللہ کی جو تعلیم ہے وہ لا الٰہ الا اللہ کا غیر مسنون ذکر و شغل یا ضربات یا لاموجود الا اللہ کی شکل میں ہے یا راعی و رعیّت کے تعلق کی حیثیّت سے۔

(۳) جب انسان الٰہی تعلیم سے بے بہرہ ہو جاتا ہے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ یعنی الٰہی تعلیم قبول کرنے کی صلاحیّت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اوّلاً دل کو نرم کیا جائے۔ پس دلوں کی سختی دور کرنے کے لئے معلّمِ فطرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپؐ نفع و نقصانِ آخرت کو اوّلاً سامنے رکھتے اور یہی تعلیم دیتے تھے کہ دنیا امتحان گاہ ہے مسافر خانہ ہے۔ اصلی و دائمی گھر تو آخرت ہے۔ آخرت ہی کی زندگی حقیقی زندگی ہے جسے حاصل کرنا ہی اصل مقصدِ بندگی ہے۔

حضرت حنظلہ..... رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔ ہم مجلس نبوی میں بیٹھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنّت و دوزخ گویا ہمارے سامنے ہے۔" یہ ایک ہی مجلس کا ذکر نہیں ہے بلکہ عام مجالسِ نبوی کا یہی نقشہ رہتا تھا۔ آپؐ کی تعلیم پر غور کیجئے تو یہی بات نمایاں نظر آتی ہے کہ ہر نصیحت کا حرفِ آخر جنّت ہے یا دوزخ ہے کم و بیش ہر نصیحت میں "اتقوا اللہ" کی تاکید رہی یہ اُسوۂ حَسَنَہ بھی متروک ہو چکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی تعلیم پانے والوں میں نہ دنیا سے وہ بے تعلقی پیدا ہوتی ہے جو صحابہ کرام میں تھی اور نہ ویسی فکرِ مغفرت نہ ویسا خوف آخرت۔ اور نہ دین کی بقاء و اشاعت کا ویسا والہانہ جذبہ۔

(۴) ہر شعبۂ زندگی میں قوانینِ الٰہی پر عمل کرانے کے علاوہ زندگی کے تمام تعلقات و معاملات میں آپؐ نے مکارمِ اخلاق کی بھی تعلیم دی۔ علماً بھی..... اور عملاً بھی۔ یہ اُسوۂ حَسَنَہ بھی مراکزِ رشد و ہدایت

یں متروک ہے۔

(۵) آپؐ نے خاص توجہ سے اپنے اہلِ بیت کی دینی تعلیم و تربیت فرمائی۔ یہ اُسوۂ حسنہ بھی ہر صاحبِ خانہ کا شعار نہیں رہا۔

(۶) آپؐ نے صحابۂ کرامؓ کو صرف کتابِ الٰہی کی تعلیم دی اور الٰہی ہدایتوں پر عمل کرنے کے طریقے، اپنے عمل سے صحابۂ کرام کو سکھائے اسی سے اُنکے نفس کا تزکیہ ہوا۔ اُن کے قلب کی تطہیر ہوئی اور وہ حضرات صالحیت و شہادت و صدیقیت کے مقامات پر فائز ہوئے۔ ان میں نہ صرف اوصافِ بندگی پیدا ہوئے بلکہ دانائی و فراست اور عدل و احسان کے ساتھ خلافتِ ارضی کے فرائض انجام دینے کی قابلیت بھی پیدا ہوئی یہ اُسوۂ حسنہ بھی متروک ہے۔ اس کے بجائے عام طور سے کشفی علوم اور غیر مسنون اعمال و اشغال کی تعلیم رائج ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیم اس انداز سے نہیں ہے کہ تعلیم پانے والوں میں فراست و دانائی اور باطل شکن عزائم اور جہاد فی سبیل اللہ کے والہانہ جذبے پیدا ہوں۔ جیساکہ نبوی تعلیم سے صحابۂ کرامؓ صاحبانِ عزیمت و جہاد ہوئے اس کے برخلاف صاحبِ کشف و کرامت بننے کی تمنائے خام سے قلوب معمور کئے جاتے ہیں۔

(۷) بیویوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کی تعلیم آپؐ نے قولاً و فعلاً دی۔ امت نے یہ اُسوۂ حسنہ بھی فراموش کر دیا۔

(۸) دوست، احباب، ہمسایہ اور غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نبوی تعلیم بھی پیشِ نظر نہیں رہی۔

(۹) صفائی، ستھرائی اور وقار و سلیقہ، حسنِ تدبیر اور پابندئ اوقات کی نبوی تعلیم بھی بھلا دی گئی۔

(۱۰) آپؐ کی تعلیم میں فنونِ سپہ گری، حرب و ضرب کی تعلیم بھی ہے۔ یہ اُسوۂ حسنہ بھی قطعاً بھلا دیا گیا۔

(۱۱) آپؐ نے شرک، کفر، نفاق و ریا کے ایک ایک جزو کو بیان کر کے اس سے بچنے کی تاکید فرمائی اور عبادات و تہذیب و معاشرت میں مشرکین کی مشابہت سے بھی منع فرمایا۔ دینی تعلیم کے مراکز میں اُسوۂ حسنہ کا یہ اہم جزو بھی بالکل متروک ہے۔

الغرض اُسوۂ حسنہ کو سامنے نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف رشد و ہدایت کے مراکز میں تعلیم و تربیت علیٰ منہاجِ نبوت نہیں رہی اور دوسری طرف مسلم حکمران طبقے میں طریقۂ حکمرانی علیٰ منہاجِ نبوت نہیں رہا۔ اور اصلاحی و تبلیغی جدوجہد بھی علیٰ منہاجِ نبوّت نہیں رہی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

تمّت

ملنے کا پتہ

ادارہ اہل سنت و جماعت کمان سلطان شاہی حیدرآباد دکن ۲

مطبوعہ

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان حیدرآباد دکن

جمادی الآخر سنہ ۱۳۷۶ھ